بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

اکرم التفاسیر

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

21

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اکرم التفاسیر

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان دامت برکاتہم العالیہ

21

اکرم التفاسیر

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

پارہ 21

بار اوّل .... جون 2016ء

تعداد .... دو ہزار

قیمت .... -/470 روپے

ناشر .... ملک عبدالقدیر اعوان

ناظم اعلیٰ ادارہ نقشبندیہ اویسیہ

دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال

نے انتخاب جدید پریس لاہور سے طبع کروایا

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

اویسیہ کتب خانہ

اویسیہ سوسائٹی

کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور

بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی سمجھنے میں انتہائی آسان، فرقہ پرستی سے پاک اور موجودہ زمانہ کے مطابق لکھی ہوئی قرآن اردو تفسیر وٹس ایپ پر فری حاصل کریں۔

یاد رکھیں گناہ جہالت کا پھل ہوتا ہے اور یہ بڑی شرم اور بد بختی کی بات ہے اگر ہم ساری زندگی میں اتنا بھی نہ جان سکیں کہ قرآن میں لکھا کیا ہے۔ لیکن اب آپ کے پاس آسان طریقہ موجود ہے۔ قرآن کی تفسیر ہر وقت آپ کی جیب میں ہو گی اور آپ کو جب بھی دن میں فارغ وقت جہاں بھی حاصل ہو آپ کچھ صفحے روزانہ پڑھتے رہیں اس طرح کچھ ہی وقت میں آپ پورے قرآن کی تفسیر سمجھ سکتے ہیں جس سے آپ کے ہزاروں عقائد و اعمال کی اصلاح ہو کر شریعت کے مطابق ہو جائیں گے اور آپ کی دنیا اور آخرت دونوں جہاں بہترین ہو جائیں گے۔ ہر پارہ کی علیحدہ علیحدہ تفسیر موجود ہے۔

www.QuranTafseer.net

0092 323 520 5255

اپنے وٹس ایپ سے اوپر دیئے گے نمبر پر میسج کریں کہ آپ کو لکھی ہوئی تفسیر چاہیے۔ جبکہ ویب سائیٹ سے بھی آپ یہی تفسیر آڈیو، وڈیو اور تحریر کردہ حاصل کر سکتے ہیں۔

اپنے دوستوں رشتہ داروں سے یہ پوسٹ شئیر کر کے ڈھیروں ثواب حاصل کریں

از دلِ خیزد بر دلِ ریزد

اکثر احباب سوچتے ہوں گے اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس بارے میں عرض کر دوں کہ نہ تو خود ثنائی کی پہلے کوئی تمنا تھی نہ اب ہے اور نہ ان شاء اللہ آئندہ ہوگی۔ نہ ہی یہ خیال دل میں آیا کہ مجھے کوئی بڑا عالم یا مفتی یا مفسرِ قرآن کہے نہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر کبھی اپنا وقت قربان کیا۔ ہاں! یہ خواہش ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور استاد المکرم حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ صاحب کی خصوصی توجہ سے جو علوم و معارف عطا فرمائے انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق تک پہنچاؤں اور اپنا فریضہ ادا کروں۔

ایک اور بات جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اپنے وقتِ نزول سے تا حال اور آئندہ تا قیامت بلکہ اس سے بھی آگے حساب و کتاب، جنت و دوزخ کی بات کرتا ہے اور تمام انسانیت کو راہنمائی اور ہدایت فراہم کرتا آیا ہے اور ان شاء اللہ کرتا رہے گا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں، قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اب اس کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ رسول اور نہ ہی کوئی کتاب یا صحیفہ اس لیے کہ تمام مخلوق کے مسائل کا حل اس میں موجود ہے۔ ہر زمانے کے لوگ اپنے اپنے حالات کے مطابق استفادہ کرتے آئے ہیں، آئندہ بھی کرتے رہیں گے اور یہ خصوصیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے کلام ہی کی ہو سکتی ہے۔ پہلے وقتوں میں آج کی طرح نقل و حمل و رسل و رسائل کے مواقع اتنے نہیں تھے اس لیے ایک سے دوسری جگہ علوم و ایجادات پہنچنے میں سالہا سال لگ جاتے تھے۔

زمانہ حال کی جدید ایجادات اور خصوصاً الیکٹرانک ایجادات نے تو پوری دنیا کو ایک گھر کی صورت میں یکجا کر دیا یعنی Global Village اور سالوں کی مسافت سمٹ کر سیکنڈ کے ہزارویں حصہ تک آ گئی ہے اس لیے زمانے اور وقت کی رفتار بھی اتنی ہی تیزی سے تبدیل ہو

رہی ہے۔ آنے والے وقتوں میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوں گی، ان کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی پر ایمان لانے والوں میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ خصوصاً جدید علوم کے ماہرین اور سائنسدانوں کی کثیر تعداد اسلام کی حقانیت کا اعتراف کرتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو رہی ہے اور یورپ میں تو بہت ہی اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔

بات کہاں سے کہاں تک چلی گئی! بات تو ہو رہی تھی اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے منظر عام پر آنے کی لہٰذا اسرار التنزیل کی اپنی ایک افادیت ہے۔ یہ 1971ء کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی معیت میں اپنے گھر کی حاضری کا شرف بخشا جس میں ساتھیوں کی کثیر تعداد بھی مقامِ ملتزم پر حاضر تھی۔ جس دربار سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹا' عطا و کرم کی اس بارش میں اہلِ بصیرت نے دیکھا کہ فہمِ قرآن کا پیغام قلب پر وجدان کی صورت میں نازل ہوا۔ اسی پیغام کو اہل دل کی امانت سمجھتے ہوئے سپردِ قلم کر دیا کہ شاید اپنے اہل تک پہنچ جائے۔

اسرار التنزیل کا انداز عام فہم اور اجمالی ہے جبکہ اکرم التفاسیر میں حالاتِ حاضرہ کے مطابق ذرا بحث کو وسیع کیا گیا ہے۔ یہ بات اہلِ علم پر عیاں ہے اور پڑھنے والوں کے لیے رشد و ہدایت کا موجب بنے گی۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے' نجاتِ اخروی کا سبب بنائے اور رضائے الٰہی نصیب فرمائے (آمین)

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

محمد اکرم

مولانا محمد اکرم اعوان
شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ
دارلعرفان منارہ ضلع چکوال

امیر المکرم بحیثیت مفکرِ قرآن

یہ اعجازِ قرآن ہے کہ بدلتے ہوئے حالات و واقعات اور علوم میں ارتقاء کے باعث مفسرینِ کرام قرآنی علوم کی وہ جہتیں بھی آشکار کر رہے ہیں جو پہلے مفسرین کی نگاہوں سے اوجھل رہیں۔ اگر یہ قرآن وحدیث کی معین کردہ حدود کے اندر اور اللہ کے دین اور شریعت کے مزاج سے ہم آہنگ ہیں تو یہ بھی آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کا ہی پرتو ہے جو بطور علم لَدُنّی ان علمائے ربّانی کو عطا ہوئے۔ امیر المکرم کے خطابات سے ماخوذ اکرم التفاسیر بھی فی زمانہ حالات و واقعات اور علوم جدیدہ کا احاطہ کرتے ہوئے علم لَدُنّی کی ایسی روشن مثال ہے جس میں نہ صرف علوم مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیاء نظر آتی ہے بلکہ برکاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قلوب کو تحریک بخشتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔

قرآن کے مضامین میں اس قدر وسعت اور تنوع ہے کہ ان کی کسی فہرست کو حتمی قرار دینا ممکن ہی نہیں لیکن قرآن حکیم کا ہر مضمون ایک نظریہ اور فکر کی بات کرتا ہے۔ امیر المکرم سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ قران میں کثرت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تذکرہ نظر آتا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ موسیٰ اور فرعون ہر زمانہ، ہر دور اور ہر معاشرے کے دو مرکزی کردار بھی ہیں جن کے مابین حق و باطل کا معرکہ مسلسل بپا ہے اور قرآن میں جا بجا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے حوالے سے حق و باطل کے اسی معرکے کا تذکرہ ہے۔ حق و باطل کا یہی معرکہ قرآن کا مرکزی مضمون ہے۔ گرانقدر علمی مباحث قرآن کی معروف تفاسیر کی زینت تو نظر آتے ہیں لیکن قرآن کے اس مرکزی مضمون یا بالفاظ دیگر ''فکرِ قرآنی'' پر بہت کم بات کی گئی۔

دشمنانِ اسلام آج کھل کر قرآن کی مخالفت پر تل گئے اور اس کے پیغام کو دبانے کے

لیے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہیں لیکن کیا وہ قرآن کے عائلی قوانین سے خائف ہیں، قانون وراثت سے پریشان ہیں، جنت ودوزخ یا ثواب وعذاب سے گھبرا رہے ہیں؟ نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کفار کا تو ان پر ایمان ہی نہیں۔ آج ساری کی ساری طاغوتی قوتیں اس قرآنی فکر سے لرزہ براندام ہیں جو دائمی غلبہ حق کی نوید دیتی ہے اور امیر المکرم اسی قرآنی فکر کے نقیب ہیں۔ اکرم التفاسیر میں آپ نے اسی فکرِ قرآنی کو اجاگر کیا ہے' جو اس تفسیر کا طرہ امتیاز ہے۔

امیر المکرم کفار کے لیے اللہ تعالیٰ کے اٹل قانون قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ کی روشنی میں طاغوتی قوتوں کو آگاہ کرتے ہیں کہ تمہارے لیے دائمی شکست کا فیصلہ فرما دیا گیا ہے اور ذلت ورسوائی تمہارا مقدر ہے۔ غلبۂ حق کو روکنا اب تمہارے بس کی بات نہیں۔ اپنے خطابات میں آپ بکھری ہوئی ملت کو دعوت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ آؤ پھر کسی یکتائی سے عہد غلامی کرلو۔ تمہاری ذمہ داری کوئی ایک معاشرہ، قوم یا ملک نہیں بلکہ پوری انسانیت ہے۔ قرآن نے انقلاب دشمن سازشوں سے آگاہ کرتے ہوئے یہود کی طویل فردِ جرم بیان کی ہے جس میں انبیاء علیہم السلام سمیت اہلِ حق کے قتل کے جرائم بھی ہیں۔ امیر المکرم نے قرآنی فرمودات کی روشنی میں عالمی حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے عصرِ حاضر میں یہود کے سازشی کردار کو اس طرح بے نقاب کیا ہے کہ صیہونیت صرف عالمِ اسلام ہی کی نہیں بلکہ پوری انسانیت کی دشمن نظر آتی ہے۔

یہ دور اسی فکرِ قرآنی کی پہچان کا دور ہے اور امیر المکرم نے بھرپور انداز میں اسے اجاگر کیا ہے۔ کفر اپنے لیے اس خطرے کو اس حد تک پہچان چکا ہے کہ عملی اقدام پر اتر آیا ہے لیکن حضرت امیر المکرم قرآن کی روشنی میں حالات وواقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے غزوۃ الہند کی نوید دے رہے ہیں۔ آپ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 12 کے ضمن میں فرماتے ہیں:

''کفار کے لیے یہ آیۂ کریمہ قیامت تک کے لیے نوید شکست ہے اور میں بڑی بے باکی سے کہتا ہوں، پورے یقین، پورے ایمان سے منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بیٹھ کر کہہ رہا ہوں کہ دنیا کی کافر سپر طاقتیں پھر شکست سے دوچار ہوں گی اور ان شاء اللہ پھر غلبۂ اسلام ہوگا۔''

چونکہ تفسیر کا انداز بیانیہ ہے، تو امیر المکرم کے زوردار اندازِ بیان میں فکرِ قرآنی جب قاری تک پہنچتی ہے تو اس کے دل میں ایک تحریک بپا کر دیتی ہے، یہاں تک کہ اسے آنے والے انقلاب کی چاپ سنائی دینے لگتی ہے۔

امیر المکرم نے فکرِ قرآنی کی بات کرتے ہوئے امت میں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت پھیلائی گئی اس غلط فہمی کو بھی دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ حالات کو بدلنے کے لیے کسی امام مہدی کا انتظار کیا جائے۔ یہ موہوم امید افیون سے کم نہیں جس نے امت کو سلا دیا کہ اب کفر سے نبٹنا ہمارے بس کی بات نہیں اور یہ کام امام مہدی ہی کریں گے۔ حضرت کے خطبات بے عملی کی اس کیفیت سے بیداری کا پیغام ہیں کہ اُمت پہ ابھی بے بسی کا دور نہیں آیا۔ ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارہ ہے اور ہر فرد کو امام مہدی کا کردار ادا کرنا ہوگا۔ امیر المکرم امام مہدی کی آمد کی بجائے غلبۂ حق کو بہت قریب دیکھ رہے ہیں۔ یہی قرآنی فکر ہے جو ہر عہد میں حق و باطل کے معرکے کو مہمیز کرتی ہے' جو ہر دور میں خونِ مسلم کو گرم اور اُمتِ مسلمہ کو متحرک رکھتی ہے۔ امیر المکرم نے اکرم التفاسیر میں یہ فکر اس قدر نمایاں طور پر پیش کی ہے کہ وہ مفسرِ قرآن سے آگے مفکرِ قران نظر آتے ہیں اور یاد رہے! ہر انقلاب کے پیچھے کوئی مفکر ہوتا ہے۔

چھ جلدوں پر محیط تفسیر ''اسرار التنزیل'' کے حوالے سے امیر المکرم کی پہچان بطور مفسرِ قرآن تو مسلمہ ہے لیکن اب ''اکرم التفاسیر'' کی صورت آپ نے جس طرح قرآنی فکر کو اجاگر کیا ہے، آپ کا تعارف بطور ''مفکرِ قرآن'' حاوی نظر آتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مفکرِ قرآن امیر المکرم کو صحت اور عمر دراز عطا فرمائے کہ یہ بیانیہ تفسیر نہ صرف مکمل ہو بلکہ آپ انقلاب بپا ہوتا ہوا بھی دیکھیں۔

ابوالاحمدین

ابوالاحمدین

فہرست مندرجات

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
1	سورۃ العنکبوت رکوع 5 آیات 45 تا 51	15
2	تفسیر و معارف	16
3	تبلیغ کی بنیاد کتاب اللہ ہے:	17
4	تلاوتِ قرآن کا سلیقہ:	18
5	قرآن پڑھنے کے درجے:	18
6	صلوٰۃ کیا ہے؟	20
7	سورۃ الفاتحہ کی عظمت اور فضیلت:	21
8	دل ذاکر ہو تو اسلام کی لذت ملتی ہے:	22
9	ذکرِ قلبی کیسے حاصل ہوتا ہے؟	23
10	خیر القرون کے بعد حصولِ ذکر قلبی:	24
11	دین کے مقابلے میں جھگڑا درست نہیں:	25
12	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عظیم معجزہ:	27
13	علم معرفتِ حق کا نام ہے:	28
14	سورۃ العنکبوت آیات 52 تا 63	30
15	تفسیر و معارف	32
16	اللہ کی عظمت کا انکار کرنے والے سخت نقصان میں جا رہے ہیں:	32
17	جہالت، ایک بہت بڑی بیماری ہے:	33
18	دنیا، آخرت کا عکس ہے:	34
19	مومنین سے محبت بھرا خطاب:	35
20	اللہ کی راہ میں نکلنے سے روزی کی فکر مانع نہیں ہونی چاہیے:	35
21	ہجرت:	37
22	ایمان کیا ہے، عملِ صالح کی سند کیا ہے؟	38
23	دورِ حاضر کی زبوں حالی:	39
24	رزق کی تنگی اور فراخی، ایک آزمائش ہے:	40
25	سورۃ العنکبوت آیات 64 تا 69	42
26	تفسیر و معارف	43
27	دنیا کی زندگی کیا ہے؟	43
28	یہ معاملہ بڑا نازک ہے:	46
29	سورۃ الروم رکوع 1 آیات 1 تا 10	49
30	تفسیر و معارف	50
31	حکم صرف اللہ کا چلتا ہے:	51
32	بندۂ مومن کے لیے درس:	52

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
33	دعوتِ فکر:	53
34	انجام کردار کے مطابق ہوگا:	56
35	سورۃ الروم آیات 11 تا 19	57
36	تفسیر و معارف	58
37	خالق صرف اللہ ہے:	58
38	نا اُمیدی سب سے بڑا عذاب ہے:	59
39	قیامت قائم ہوگی تو لوگوں کو الگ الگ کر دے گی:	61
40	سورۃ الروم آیات 20 تا 27	66
41	تفسیر و معارف	67
42	اللہ کی عظمت کی نشانیاں:	67
43	بیوی، سکون کا سبب:	68
44	میاں بیوی کے لیے ایک مثال:	69
45	اہلِ علم کے لیے بڑی نشانیاں:	70
46	سننے والے کون ہیں؟	70
47	نظامِ قدرت اللہ کی عظمت پر گواہ ہے:	71
48	سورۃ الروم آیات 28 تا 40	74
49	تفسیر و معارف	76
50	دلائل، عقل والوں کے لیے ہیں:	77
51	ہدایت پر جم جانا انسانی فطرت ہے:	79
52	اللہ کریم سے محبت کا راستہ:	80
53	مُشرک کون ہے؟	82
54	مصیبتیں کیوں آتی ہیں، کس لیے آتی ہیں؟	84
55	فراخیٔ مال میں دوسروں کا بھی حق ہے:	85
56	رِبا سے بڑھوتری نہیں ہوتی:	86
57	سورۃ الروم آیات 41 تا 53	89
58	تفسیر و معارف	91
59	انسان کی برائی پورے عالم کو متاثر کرتی ہے:	91
60	فوری گرفت نہیں ہوتی، مہلت دی جاتی ہے:	92
61	شرک، تباہی کا سبب:	92
62	اس سے پہلے کہ موت آجائے۔۔۔	93
63	اللہ کی عطا اس کی اپنی شان کے مطابق ہے:	94
64	رحمتِ باری پر شکر:	95
65	وہ ایسی ذات ہے جو ہر چیز پر قادر ہے:	97
66	سورۃ الروم آیات 54 تا 60	102
67	تفسیر و معارف	103

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
68	اللہ کی صناعی اس کی عظمت پر گواہ ہے:	103
69	سورۃ لقمٰن آیات 1 تا 11	108
70	تفسیر و معارف	109
71	حکمتوں کا خزینہ، ہدایت و رحمت کی کتاب:	110
72	محسنین:	111
73	لَهْوَ الْحَدِيْث اور گانا بجانا:	113
74	ایمان اور عمل صالح پر انعام:	115
75	تخلیقِ ارض و سما:	115
76	خالق صرف اللہ ہے:	117
77	ہمارا المیہ:	118
78	سورۃ لقمٰن آیات 12 تا 19	120
79	تفسیر و معارف	121
80	حکمت کا حاصل، شکر:	122
81	حضرت لقمان کی بیٹے کو نصیحت:	124
82	والدین کے ساتھ احسان:	124
83	معاملات میں کس کا اتباع کیا جائے؟	126
84	اللہ کریم سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں:	127
85	ایٹم کا تذکرہ:	127
86	نماز کی تلقین:	128
87	امر بالمعروف و نہی عن المنکر:	129
88	اولوالعزمی:	130
89	ہمیشہ عاجزی اپناؤ:	130
90	اعتدال:	131
91	حاصلِ کلام:	131
92	سورۃ لقمٰن رکوع 3 آیات 20 تا 30	132
93	تفسیر و معارف	134
94	ظاہری و باطنی نعمتیں:	134
95	اللہ تعالیٰ کی عظمت پر جاہل لوگ جھگڑتے ہیں:	135
96	دین کے مقابلے میں رسومات کو اہمیت دینا:	137
97	لمحۂ فکریہ:	138
98	اللہ کی طرف رُخ کرنے سے کیا مراد ہے؟	138
99	مُحسن:	139
100	رحمتِ مجسم:	141
101	اُخروی محاسبہ:	142
102	چند روزہ زندگی:	142
103	اللہ کریم کو ویسا ماننا ضروری ہے جیسا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منواتے ہیں:	143

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
104	اللہ کریم کی شان:	145
105	سورۃ لقمٰن آیات 31 تا 34	148
106	تفسیر و معارف	149
107	سمندروں کا انسان کے لیے مسخر کیے جانا بھی قدرتِ باری کی نشانی ہے:	149
108	اللہ کی نشانیوں پر غور کرنے والوں کے اوصاف:	150
109	طوفانوں میں گھر کر صرف اللہ ہی یاد رہتا ہے:	152
110	نجات پانے کے بعد لوگوں کے رویے:	152
111	وہ اوصاف جو کفر جحود تک لے جاتے ہیں:	153
112	اے انسانو! اپنے رب سے رشتہ نہ بگاڑو:	154
113	کسی دھوکے میں نہ رہو:	155
114	علمِ الٰہی:	157
115	سورۃ السجدہ رکوع 1 آیات 1 تا 11	160
116	تفسیر و معارف	161
117	محض تلاوت بھی باعثِ اجر ہے:	161
118	قرآن حکیم کی شان:	162
119	نزولِ کتاب کا مقصد:	163
120	عظمتِ الٰہی اور تخلیق کائنات:	165
121	استوٰی علی العرش سے کیا مراد ہے:	167
122	اپنے خالق و مالک کی نافرمانی کس کے بھروسے پر کرو گے؟	167
123	نظامِ عالم کی تدابیر:	170
124	صفاتِ باری تعالیٰ:	171
125	ساری مخلوق میں حُسن ہے:	171
126	تخلیقِ انسانی:	173
127	موت کا فرشتہ اور قبضِ روح:	175
128	سورۃ السجدہ آیت 12 تا 22	176
129	ایمان لانے کی فرصت دنیا میں ہے:	178
130	اللہ کریم چاہتے تو انسان سے زبردستی منوا لیتے:	179
131	انکار، ناشکری کی سزا:	180
132	روزِ محشر کو بھلا دینے کا وبال:	181
133	ایمان لانے والوں کی صفات:	182
134	تہجد:	183
135	ایمان 'خوف اور اُمید' میں ہے:	184
136	مومن کا کردار:	184
137	اطاعت کا انعام:	185
138	مومن اور فاسق برابر نہیں:	185

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
139	فاسقین کا انجام:	187
140	مصائبِ دنیا میں رحمتِ الٰہی کا پہلو:	188
141	بہت بڑا جرم:	188
142	سورۃ السجدہ آیات 23 تا 30	190
143	تفسیر و معارف	191
144	ھدیٰ کیا ہے؟	191
145	آئمہ کی تربیت کا حاصل:	192
146	روزِ محشر اللہ کریم فیصلہ فرمائیں گے:	192
147	آج کا المیہ:	193
148	راہنمائی کے لیے دلیل:	194
149	کج بحثی کا جواب اور سزا:	195
150	سورۃ الاحزاب آیات 1 تا 8	196
151	تفسیر و معارف	198
152	غزوہ احزاب کا پس منظر:	198
153	تقویٰ اور اس کا ثمر:	199
154	اس پس منظر میں ہم اپنی زندگی دیکھیں:	200
155	جاہلیت کی دو رسوم کی اصلاح:	202
156	مومن پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق:	203
157	انبیائے کرامؑ سے عہد لیا گیا:	205
158	انبیاؑ کے متبعین سے خلوص کا مطالبہ:	206
159	سورۃ الاحزاب آیات 9 تا 20	209
160	تفسیر و معارف	211
161	غزوۂ احزاب، غزوۂ خندق:	211
162	معجزات کا ظہور:	212
163	مدینہ منورہ کو یثرب کہنا جائز نہیں:	216
164	عقائد کی اصلاح کی ضرورت:	218
165	پیغامِ الٰہی اور ہم:	220
166	سورۃ الاحزاب آیات 21 تا 27	222
167	تفسیر و معارف	223
168	مشکل گھڑیاں آنے پر۔۔۔:	226
169	بنو قریظہ کی بدعہدی اور ان کا انجام:	228
170	ایک عجیب واقعہ:	230
171	سورۃ الاحزاب آیات 28 تا 30	231
172	تفسیر و معارف	231
173	فقہی مسئلہ:	233
174	جتنا قرب اُتنا ہی معاملہ نازک:	233

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (البقرہ:32)

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ مَنْ زَانَتْ بِهِ الْعُصُرُوْا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ

مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

پارہ 21 اتل مآ اوحی

سورۃ العنکبوت رکوع 5 آیات 45 تا 51

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝۴۵ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۡ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝۴۶ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ۝۴۷ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝۴۸ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ۝۴۹ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۵۰ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۵۱

جو کتاب آپ پر وحی کی گئی آپ اس کو پڑھا کیجیے اور نماز کی پابندی کیجیے بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر (یاد) سب سے بڑا ہے اور اللہ تمہارے کاموں کو جانتے ہیں ﴿۴۵﴾ اور اہل کتاب کے ساتھ مباحثہ نہ کرو مگر بہت موزوں طریقے سے سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے زیادتی کریں، اور یوں کہو کہ ہم اس (کتاب) پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی اور ان (کتابوں) پر بھی جو تم پر نازل ہوئیں اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہے اور ہم اُسی کے فرماں بردار ہیں ﴿۴۶﴾ اور اسی طرح ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی۔ تو جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی تھی وہ اُس پر ایمان لاتے ہیں اور بعض اُن لوگوں (مشرکوں) میں سے بھی اس پر ایمان لے آتے ہیں اور ہماری آیات کے ساتھ کافروں کے علاوہ کوئی (ضد سے) انکار نہیں کرتا ﴿۴۷﴾ اور آپ اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے لکھ سکتے تھے ایسا ہوتا تو یہ ناحق شناس لوگ شک کرتے ﴿۴۸﴾ بلکہ یہ بہت روشن دلیلیں ہیں، جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے ان کے سینوں میں (محفوظ) ہیں اور ہماری آیات کا صرف ظالم لوگ ہی (ضد سے) انکار کرتے ہیں ﴿۴۹﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں ان پر ان کے پروردگار کے پاس سے نشانی (معجزہ) کیوں نہیں نازل ہوتی فرما دیجیے کہ بے شک نشانیاں (معجزات) تو اللہ کے پاس ہیں اور بے شک میں تو صرف ایک صاف صاف (انجام بد سے) ڈرانے والا ہوں ﴿۵۰﴾ کیا ان لوگوں کو یہ بات کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی جو ان کو سنائی جاتی رہتی ہے۔ بے شک اس میں ایمان والوں کے لیے بڑی رحمت اور نصیحت ہے۔

تفسیر و معارف

اکیسواں پارہ شروع ہوتا ہے۔ سورۃ العنکبوت جاری ہے۔ ارشادِ باری ہے: اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ۔۔۔ جو کتاب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی گئی ہے اسے پڑھا کیجیے۔ تلاوتِ قرآن سے مراد

قرآنِ پاک کو ذاتی طور پر پڑھنا بھی ہے اور اللہ کی مخلوق کو سنانا بھی ہے۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ پر جو کتاب وحی فرمائی گئی ہے اسے پڑھتے رہا کیجیے تا کہ لوگوں تک بات پہنچتی رہے۔

تبلیغ کی بنیاد کتاب اللہ ہے:

گویا تبلیغ کی بنیاد کتاب اللہ ہے۔ لوگوں تک جو بات پہنچائی جائے گی وہ اللہ کریم کی بات ہوگی کسی شخص کی ذاتی رائے نہیں۔ بہترین تبلیغ یہ ہے کہ اللہ کی بات لوگوں تک پہنچائی جائے تا کہ سننے والے کو معلوم ہو کہ مجھے کسی اور کی بات نہیں بلکہ اللہ کریم کا ارشاد سنایا جا رہا ہے۔ اور یہ کہ اللہ مالکِ کائنات ہے جو وہ فرماتا ہے وہی حق ہے۔

مسلمانوں میں تبلیغ کی بنیاد قرآنِ حکیم ہے جسے اللہ کی حفاظت حاصل ہے۔ اہلِ مغرب کے ہاں چونکہ تحریف شدہ کتابیں ہیں جو اصل کتاب نہیں ہیں اس لیے وہ خود کہتے ہیں کہ ان کی مذہبی کتابیں تو کسی نہ کسی انسان کے نام سے منسوب ہیں یعنی کسی نہ کسی انسان نے اس کتاب کی تشریح کی تو ہم بھی ان جیسے انسان ہیں، ہم اُن کی رائے یا تشریح پر عمل کیوں کریں اور اپنی رائے خود کیوں نہ اختیار کریں۔ چونکہ عیسائیوں کے پاس جو انجیل ہے اس میں کوئی بھی بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے ارشاد کردہ نہیں بلکہ ان کے جو انصار تھے ان کے نام سے منسوب ہیں۔ جیسے مَتی کی انجیل، لُوقا کی انجیل اسی طرح دیگر ناموں سے وابستہ اناجیل ہیں تو اُن کا عام آدمی یہی سمجھتا ہے کہ گزشتہ زمانے کے لوگوں کی رائے کی بجائے خود اُن کی اپنی رائے بہتر ہے۔

اسلام میں کسی فرد کی کوئی رائے نہیں۔ اسلام میں کلامِ الٰہی، قرآن حکیم کا ارشاد ہی حتمی ہے لہٰذا تبلیغ کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اللہ کی بات ہی پہنچائی جائے۔

قرآن حکیم کو اللہ کریم نے اَلْکِتٰبِ فرمایا ہے۔ ایسی کتاب جو بے مثل و بے مثال ہے۔ ہر دور کے لیے آبِ حیات ہے۔ ہر فرد کے لیے نسخہ کیمیا ہے۔ ہر قوم کے لیے بہترین راہِ عمل ہے۔ اس میں معانی کا ایسا سمندر ہے کہ (اس کا) بار بار پڑھنا نئے بھید کھولتا ہے۔ یہ مالکِ حقیقی کا ذاتی کلام ہے۔ اس کی گہرائی اور برکات و کیفیات کی گہرائی کی کوئی حد نہیں۔ آپ جتنی مرتبہ پڑھتے جائیں نئی لذت حاصل ہوتی ہے، نئے معنی آشکارا ہوتے ہیں، نئے بھید کھلتے ہیں۔

حضرتؒ کی زندگی میں ہی میں قرآن بیان کیا کرتا تھا تو حضرتؒ نے فرمایا اسے لکھنے کی کوشش کرو بڑی اچھی تفسیر بنے گی۔ میں نے لکھنا شروع کیا۔ صرف ماہِ رمضان میں لکھتا تھا غیرِ رمضان میں نہیں۔ یوں بارہ سال لگ گئے۔ اسرار التنزیل مکمل ہو گئی۔ الحمدللہ! پھر مطالبہ آیا کہ پنجابی میں بھی تفسیر ہونی چاہیے تو پنجابی میں تفسیر ریکارڈ کرائی۔ الحمدللہ تیس پارے مکمل ہو گئے۔ اسرار التنزیل میں جو باتیں ہیں بہت قیمتی ہیں لیکن پنجابی تفسیر جو بعد میں آئی اس میں

ایسی عجیب باتیں ہیں جو پہلی تفسیر میں نہیں۔ اسرار التنزیل اتنی مفصل نہیں تھی ہر جمعہ کو ترتیب سے قرآن بیان کرنا شروع کیا جو اکرم التفاسیر کی صورت میں شائع ہو رہا ہے۔ بیس پارے مکمل ہو گئے ہیں۔ ان میں تفصیل ہے۔ اس کے باوجود جب میں دوبارہ قرآن کریم پڑھتا ہوں تو پھر نئے بھید کھلتے ہیں۔ پھر بات رہ جاتی ہے کہ ان دونوں تفاسیر میں یہ بات نہیں آئی۔ یہ میرا ذاتی تجربہ ہے۔ حق یہ ہے کہ قرآن حکیم کو زندگی بھر پڑھتے رہنا چاہیے۔ اس کی حکمتیں، اس کے راز کھلتے چلے جاتے ہیں۔

دنیا کی کوئی بہترین سے بہترین کتاب بھی پڑھ لی جائے تو پڑھنا کافی ہو جاتا ہے۔ دوبارہ پڑھنے کو جی نہیں چاہتا کہ وہی باتیں ہوں گی لیکن قرآنِ حکیم وہ کتاب ہے کہ اسے روزانہ پڑھیں، زندگی بھر پڑھتے رہیں تو ہر بار ایک نئی لذت نصیب ہوتی ہے۔ قرآن کا معنی ہی یہ ہے: ''بہت زیادہ اور بار بار پڑھی جانے والی کتاب''۔

تلاوتِ قرآن کا سلیقہ:

قرآنِ حکیم کو پڑھنے کا سلیقہ یہ ہے کہ اسے ترتیب سے پڑھا جائے۔ سورۃ الفاتحہ سے شروع کر کے تسلسل سے پڑھتے رہیں۔ سورۃ الناس پر پہنچ کر تکمیلِ قرآن کے ساتھ ہی سورۃ الفاتحہ اور البقرہ کی ابتدائی آیات پڑھ کر قرآن رکھا جائے۔ یعنی قرآن کی تلاوت کو جاری رکھا جائے ختم نہ کیا جائے۔ حُفاظِ قرآن تراویح میں قرآن سناتے ہیں تو کوئی حافظ 'والناس' پر ختم نہیں کرتا سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرہ کی چند آیات پڑھ کر ختم کرتا ہے۔ قرآن کو ختم کر کے نہیں چھوڑا جاتا، دوبارہ شروع کر کے رکھا جاتا ہے۔

قرآنِ حکیم تو تلاوت کا یہ سلیقہ ارشاد فرماتا ہے اور ہمارا روّیہ یہ ہے کہ ہم نے چند سورتوں کو تلاوت کے لیے مخصوص کر رکھا ہے کہ صرف سورۂ یٰسٓ یا سورۂ ملک یا دیگر سورتیں ہی روزانہ پڑھتے ہیں۔ بعض سورتوں کے فضائل احادیثِ مبارکہ میں ملتے ہیں۔ بزرگوں نے بھی فضائل بیان کیے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ صرف چند مخصوص سورتیں ہی پڑھی جائیں بلکہ ترتیب سے تلاوت کرتے رہنا چاہیے۔ ہاں! قرآن کریم کی مسلسل تلاوت کے ساتھ ساتھ اگر ان سورتوں کو بھی وظیفہ بنا لے تو اچھی بات ہے لیکن تلاوت چھوڑ دینا درست نہیں۔

قرآن پڑھنے کے درجے:

قرآنِ کریم کو پڑھنے کے کئی درجے ہیں۔ تلاوتِ کتاب سے مراد قرآنِ کریم کو ذاتی طور پر پڑھنا ہے۔ اللہ کی مخلوق کو سنانا ہے۔ یعنی خود پڑھنا، سمجھ کر پڑھنا، عمل کرنے کے لیے پڑھنا، لوگوں کو پڑھ کر سنانا اور قرآن کے ذریعے لوگوں تک اللہ کی بات پہنچانا۔ یہ سب قرآن پڑھنے کے درجے ہیں۔

قرآنِ کریم کا پڑھنا، اس کے بھیدوں کا کھلنا، نِکات کا واضح ہونا، یہ تو اللہ کریم کا بہت بڑا احسان ہے لیکن اگر کوئی قرآن کے معنی نہیں جانتا تو بھی پڑھنے والا تلاوتِ قرآن کی برکات سے خالی نہیں رہتا۔ اس کے دل پر بھی کیفیات وارد ہوتی ہیں۔ جیسے قرآن میں حروفِ مقطعات ہیں اُن کے معنی کوئی نہیں جانتا لیکن کیا پڑھنا چھوڑ دیتے ہیں؟ نہیں۔ انہیں پڑھا جاتا ہے کیونکہ قرآن کا حصّہ ہیں۔ ان کے پڑھنے سے پڑھنے والے کو برکات ملتی ہیں۔ اسی طرح اگر کسی کو سارے قرآنِ کریم کے معنی نہیں آتے وہ تلاوت کرتا رہتا ہے تو برکات دل پر وارد ہوتی ہیں۔ اس کا آئینہ دل صاف ہوتا رہتا ہے، طلبِ الٰہی بڑھتی رہتی ہے۔ گناہ سے بچنے کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

آیۂ مبارکہ کا مقصود یہی ہے کہ اس عظیم کتاب کی تلاوت کی جائے۔ اسے بار بار پڑھا جائے۔ الحمدللہ! یہی وہ کتاب ہے جو روئے زمین پر پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ مسلسل پڑھی جانے والی، دن رات پڑھی جانے والی اور سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ اسے لوگ پڑھتے ہی رہتے ہیں، کوئی لمحہ خالی نہیں رہتا۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں یہ سعادت حاصل ہے۔

قرآنِ حکیم ہر معاملے میں مکمل اور بہترین راہنمائی فراہم کرتا ہے۔ دنیا ٹھاٹھیں مارتا ہوا ایک وسیع سمندر ہے۔ اس کا حسن، دنیوی مادّی لذّتیں بہت پُرکشش ہیں۔ انسان کی خواہش اور آرزوئیں ہیں جن کی وہ تکمیل چاہتا ہے۔ کسی فارسی شاعر نے کہا تھا۔

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ ای
باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

آپ نے (ان رنگینیوں) کے ٹھاٹے مارتے سمندر کے عین بیچ میں مجھے ایک تختے پر باندھ کر چھوڑ دیا ہے اور اب فرماتے ہیں کہ خیال رکھنا، دامن تر نہ ہونے پائے۔ دنیا کا نظام ہی ایسا ہے کہ انسان تقدیر کا پابند ہے۔ وقت پر پیدا ہونا، وقت پر مرنا، درمیانی عرصہ میں خواہشات کے طلاطم اور مادّی لذتوں کی کشش کا سمندر جس میں مجھے دھکیل دیا گیا ہے۔ اب نہ میں ڈوبتا ہوں نہ صحیح تیر سکتا ہوں اور آپ فرماتے ہیں کہ دامن تر نہ ہونے دینا! تو یہ کیسے ہو؟

قرآنِ حکیم میں یہاں اس کا حل ارشاد فرمایا: وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ۔۔۔ صلوٰۃ قائم کیجیے۔ صلوٰۃ کو ادا ہی نہیں قائم کیجیے۔ دامن کو تر نہ ہونے دینے کے لیے صلوٰۃ قائم کیجیے۔ صرف صلوٰۃ ادا کرنے کا ارشاد نہیں ہوا بلکہ صلوٰۃ قائم کرنے کا کہا گیا ہے۔ صلوٰۃ قائم کرنا یہ ہے کہ دوسرے آپ سے متاثر ہو کر اپنی صلوٰۃ پر قائم ہو جائیں۔

اکثر لوگوں کو شکایت ہوتی ہے کہ ماحول اچھا نہیں۔ وہاں صلوٰۃ کی ادائیگی مشکل ہے۔ یہ سمجھنے کی بات ہے کہ ایمان والے کا ایمان اسے صلوٰۃ سے کیسے دور رکھ سکتا ہے؟ بات ایمان و یقین کی ہے۔ ایمان کیا ہے؟ ایمان نام

ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھروسے کا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ٹھیک فرمایا۔ جنہیں ماحول سے شکایت ہے وہ غور کریں کہ ان کا بھروسہ اتنا مضبوط کیوں نہیں کہ ماحول ان سے متاثر ہو۔ جو چیز کمزور ہوگی وہ متاثر ہوگی۔ اگر آپ دوسروں پر نیکی کا اثر نہیں ڈال سکتے تو اتنا ایمان تو ہو کہ اپنا دفاع کر سکیں۔ اگر یہ بھی نہیں تو پھر کیا فائدہ اس زندگی کا! یہ سب ایمان کی کمزوری ہے جو کہا جاتا ہے کہ جس دفتر میں کام کرتا ہوں وہاں کوئی صلوٰۃ ادا نہیں کرتا۔ جن دوستوں میں ہوتا ہوں وہاں کا ماحول ہی ایسا نہیں۔ جس ملک میں رہتا ہوں وہاں کا ماحول اجازت نہیں دیتا۔ صلوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ ماحول کچھ نہیں کہتا۔ ماحول انسان کے کردار کا اثر لیتا ہے۔ انسان وہی ہے جو ماحول کو متاثر کرے لہٰذا اگر ماحول خراب ہے تو بندے کی ذات تک ماحول کی خرابی نہیں آنی چاہیے۔ اس لیے حکم دیا جا رہا ہے کہ صلوٰۃ قائم کریں۔ خود ادا کریں، اپنے متعلقین کو، اہل وعیال کو، دوستوں کو تلقین کریں جہاں تک آپ کی بات سنی جاتی ہے وہاں تک متاثر کریں۔

صلوٰۃ کیا ہے؟

صلوٰۃ بندے کی بارگاہِ الوہیت میں حاضری ہے۔ یہ اتنی اہم ہے کیونکہ اس کی بدولت بندے کو احساسِ حضوری نصیب ہوتا ہے۔ حضورِ حق یہ ہے کہ بندہ بارگاہ الوہیت میں حاضر ہو جاتا ہے۔ 'اللہ اکبر' تکبیر کہہ کر کائنات کو الگ کر دیتا ہے۔ دنیا و مافیہا سے کٹ جاتا ہے۔ کوئی ماحول، کوئی فضا اس کو متاثر نہیں کرتی۔ وہ یکا و تنہا اللہ کے حضور پیش ہو جاتا ہے اور روبرو بات کرتا ہے: سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ اے میرے اللہ! تُو پاک ہے۔ وَبِحَمْدِكَ میں تیری ہی ثنا کرتا ہوں۔ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ بہت برکت والا ہے تیرا نام۔

یہ کیا کمال ہے! بندہ ناچیز اور کس عظیم ذات سے ہمکلام ہے! اللہ کا بندہ، باوضو ہو کر پاک کپڑے پہن کر پاک جگہ کا اہتمام کر کے، قبلہ رو ہو کر، متوجہ الی اللہ ہوتا ہے۔ یہ ہے صلوٰۃ جس کے بارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نمازی کے سامنے سے نہ گزرو: فَاِنَّهٗ يُنَاجِيْ رَبَّهٗ اَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ وہ اللہ کریم کے ساتھ سرگوشیاں کر رہا ہے۔ یہ عظمت نمازی کو بطفیل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملی۔ کسی نے کیا خوب کہا:

کر دیا ہم سخن بندوں کو خدا سے تُو نے

یہ کمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بندوں کو اللہ کریم سے بات کرنے کی جرأت دے دی کہ علی الصبح آنکھ کھلتی ہے تو بارگاہ الوہیت میں پیش ہوتا ہے۔ دوپہر ڈھلتی ہے تو پھر پیش ہوتا ہے، سورج ڈھلتا ہے تو عصر کی حاضری نصیب ہو جاتی ہے۔ سورج ڈوبتا ہے تو مغرب کی صلوٰۃ میں مشغول ہو جاتا ہے اور سونے

سے پہلے پھر بارگاہِ الوہیت میں پیش ہوکر بستر پر جاتا ہے۔ جو بندہ شروع دن سے ختمِ دن تک پانچ مرتبہ اللہ کے حضور حاضر ہوکر اللہ کی حمد وثنا بھی کرتا ہے، رکوع وسجود بھی کرتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے، ربِ کریم کے حضور اپنی ضروریات وحاجات بھی بیان کرتا ہے تو پھر اس کے لیے کہاں گنجائش رہ جاتی ہے کہ وہ دانستہ اللہ کی نافرمانی کرے۔ ابھی تو فجر پڑھ کر حاضری دے کر آیا ہے، ظہر کو پھر جانا ہے، کس منہ سے جائے گا!

صلوٰۃ تو یہ ہے لیکن پھر وہ کیسے لوگ ہیں جو نمازی بھی ہیں اور اللہ کی نافرمانی پر کمر بستہ بھی ہیں؟ دراصل ہر کام کی ایک حقیقت ہوتی ہے کہ وہ کام واقعی کیا جائے۔ صلوٰۃ کی حقیقت اور صلوٰۃ کا نتیجہ یہاں بتا دیا گیا کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ۔۔۔ یقیناً صلوٰۃ بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔ چھوٹی بے حیائی ہو یا بڑی۔ برائی چھوٹی ہو یا بڑی، صلوٰۃ اس سے روک دیتی ہے۔ واقعی بندے کو رُک جانا پڑتا ہے لیکن اس بندے کو جسے یہ ادراک ہو کہ وہ نماز پڑھتا ہے۔ اس کی نماز ادا ہو نماز کی اداکاری نہ ہو۔ اگر محض ایکٹنگ کی، اٹھک بیٹھک کی، چلے گئے تو اس نے برائی سے کیا رکنا ہے! اگر بندہ نمازی بھی ہے اور برائی بھی کرتا جا رہا ہے تو اسے سوچنا ہوگا کہ اس کی نماز کی ادائیگی میں کہاں کمی ہے؟ وہ کہاں غلطی کر رہا ہے کہ اس کی نماز اسے برائی اور بے حیائی سے نہیں روکتی۔ جس طرح مریض دوا کھائے اور شفا نہ ہو رہی ہو تو سوچنا پڑتا ہے کہ دوا میں کوئی گڑبڑ ہے اسی طرح اللہ کے بتائے ہوئے نسخۂ شفا سے اگر برائی سے بندہ نہیں رک رہا تو اسے سوچنا ہوگا کیونکہ اداکاری سے حالات یا حقیقت نہیں بدلتی۔ اداکار پردۂ سکرین پر خواہ بادشاہ بن جائے یا کچھ اور سکرین کے باہر آئے گا تو وہی ہو گا جو وہ حقیقت میں ہے۔ نماز میں بھی اگر اداکاری ہو رہی ہو تو نماز سے باہر نکلے گا تو وہی ہوگا جو مسجد میں گیا تھا۔ تبدیلی نہیں آئے گی کیونکہ اداکاری سے حالات تبدیل نہیں ہوتے حقائق سے تبدیل ہوتے ہیں۔ اللہ کریم توفیق دیں کہ صلوٰۃ کو حضورِ حق کے احساس کے ساتھ ادا کیا جائے۔

سورۃ الفاتحہ کی عظمت اور فضیلت:

کیسی عجیب بات ہے کہ فجر سے عشاء تک کے فرائض اور سنتوں میں پھر تہجد، اشراق، چاشت، زوالِ آفتاب کے سارے نوافل میں جتنی رکعتیں ہیں۔ ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ کسی رکعت میں اسے نہ پڑھیں تو صلوٰۃ ہوتی ہی نہیں۔ یہ سات آیات اللہ کریم کو کتنی محبوب ہیں۔ اپنے بندے کے منہ سے ہر بار سننا چاہتے ہیں۔ بندے کے لیے، صفائے قلب کے لیے، نورِ باطن کے لیے یہ آیات کتنی ضروری ہیں کہ ہر حاضری پہ پڑھی جاتی ہیں۔ ظاہری اور باطنی شفا کے لیے کتنی مجرب دوا ہے۔ ہر بیماری کا مؤثر دم ہے۔ ان کا پڑھنا اتنا اہم ہے تو ان آیات میں کیا فرمایا گیا ہے؟ ان سات آیات میں تیس (30) پاروں کا خلاصہ ہے۔ ان پر اگر توجہ کی جائے،

دھیان دیا جائے، انہیں سمجھ کر پڑھا جائے تو واقعی بندہ اللہ کی حضوری پالیتا ہے، اپنی حیثیت کے مطابق۔ یہ احساس اسے برائی اور بے حیائی سے بچالیتا ہے۔ اس لیے اللہ کریم نے تاکید فرمایا ہے کہ یاد رکھو، یہ پکی بات ہے کہ صلوٰۃ بے حیائی اور برائی سے بچالیتی ہے۔

دل ذاکر ہو تو اسلام کی لذت ملتی ہے:

جب کیفیاتِ ایمان مضبوط ہوں، دل پر کیفیات وارد ہوں تب اطاعتِ الٰہی کا مزا آتا ہے۔ گناہ کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ یہ بہت بڑی دولت ہے۔ فرمایا: وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔۔۔ اور اللہ کا ذکر (یاد) سب سے بڑا ہے۔ اللہ کی یاد سب سے بڑی ہے۔ اللہ کا ذکر ہی عظیم تر ہے، سب سے اعلیٰ ہے۔

ابھی تو اللہ کریم نے تلاوتِ قرآن کی فضیلت ارشاد فرمائی۔ اقامتِ صلوٰۃ کی فضیلت بتائی کہ اللہ کریم کی بارگاہ میں ذاتی طور پر حاضر ہونا اقامتِ صلوٰۃ ہے پھر وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔۔۔ فرما کر کس ذکر کی بات کی؟ اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے دریافت کیا تو آپؓ نے فرمایا: عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهٖ کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں ہر وقت ذکر کرتے تھے۔ انبیاؑ کے ذکر کا تو یہ عالم ہے کہ نبیؑ جو لباس پہن لیں وہ ذاکر ہو جاتا ہے۔ جس مکان میں رہیں اس کا ذرہ ذرہ ذاکر ہو جاتا ہے۔ جس زمین پر نبیؑ کے قدم مبارک پڑیں وہ ذرات ذاکر ہو جاتے ہیں اس کے باوجود قرآن حکیم میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ذکر اللہ کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ تلاوت کا بھی ایک وقت ہے۔ بندہ ایک حد تک ہی کر سکتا ہے۔ صلوٰۃ کے بھی اوقات ہیں لیکن یہ کون سا ذکر ہے جو اکبر بھی ہے۔ یہ وہ ذکر ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ یہ ذکرِ قلبی ہے، ذکرِ دوام ہے۔ سورۃ المزمل میں ارشاد ہوتا ہے: وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝ اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کریں اور سب سے یکسو ہو کر اُسی کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

ربّ اللہ کا صفاتی نام ہے۔ اِسم رَبِكَ کیا ہے؟ پروردگار عالم کا ذاتی نام کیا ہے؟ ربّ کریم کا ذاتی نام اللہ ہے۔ اس نام پر یکسو ہو جانے کا حکم ہے۔

علمائے حق نے ذکر اللہ کے بہت سے مدارج لکھے ہیں۔ ایمان لانا، اسلام قبول کرنا بھی ایک درجۂ ذکر ہے کہ اس میں بھی اللہ کی یاد موجود ہے۔ کسی غیر مسلم کا ایمان قبول کر لینا بھی ذکر ہے اور جو مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا اس کا مسلمان رہنا بھی ذکر ہے یعنی ایمان لانا بھی ذکرِ الٰہی ہے۔ زبان سے تسبیح پڑھے، تلاوت کرے، نیک باتیں کہے یہ ذکرِ الٰہی ہے۔ ذکرِ لسانی ہے۔ صلوٰۃ ادا کرتا ہے تو یہ ذکرِ الٰہی ہے بلکہ صلوٰۃ کا تو مقصد ہی یہ بتایا گیا ہے: وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ (طٰہٰ:14) اور میرے ذکر (یاد) کے لیے نماز پڑھا کریں۔ ذکر کا ایک

اور درجہ عملی ذکر ہے۔ زندگی کے ہر کام کو اللہ کریم کے حکم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کردہ طریقے پر انجام دینا عملی ذکر ہے۔ ایمان لانا، لسانی ذکر کرنا، عملی ذکر کرنا، دیانت وامانت سے کاروبار کرنا سب ذکر کے مدارج ہیں۔ اس آیۂ مبارکہ کی ترتیب دیکھیے۔ تلاوتِ قرآن عظیم ذکرِ لسانی ہے، ادائے صلوٰۃ عظیم ذکرِ عملی ہے لیکن ایک اور ذکر بھی ہے جو ان سب سے عظیم ہے، بڑا ہے، اکبر ہے وہ ہے ذکرِ قلبی۔ لسانی اور عملی ذکر کے بعد ذکرِ قلبی کا درجہ ہے کہ دل بھی ذاکر ہو جائے۔

انسانی اعضا میں دل ایک ایسا عضو ہے جو شکمِ مادر سے دھڑکنا شروع ہوتا ہے اور وقتِ آخر تک دھڑکتا چلا جاتا ہے۔ اعضائے بدن میں سب سے زیادہ مسلسل کام کرنے والی شئے دل کی دھڑکن ہے اور دل کو اگر ذکرِ الٰہی نصیب ہو جائے۔ ہر دھڑکن میں اللہ کا نام بس جائے تو یہ ذکرِ کثیر بنتا ہے۔ ذکرِ قلبی، ذکرِ دوام کی فضیلت احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: خَيْرُ الذِّكْرِ الْخَفِيُّ وَ خَيْرُ الرِّزْقِ مَا يَكْفِي (بیہقی)

ذکرِ قلبی کیسے حاصل ہوتا ہے؟

ذکرِ قلبی بہت عظیم نعمت ہے۔ یہ اٹکل پچو سے حاصل نہیں ہوتا۔ ذکرِ قلبی نہ کسی ظاہری مُعلم سے ملتا ہے نہ والدین کی تعلیم سے حاصل ہوتا ہے۔ ذکرِ قلبی جہانوں کے جمالِ جہاں آرا کی اک نگاہ سے ملتا ہے صلی اللہ علیہ وسلم!

اک نگاہِ ناز سے سارا جہاں سنور گیا

جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لے آیا اور اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اک نگاہ پالی تو وہ لمحہ میں صحابیؓ بن گیا۔ اس کے وجود کا ہر (Cell) خلیہ ذاکر ہو گیا۔ اس ذکر سے حاصل کیا ہوا؟ اس ذکر سے حاصل یہ ہوا کہ ان کے دلوں کو وہ کیفیات عطا ہو گئیں جو کلامِ الٰہی کا خاصہ ہیں۔ وہ صرف آواز اور معنی پر ہی غور نہیں کرتے تھے بلکہ اس میں کیفیات ہوتی ہیں وہ بھی ان پہ وارد ہو جاتی تھیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد عالی سنتے تھے تو اس میں جو کیفیات ہیں وہ بھی دلوں پہ اترتی تھیں۔ یہی انسانی کمال ہے اور یہ وہ عظمتیں ہیں جہاں تک انسان پہنچ سکتا ہے۔

آج کلامِ الٰہی بھی وہی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بھی وہی ہیں تو اللہ کے کلام اور ارشاداتِ پاک کا اثر کیوں نہیں ہو رہا؟ کلامِ الٰہی میں اثر تو اللہ کی شان کے مطابق موجود ہے۔ ہمارے دلوں میں قبولیت کی استعداد نہیں۔ بندہ ہمیں غلط ملط کہہ دے تو ردِّ عمل آتا ہے، دل پہ اثر ہوتا ہے۔ کسی انسانی کی کہی ہوئی غزل سن کر اثر ہوتا ہے تو اللہ کے کلام کا اثر کیوں نہیں ہوتا؟ آج دلوں میں وہ قوت نہیں ہے کہ کلامِ الٰہی اور ارشاداتِ رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی وہ اثر قبول کریں۔

آج ہمارا حال یہ ہے کہ میڈیا پر رمضان المبارک میں جشنِ رمضان کے پروگرام ہوتے ہیں جس میں بے پردہ خواتین کو بنا سنوار کر بٹھایا جاتا ہے اور عالمِ دین کہلوانے والوں کو بلا کر ان سے سوال کیے جاتے ہیں۔ یہ کون سا دین ہے؟ ان علما میں یہ جرأت کیوں نہیں ہے، وہ کیوں نہیں کہتے کہ دین کی بات دین کے خلاف چل کر وہ کیسے بتا سکتے ہیں۔ ان علما کے دل میں اس گناہ کی کراہت کیوں نہیں آتی؟ اس لیے کہ ان کے دل کیفیات سے خالی ہیں۔ اگر دل میں کیفیات ہوتیں تو دل تڑپتے، دکھ ہوتا کہ شریعت کے نام پر خلافِ شریعت کر رہا ہوں۔

جب دل ذاکر ہوتا ہے تو اسلام کی لذت آتی ہے۔ اسلام بوجھ نہیں لگتا۔ اور دل میں یقین نہ ہو تو نمازیں بوجھ لگتی ہیں۔ روزہ بوجھ لگتا ہے۔ رشوت لینا آسان اور حلال کمانا مشکل لگتا ہے۔ یہ سب اس لیے ہے کہ اسلام حلق سے اوپر اوپر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مثال ارشاد فرمائی کہ ایک زمانے میں ایسے لوگ ہوں گے جن کا اسلام حلق سے اوپر ہوگا۔ وہ قرآن پڑھیں گے لیکن وہ حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ اور وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے یعنی دین سے دور ہو جائیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو سراجِ مُنیر ہیں۔ سورج ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اک نگاہِ پاک نے لوگوں کو جو حالتِ ایمان میں آئے صحابیؓ بنا دیا۔ ذکر کا سب سے اعلیٰ درجہ صحابہؓ کو نصیب ہو گیا۔ صحبتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابیؓ بنے۔ صحابیؓ کی صحبت میں وہ پرَتوِ جمال صحابہؓ کے دلوں سے آگے منتقل ہوا اور آنے والے تابعی بنے۔ تابعین کی صحبت میں تبع تابعین بنے۔ یہ خیر القرون تھا۔ بہترین دور۔ آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک آنے والے دنیا کے تمام لوگوں میں سے بہترین لوگ۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ پاک ہے: خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ (مُسْنَدِ اَحْمَد) فرمایا: میرا زمانہ بہترین ہے پھر اس کے بعد پھر اس کے بعد۔

خیر القرون کے بعد حصولِ ذکرِ قلبی:

خیر القرون کے بعد جس نے تبع تابعین سے یہ نعمت حاصل کی۔ اس نے اس کے لیے مجاہدہ کیا۔ اپنے دل کو روشن کیا، چمکایا۔ ان منور سینوں کے حامل اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھے۔ انعکاسی طور پر برکاتِ نبوت اخذ کیں۔ جب برکاتِ نبوت دل میں آئیں تو وہ قلب ذاکر ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک آنے والے تمام زمانوں اور تمام انسانوں کے لیے سراجِ منیر ہیں۔ برکاتِ نبوت روشن سینوں کے ذریعے ابدالآباد تقسیم ہوتی رہیں گی۔ طالبینِ صادق محنت و مجاہدہ، خلوص کے ساتھ کر کے اپنے قلوب کو ذاکر کرتے رہیں گے۔

ایک بات یاد رکھ لیں۔ دنیا کے لیے یہ ذکرِ قلبی دل کی دھڑکن کا درجہ رکھتا ہے۔ جب تک اللہ کے بندے، ذکر کرنے والے موجود ہیں، کائنات موجود ہے۔ جب یہ لوگ نہیں رہیں گے قیامت آجائے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ قیامت کب آئے گی؟ فرمایا: حتّٰی لا یُقَالَ اللہ اللہ (مسلم) جب کوئی اللہ اللہ، کہنے والا نہیں رہے گا۔ جب اللہ کا ذکر اُٹھ جائے گا قیامت آجائے گی۔ فرمایا: وَلَذِکْرُ اللہ اَکْبَر۔۔۔ اور ذکر قلبی اکبر ہے۔ اعلیٰ ترین ہے بہترین ہے۔ ذکرِ قلبی سے اللہ کریم کی یہ نعمت حاصل ہوتی ہے کہ بندہ جب کلامِ باری سنتا ہے تو اس کی کیفیات دل پہ آتی ہیں۔ پھر اُن کے مثبت نتائج نکلتے ہیں۔ ایمان مضبوط ہوتا ہے بندے کا کردار بدلتا ہے۔ وہ برائی چھوڑ کر نیکی کی طرف آنا شروع ہو جاتا ہے۔

فرمایا: وَاللہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ﴿۴۵﴾ یاد رکھو! تم جو کرتے ہو اللہ کریم اس سے باخبر ہے۔ دوسرے لفظوں میں جو بھی کر رہے ہو، اللہ کے روبرو کر رہے ہو۔ نیکی کر رہے ہو تو وہ اس سے واقف ہے اور غلطی کر رہے تو اللہ کریم کے سامنے کر رہے ہو۔

دین کے مقابلے میں جھگڑا درست نہیں:

فرمایا: وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَھْلَ الْکِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ۔۔۔ اور اہل کتاب کے ساتھ مباحثہ نہ کرو مگر بہت موزوں طریقے سے۔

یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنے اپنے طور پر دین داری کا زعم تھا۔ ان کا دین داری کا دعویٰ کتابوں پر تھا۔ یہودی کہتے تھے کہ ان کے پاس اللہ کی کتاب ہے۔ عیسائی کہتے تھے اُن کے پاس اللہ کی کتاب ہے دونوں نے انبیاؑ کا انکار کیا۔ دونوں نے اللہ کی کتابوں میں تحریف کر دی۔ اصل کتابیں ناپید ہو گئیں۔ یہودیوں نے عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا کر شرک اختیار کر لیا۔ عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا کر شرک اختیار کر لیا اور گمراہ ہو گئے۔ تحریف شدہ کتابیں ان کے پاس ہیں لیکن پھر بھی کتابیں تو ہیں۔ اللہ کریم نے فرمایا کہ کفار سے زیادہ اعتراض تو یہ لوگ کرتے ہیں جو شرک بھی کرتے ہیں اور خود کو اہلِ کتاب بھی کہتے ہیں۔ مسلمانوں پر دونوں اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کہاں سے آگئے اصل دین تو ہمارے پاس ہے۔ فرمایا کہ جب ان سے بات ہو تو جھگڑا نہ کریں: وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَھْلَ الْکِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ۔۔۔ اور اہل کتاب کے ساتھ مباحثہ نہ کرو مگر موزوں طریقے سے یعنی دین کے معاملے میں جھگڑا درست نہیں ہے۔ یہ قانون ہے کہ جھگڑا نہ کیا جائے بلکہ بات درست انداز میں کی جائے۔ دوسرے کو اپنے عقیدے کی خوبی بتاؤ۔ آپ حق پر ہیں تو جو حق پر نہیں ہے اسے حق پر ہونے کے کمالات بتاؤ۔ اس کے فائدے بتاؤ، اس سے جھگڑا نہ کرو۔ خوبصورت بات خوبصورت انداز سے بیان کر دو۔ ہر ایک کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے۔ اگر ان کا معاملہ اللہ کے

ساتھ درست ہے تو اللہ انہیں ماننے کی توفیق دے دے گا اور خدانخواستہ اللہ سے بات بگڑ چکی ہے تو میری، تمہاری تبلیغ سے کیا ہوگا؟ پہنچانا ذمہ داری ہے منوانا ذمہ داری نہیں لہٰذا بات کو خوبصورت انداز سے پہنچاؤ۔

اِلَّا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡہُمۡ۔۔۔ سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے زیادتی کریں۔ اگر کوئی ظلم وزیادتی کرے تو پھر تم اپنے دفاع کا حق رکھتے ہو۔ تم خود زیادتی نہ کرو لیکن کوئی کرے تو اس کے دفاع کا حق تمہارے پاس ہے۔

وَقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا بِالَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡنَا وَاُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ۔۔۔ اور یوں کہو کہ ہم اس (کتاب) پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی اور ان (کتابوں) پر بھی جو تم پر نازل ہوئیں۔ انہیں بتاؤ کہ ہم پر اللہ کی کتاب اتری ہے اور یہ کتاب سب کے لیے کتابِ ہدایت ہے۔ تم بھی اس پر ایمان لے آؤ۔ ہمارا یہ بھی ایمان ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام پر جو کتابیں اتری تھیں وہ بھی اللہ کی کتابیں تھیں لیکن تم نے ان میں جو تبدیلیاں کر دی ہیں وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہیں۔ وہ تمہاری طرف سے ہیں۔ ان پر ایمان لانے کے ہم مکلّف نہیں ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہم پہلے نازل ہونے والی الہامی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں لیکن عمل صرف قرآنِ حکیم پر ہوگا۔ وَاِلٰـہُنَا وَاِلٰـہُکُمۡ وَاحِدٌ۔۔۔ اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہے۔ باوجود تحریف کے تمہاری کتابوں میں بھی یہ حقیقت موجود ہے کہ معبودِ برحق صرف اللہ ہے۔ قرآن میں بھی یہی حقیقت بیان ہوئی ہے تو جب تمہارا ہمارا معبود ایک ہے، اس کے طریقۂ عبادت میں اختلاف ہے تو پھر جھگڑے کی کیا بات ہے؟ بیٹھ کر، غور کر کے، سن کر سمجھ لینا چاہیے۔ وَنَحۡنُ لَہٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۴۶﴾ اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں اور ہم تو اسلام لانے والے ہیں، تم مانو، نہ مانو ہم اس بات کے قائل ہیں۔ وَکَذٰلِکَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ۔۔۔ اسی طرح ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر کتاب نازل فرمائی جو عقیدہ وایمان، اعمال وکردار کی بنیاد ہے۔ فَالَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِہٖ۔۔۔ تو جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی تھی وہ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ یہود ونصاریٰ میں سے جن کا اپنی کتابوں پر ایمان تھا وہ مخلص لوگ قرآن پر اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لے آئے۔ اس لیے کہ ان کا اپنی کتاب پر ایمان تھا اور اُن کی کتابوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، قرآنِ حکیم اور صحابہ کرامؓ کی پیشگوئی موجود تھی۔ جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا یہ وہ لوگ تھے جو دراصل اپنی کتابوں کو بھی نہیں مانتے تھے۔ محض نام کے مولوی بنے ہوئے تھے یا دُنیا کمانے کے لیے جعلی پیر اور پیسے بٹورنے کے لیے خود ہی مفتی بنے ہوئے تھے دلوں میں ایمان نہیں تھا۔ وَمِنۡ ہٰۤؤُلَآءِ مَنۡ یُّؤۡمِنُ بِہٖ۔۔۔ اور بعض ان لوگوں (مشرکوں) میں سے بھی اس پر ایمان لے آتے ہیں۔ مشرکوں اور کافروں میں سے بھی بعض خوش نصیب ایسے تھے کہ جب حقیقت سامنے آئی تو انہوں نے قبول کر لی اور ایمان لے آئے۔ وَمَا

يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾ اور ہماری آیات کے ساتھ کافروں کے علاوہ کوئی (ضد سے) انکار نہیں کرتا۔ یعنی قرآنِ کریم کے حقائق کو جو مسخ کرنا چاہتے ہیں، ہماری آیات میں جو جھگڑا کرتے ہیں یہ صرف وہ بدنصیب لوگ ہیں جن کے ذمہ کفر لکھ دیا گیا ہے۔ جن میں ایمان کی رمق نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا ایک عظیم معجزہ:

فرمایا: وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾ اور آپ اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے لکھ سکتے تھے ایسا ہوتا تو یہ ناحق شناس لوگ شک کرتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے عمرِ عزیز کے چالیس برس انہی یہودیوں، نصرانیوں اور مشرکینِ مکہ کے درمیان بسر کیے۔ ان برسوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کوئی کتاب پڑھی نہ کوئی لفظ ہی لکھا۔ اگر ایسا ہوتا تو کفار یہ کہہ سکتے تھے کہ یہ پہلے سے ہی ادیب ہیں، دانش ور ہیں، آپ نے پہلے سے ہی کتابیں پڑھ رکھی ہیں، لکھنا جانتے ہیں، ان کے مضامین ہم نے پڑھ رکھے ہیں تو اب ایک اور کتاب انہوں نے قرآن کے نام سے بھی لکھ دی ہے! لیکن کفار کے پاس یہ دلیل نہیں ہے۔

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا معجزہ ہے کہ آپ نے زندگی کے چالیس مقدس برسوں میں کوئی چیز لکھی نہ کوئی کتاب پڑھی اور اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ایک ایسی کتاب لکھوانا شروع کر دیتے ہیں، پڑھنا شروع کر دیتے ہیں کہ جو اپنے نزول سے لے کر قیامت تک کے مسائل کا حل بتاتی چلی جاتی ہے۔ اللہ کی عظمت بیان کرتی ہے جیسی اس کی شان ہے۔ جو بندے کی حقیقت بیان کرتی ہے جیسا کہ وہ ہے۔ جو حقائق قرآن نے نزول کے وقت بتا دیے وہ ساڑھے چودہ سو سال کے تجربات کے بعد آج سائنس بتا رہی ہے۔ تخلیقِ انسانی کے مراحل قرآن نے تب بتا دیے۔ دیگر مادّی علوم کی انتہا قرآن میں حقائق کی صورت میں موجود ہے۔ امورِ دنیا، سیاست، معاملات، کاروبار، عدالت، انصاف، معاشرت، کون سا شعبہ زندگی ہے جس کے بہترین ضابطے قرآن نے نہیں بتا دیے! آج بھی انہی کے مطابق زندگی گزارو تو درست ہے اس کے خلاف کرو تو غلط ہے۔ اس لیے کہ قرآن ساری کائنات، تمام عالمِ بشریت کے لیے ہے۔ قیامت تک کتنے دور بدلیں گے، کتنی فضائیں بدلیں گی، موسم بدلیں گے۔ نئے حالات اور نئے مسائل پیدا ہوں گے لیکن یہ کتابِ الٰہی، قرآنِ حکیم ہر دور کے ہر مسئلے کے لیے کافی ہوگی۔

یہ ایسی عظیم کتاب ہے کہ اپنے نزول سے قیامت تک کے لیے ہر عہد کے مسائل کا حل پیش کر دیتی ہے جس کے ایک ایک لفظ میں صداقت ہے تو پھر انہیں کیوں سمجھ نہیں آتی، اس پر یہ جھگڑا کیوں کرتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سمجھنے اور قبول کرنے کا آلہ دل ہے اور انہوں نے اپنے دلوں کی اس استعداد سے کام ہی نہیں لیا۔

عِلم معرفتِ حق کا نام ہے:

فرمایا: بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ بلکہ یہ بہت روشن دلیلیں ہیں، جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے ان کے سینوں میں (محفوظ) ہیں اور ہماری آیات کا صرف ظالم لوگ ہی (ضد سے) انکار کرتے ہیں۔

یہ تو بڑی واضح، کھلی ہوئی، سمجھ میں آنے والی اور دلوں میں اتر جانے والی باتیں ہیں۔ یہ صرف کانوں کو لذت نہیں دیتیں، صرف ذہن کو فرحت نہیں دیتیں یہ دلوں میں اتر جاتی ہیں لیکن دل سلامت ہو تو دل میں اتریں! سینے میں دل کے بجائے پتھر ہو تو اس میں کیا اترے گا؟ اسی لیے فرمایا کہ یہ ان لوگوں کے دلوں میں اترتی ہیں جو واقعی دل رکھتے ہیں۔ قرآنِ کریم کے نزدیک معرفتِ حق ہی علم ہے۔ محض لکھنا پڑھنا علم نہیں۔ کوئی دنیا بھر کی کتابیں پڑھ جائے اور اسے معرفتِ حق نصیب نہ ہو تو وہ جاہل ہے۔ اور کچھ بھی نہ پڑھا ہوا ہو، اسے اللہ کی معرفت مل جائے تو وہ عالم ہے۔ علم کیا ہے؟ اپنے مقصدِ تخلیق کو جاننا علم ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ جن لوگوں کو علم عطا ہوا ہے۔ معرفتِ حق نصیب ہوئی ہے۔ قرآنِ حکیم کی آیات ان کے دل کو چھو لیتی ہیں۔ کیفیات بن کر اترتی ہیں، احوال و واردات بن کر دلوں پہ اترتی ہیں۔

اور کتنے بدنصیب ہیں یہ انکار کرنے والے کہ اپنی ذات پر خود ہی ظلم ڈھا رہے ہیں۔ ہماری آیات میں جھگڑا صرف ظالم لوگ ہی کرتے ہیں۔ اور ظالم بھی کتنے عجیب کہ اپنی ذات پر، اپنی روح پر، اپنے وجود پر ظلم کیے جا رہے ہیں۔ اس کے بعد کہتے ہیں: وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ۔۔۔ اور یہ لوگ کہتے ہیں ان پر ان کے پروردگار کے پاس سے نشانی (معجزہ) کیوں نہیں نازل ہوتی۔ ان کا یہ مطالبہ کس قدر جہالت پر مبنی ہے۔ وہ ہستی جو چالیس برس ان کے درمیان زندگی بسر کرتی رہی جو ایک لفظ پڑھنا نہیں جانتے تھے انہوں نے فرمایا کہ یہ کتاب مجھ پر اللہ وحی فرما رہا ہے۔ اس سے بڑا معجزہ کیا ہوگا! اس کے باوجود یہ کہتے ہیں کہ ان پر کوئی معجزہ نازل کیوں نہیں ہوتا تو: قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ فرما دیجیے کہ بے شک نشانیاں (معجزات) تو اللہ کے پاس ہیں اور بے شک میں تو صرف ایک صاف صاف (انجامِ بد) سے ڈرانے والا ہوں۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرما دیجیے کہ میرا کام معجزے دکھانا نہیں۔ وہ اللہ کا کام ہے چاہے تو مزید بھی دکھا دے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ان گنت ہیں کبھی شمار میں نہیں آ سکتے۔ اللہ نے شبِ معراج عطا کی جو

معجزات سے پُر ہے۔ پانی کے گلاس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگشت مبارک رکھی تو چشمے جاری ہو گئے۔ سارے لشکر نے پانی پیا، مشکیزے بھر لیے، جانوروں کو پلا لیا پھر بھی پانی ختم ہونے کو نہیں آیا۔ ایک نہیں ایک عمر چاہیے معجزات شمار کرنے کے لیے لیکن معجزات بھی تو دل نے قبول کرنے ہیں۔ سینے میں پتھر ہو تو معجزات سے کیا ہوگا، اور قرآن سے بڑا معجزہ اور کیا ہوگا! یہ بھی یاد رکھو میں تمہیں تمہارے انجامِ بد سے متنبہ کرنے والا ہوں۔ جو کچھ تم آج کر رہے ہو اس کے جو نتائج مرنے کے بعد تمہارے سامنے آئیں گے وہ یہیں دنیا میں تمہیں بتا رہا ہوں۔ جن خطرات میں تم گرر ہے ہو ان کی سختی اور سنگینی سے تمہیں آج آگاہ کر رہا ہوں۔ آج تمہارے پاس فرصت ہے اپنا راستہ بدل سکتے ہو جب گر جاؤ گے تو فرصت نہیں ہوگی پھر راستہ بدلا نہیں جا سکے گا۔ یہ میرا منصب ہے کہ آنے والے عذابوں سے تمہیں آج آگاہ کر دوں اور تمہیں ان سے بچنے کا راستہ دکھا دوں۔

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٥١﴾ کیا ان لوگوں کو یہ بات کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی جو ان کو سنائی جاتی رہتی ہے۔ بے شک اس میں ایمان والوں کے لیے بڑی رحمت اور نصیحت ہے۔

اللہ فرماتے ہیں کیا لوگوں کو یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جو رحمتِ الٰہی کا خزانہ ہے۔ اس آیۂ مبارکہ سے مراد یہ ہے کہ کلام متکلم کے جمال کا پرتو ہوتا ہے۔ جب اللہ کا کلام ہو پھر سینۂ اطہر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو۔ لب ہائے مبارک صلی اللہ علیہ وسلم اور زبانِ اقدس سے جاری ہو تو کیا عظمت ہے، کیا محبت ہے، رحمت کا کتنا بڑا خزانہ ہے! سوچیے یہ وہی الفاظ مبارک ہیں جو اللہ کریم نے نازل فرمائے، وہی ہیں جو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمائے۔ ان میں اللہ کی عظمت کی دلالت بھی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے ادا ہونے کی شیرینی ہے اور ایک ایک حرف میں رحمتِ الٰہی کے خزانے بھی ہیں۔ یہ ان لوگوں کے لیے مکمل راہنمائی ہے اور نصیحت ہے جنہیں ایمان نصیب ہے۔

سورۃ العنکبوت رکوع 6 آیات 52 تا 63

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ يٰعِبَادِىَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِىْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّاىَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۫ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۰﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۲﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾

فرما دیجیے کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ کافی ہیں وہ جانتے ہیں جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے جو لوگ باطل (جھوٹ) پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ کا انکار کرتے ہیں، وہی نقصان اٹھانے والے ہیں ﴿۵۲﴾ اور یہ لوگ آپ سے عذاب کے لیے جلدی کر رہے ہیں۔ اور اگر ایک وقت مقرر نہ (ہو چکا) ہوتا تو ان پر عذاب آ چکا ہوتا اور وہ (عذاب) ان پر اچانک آ پہنچے گا اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی ﴿۵۳﴾ یہ لوگ آپ سے جلدی عذاب کا تقاضا کرتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ دوزخ کافروں کو گھیر لینے والی ہے ﴿۵۴﴾ جس دن اُن کو عذاب ان کے اوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے ڈھانک لے گا اور وہ (اللہ) کہے گا جو کام تم کرتے تھے (اب ان کا مزہ) چکھو ﴿۵۵﴾ اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو بے شک میری زمین بہت فراخ ہے سو صرف میری ہی عبادت کرو ﴿۵۶﴾ ہر متنفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے پھر تم کو ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے ﴿۵۷﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ہم ضرور ان کو جنت کے بالا خانوں میں جگہ دیں گے جن کے تابع نہریں چلتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے (نیک) کام کرنے والوں کا کیا خوب بدلہ ہے ﴿۵۸﴾ جو لوگ صبر کرتے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں ﴿۵۹﴾ اور بہت سے جانور ایسے ہیں جو اپنی غذا اٹھا کر نہیں پھرتے اللہ ہی ان کو رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی اور وہ سننے والے (اور) جاننے والے ہیں ﴿۶۰﴾ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا فرمایا اور سورج اور چاند کو کس نے کام میں لگا رکھا ہے تو یہی کہیں گے کہ وہ اللہ ہے تو پھر یہ کہاں الٹے جا رہے ہیں؟ ﴿۶۱﴾ اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتے ہیں روزی فراخ کر دیتے ہیں اور (جس کے لیے چاہیں) اسے تنگ کر دیتے ہیں۔ بے شک اللہ ہی ہر چیز سے واقف ہیں ﴿۶۲﴾ اور اگر آپ ان سے دریافت فرمائیں کہ آسمان سے پانی کس نے نازل فرمایا پھر اس سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد (کس

نے) زندہ فرمایا؟ تو وہ یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔ (تو) فرمایئے کہ سب خوبیاں اللہ کے لیے ہیں بلکہ ان میں اکثر سمجھتے نہیں ﴿۶۳﴾

تفسیر ومعارف

اللہ کی عظمت کا انکار کرنے والے سخت نقصان میں جارہے ہیں:

قرآنِ حکیم جیسا عظیم معجزہ۔ ان گنت اور بے شمار معجزات، قطعی دلائل، صداقت وحقانیت پر مبنی طرزِ حیات، اللہ کریم کے ساتھ براہ راست تعلق۔ یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد۔ یہ سب سننے جاننے کے بعد بھی اگر دین کے معاملے میں یہ منکرین ضد کرتے ہیں اور حق قبول نہیں کرتے تو فرمادیجیے: قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا۔۔۔ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ کافی ہے۔ منصبِ رسالت یہ ہے کہ اللہ کا پیغام پوری دیانتداری اور محبت سے اللہ کی مخلوق تک پہنچا دیا جائے۔ انبیاؑ کا منصب پہنچانا ہوتا ہے، منوانا نہیں۔ ماننے، نہ ماننے کا اختیار اللہ کریم نے ہر بندے کو خود دے دیا ہے۔ البقرہ کی اس آیت: لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرہ:256) کا یہی مفہوم ہے کہ دین کسی پر زبردستی ٹھونسا نہیں جاتا۔ دین میں کوئی زبردستی نہیں۔ آج کل بے عمل مسلمان اس کا معنی الٹ دیتے ہیں۔ کہتے ہیں ہر مسلمان جیسے چاہے عمل کرے اس پر زبردستی نہ کی جائے۔ ایسا نہیں ہے۔ اسلام میں یہ ہے کہ جو مسلمان شریعت کے خلاف کرے گا اس کی سزائیں مقرر ہیں۔ اسلامی حکومت کو وہ سزائیں نافذ کرنا ہوتی ہیں۔ بعض جرائم پر اسلامی حدیں ہیں۔ حکومت کو وہ حد جاری کرنا پڑتی ہے۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ سے مراد ہے کہ دین کو ماننے، نہ ماننے کا اختیار ہے۔ اس میں زبردستی نہیں لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد اسلامی حدود وقیود کی پابندی لازمی ہے۔ جس طرح ملک میں کسی پر کوئی لازم نہیں کہ وہ ضرور ہی فوج میں جائے۔ یہ افراد کی اپنی مرضی پر ہے لیکن جب کوئی بندہ فوج میں بھرتی ہوجائے تو اب وہ فوجی قواعد کا پابند ہے۔ اگر ان قواعد وضوابط پر عمل نہیں کرے گا تو سزا پائے گا۔ اسی طرح اسلام قبول کرنے کے بعد اسلام کے تمام احکام ماننے پڑیں گے۔ کوتاہی کرے گا تو سزا پائے گا۔ یہی فرمایا گیا کہ تمہیں بہترین دلائل کے ساتھ، بہترین طرزِ حیات کی طرف دعوت دی گئی۔ اسلام میں داخل ہوکر اللہ کریم سے براہ راست تعلق نصیب ہونے کی نوید سنائی گئی۔ اس سب کے باوجود اگر تم نہیں مانتے تو اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ کافی ہے۔ اللہ کریم تو جانتے ہیں کہ پورا دین میں نے پوری دیانت وامانت سے پہنچا دیا اور یہ بھی جانتے ہیں کہ تم محض ضد

اور عناد سے مان نہیں رہے ہو۔ دلائل میں تو تم عاجز آ چکے ہو: يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وہ جانتے ہیں جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو لوگ باطل (جھوٹ) پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ کا انکار کرتے ہیں وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔

انسان خواہ کتنی ہی ترقی کر لے، زمینوں اور آسمانوں کے علوم میں سے جو بھی حاصل کر لے۔ اس سب کے باوجود تمام علوم نہیں جان سکتا۔ آسمانوں اور زمینوں کے ہر راز سے صرف اللہ واقف ہے۔ ہر شے کو ذاتی طور پر جانتا ہے۔ جب وہ کریم اتنا باریک بین ہے تو میرے اور تمہارے درمیان جو معاملہ ہے اُسے بھی وہ خوب جانتا ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھو! اسلام کا انکار کر کے یا اسلام پر عمل ترک کر کے تم کسی دوسرے کا کچھ نہیں بگاڑ رہے صرف خود اپنا نقصان کر رہے ہو۔ جو لوگ اللہ کی عظمت کا انکار کرتے ہیں۔ جھوٹی کہانیوں اور انسانوں کی گھڑی ہوئی باتوں کو بطورِ مذہب قبول کرتے ہیں تو یہ قطعی اور یقینی بات ہے کہ وہ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں، خود کو تباہ کر رہے ہیں، سخت نقصان میں جا رہے ہیں۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَلَوْلَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾ اور یہ لوگ آپ سے عذاب کے لیے جلدی کر رہے ہیں۔ اور اگر ایک وقت مقرر نہ (ہو چکا) ہوتا تو اُن پر عذاب آ چکا ہوتا اور وہ (عذاب) ان پر اچانک آ پہنچے گا اور ان کو خبر بھی نہ ہو گی۔

جب ان کے پاس دلائل ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ لاجواب ہو جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کہتے ہیں کہ جو اللہ پر ایمان نہیں لائے گا، اس دین (برحق) کو نہیں مانے گا اس پر عذاب ہو گا تو ہم کہہ رہے ہیں کہ ہم نہیں مانتے۔ اب آپ عذاب لے آیئے۔

جہالت، ایک بہت بڑی بیماری ہے:

جاہل اپنی جہالت کے باعث اپنے انجام سے بے خبر رہتا ہے۔ جہالت بہت بڑی بیماری ہے۔ جہالت یہ ہے کہ بندہ جو کچھ کر رہا ہے اس کے انجام سے بے خبر ہو۔ انسان کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ سب کچھ جانتا ہو لیکن اسے اتنا علم تو ہونا چاہیے کہ وہ جو کر رہا ہے اس کا نتیجہ کیا ہو گا۔ یہ تو جانتا ہو کہ زہر کھاؤں گا تو مر جاؤں گا۔

فرمایا، یہ جو عذاب کی جلدی کر رہے ہیں انہیں عذاب کے آنے کی کیا جلدی ہے۔ اگر عذاب آ جائے تو یہ کیا کر لیں گے؟ جب عذاب وارد ہو جاتا ہے تو توبہ کا دروازہ بھی بند ہو جاتا ہے۔ اصلاح بھی نہیں ہو سکتی۔ اللہ کریم نے ایک نظام ترتیب دے دیا ہے۔ ہر کام کا وقت ہے۔ اس کے نتائج کے ظہور کا وقت بھی مقرر ہے اگر نظامِ ربی طے شدہ

نہ ہوتا اور ان کے مانگنے پر بھی عذاب دے دیا جاتا تو ان کو کیا فائدہ ہوتا؟ یہ نظام ربی انسانوں کو مہلت دیتا ہے۔ ان کے پاس تھوڑی سی مہلت ہے۔ یہ اس سے فائدہ اٹھالیں کیونکہ طے شدہ نظام کے تحت جب وقتِ مقررہ آجائے گا تو عذاب بھی آجائے گا۔ پھر اس سے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی اور نہ اللہ کے عذاب سے کوئی بچا سکتا ہے۔ جب عذاب آئے گا تو اچانک دبوچ لے گا پھر انہیں سمجھ بھی نہ آئے گی کہ یہ کہاں سے آ گیا!

انسانوں کے عجیب روّیے ہوتے ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ میں تھل کے گاؤں سے نکل رہا تھا۔ وہ زمانہ پیدل چلنے کا تھا۔ پہاڑی راستے اور کچی سڑکیں۔ چند بسیں ہوتی تھیں ان کے ساتھ کوئلے کے ڈرم لگے ہوتے تھے۔ گیس سے چلتی تھیں۔ ان ڈرموں کے کوئلے کو سویرے سے دہکانا شروع کر دیتے جب آگ سے بھر جاتا تو پھر ہینڈل مار مار کر گاڑی سٹارٹ کرتے۔ بس کی رفتار بیس پچیس میل ہوتی اور بڑی بس کی سواریاں بھی اتنی ہی ہوتی تھیں۔ اس راستے پر میں پہاڑوں سے پیدل اتر رہا تھا۔ سامنے ایک چرواہا اپنے جانور لے کر اسی گاؤں کو جا رہا تھا۔ مجھ سے پوچھنے لگا ''یہ جو تمہارے پاس رائفل ہے کیا اس کی گولی بندے کے پار ہو جاتی ہے؟'' میں نے اسے بتایا کہ بالکل ایسا ہی ہے۔ اس کا جواب جہالت کی مثالی مثال ہے۔ کہنے لگا، ''میں یہاں کھڑا ہوتا ہوں، آپ گولی ماریں، دیکھوں مجھ سے گزرتی ہے، پار ہوتی ہے؟'' میں نے کہا کہ گولی تو تمہارے آر پار ہو جائے گی لیکن تم یہ دیکھنے کے لیے موجود نہیں ہو گے۔ تم یہ دیکھنے کے لیے بچو گے ہی نہیں کہ گولی گزری یا نہیں تو کیا فائدہ؟ وہ چرواہا مذاق نہیں کر رہا وہ تجربہ کر کے دیکھنا چاہتا تھا کہ گولی واقعی بندے کے پار ہو جاتی ہے۔ یہ حد درجہ کی جہالت ہے۔

یہی حال کفار کا ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے یہ گواہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا اور یکدم ایک انتہائی فصیح زبان و بیان کی حامل کتاب قرآن جو علوم کے خزانوں سے پُر ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرما دی۔ اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عظیم الشان معجزہ قرآنِ حکیم کا انکار کر رہے ہیں۔ صرف انکار ہی نہیں کر رہے بلکہ اللہ کے عذاب کو طلب بھی کر رہے ہیں لیکن یہ اس حقیقت سے آگاہ نہیں کہ کلامِ الٰہی کا انکار کر کے یہ پہلے ہی گرفتارِ عذاب ہیں: يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ یہ لوگ آپ سے جلدی عذاب کا تقاضا کرتے ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ دوزخ کافروں کو گھیر لینے والی ہے۔

دنیا، آخرت کا عکس ہے:

آخرت، دائمی اور ابدی ہے دنیا عارضی اور وقتی ہے۔ دنیا کمزور اور آخرت طاقتور ہے۔ طاقتور کا اثر کمزور پر ہوتا ہے۔ آخرت کی جیسی تعمیر ہو رہی ہو ویسا اثر دنیوی زندگی پر آتا ہے۔ کافر ایسے جاہل ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم)

سے کہتے ہیں کہ جلدی عذاب لے آیئے۔ یہ ایسے جاہل ہیں کہ یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ اپنے انکار کے باعث پہلے سے ہی عذابِ الٰہی میں رہ رہے ہیں۔ انہیں تو جہنم نے گھیرا ہوا ہے۔ جو کفر کرتا ہے اس کا جہنم کے ساتھ ایسا تعلق ہو جاتا ہے گویا وہ دنیا میں بھی جہنم میں ہی جی رہا ہے۔ اسے اس بات کی سمجھ نہیں آتی یا وہ سمجھنا نہیں چاہتا تو اس کی عقل ماؤف ہو جاتی ہے۔ دنیا کی وہ نعمتیں جو راحت کا باعث ہوتی ہیں وہ ان کے لیے دکھ کا سبب بن جاتی ہیں۔ ایسے لوگ دولت بھی غلط ذرائع سے حاصل کرتے ہیں پھر اسے چھپانے کی فکر میں پریشان حال رہتے ہیں۔ ناجائز ہتھکنڈوں سے حکومت، اقتدار، عہدے حاصل کرتے ہیں اور پھر وزیروں، کبیروں کو ہتھکڑیاں لگا کر پولیس گرفتار کر رہی ہوتی ہے۔ اولاد راحت کا باعث ہونے کی بجائے تکلیف کا باعث بن جاتی ہے۔ بے عزتی کرتی ہے، گھر سے بھی نکال دیتی ہے۔ فرمایا: وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ کافروں کو تو جہنم گھیرے ہوئے ہے۔ جو کام یہ آرام کے حصول کے لیے کرتے ہیں اس کا نتیجہ اُلٹ نکلتا ہے۔ وہی کام ان کے لیے تکلیف کا باعث بن جاتا ہے۔ اور: يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ جس دن ان کو عذاب ان کے اوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے ڈھانک لے گا اور وہ (اللہ) کہے گا جو کام تم کرتے تھے (اب ان کا مزہ) چکھو۔

پھر جب یہ واقعی جہنم میں پہنچیں گے تو انہیں ہر طرف سے عذاب گھیر لے گا۔ اوپر نیچے سے عذاب ڈھانپ لے گا۔ آگ ہی آگ ہوگی۔ درد اور دکھ ہوگا اور ساتھ ہی یاد دلایا جا رہا ہوگا کہ یہ تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے۔ یہ سب تمہارا اپنا کیا دھرا ہے۔ اب اس کے مزے لو!

مومنین سے محبت بھرا خطاب:

کیسا پیارا اندازِ خطاب ہے۔ اللہ کریم اپنے عاجز بندوں کو کس محبت سے مخاطب فرما رہے ہیں: يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۔۔۔ اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو۔ يٰعِبَادِيَ ۔۔۔ کہہ کر اپنائیت کی انتہا کر دی۔ اس اپنائیت بھرے خطاب سے مراد کون ہیں؟ وہ جو ایمان لائے یعنی وہ جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھاما۔ اللہ کریم اپنے سارے مومن بندوں سے مخاطب ہیں۔ فرماتے ہیں، تم ہی تو میرے بندے ہو۔ تم نے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھاما اور مجھ پر ایمان لائے۔

اللہ کی راہ میں نکلنے سے روزی کی فکر مانع نہیں ہونی چاہیے:

اللہ کریم اپنے بندوں سے ارشاد فرما رہے ہیں: اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ بے شک

میری زمین بہت فراخ ہے سو میری ہی عبادت کرو۔ یعنی اگر کسی جگہ، تمہیں حلال رزق حاصل کرنے میں رکاوٹ آئے، حلال غذا ملنا محال ہو، اللہ کی عبادت کرنے میں مانع ہو، اللہ کے دین پر عمل نہ کرسکو تو میرے بندو! میری زمین بہت وسیع ہے۔ وہاں چلے جاؤ جہاں تم دین پر آزادی سے عمل کرسکو۔

قرآن کے اس حکم کو دیکھیں اور اپنے آج کے روّیے کو دیکھیں۔ پورا مغرب کفر اور بے حیائی کا گڑھ ہے۔ حلال ملنا دشوار تر ہے۔ نمازیں چھوٹ رہی ہیں۔ ماحول پراگندہ ہے لیکن ہم ترنوالے کے لیے وہاں جانے کو بے تاب ہیں۔

قرآن کریم میں قانون ارشاد ہو رہا ہے کہ جہاں برائی اور بے حیائی ہے، حرام کمائی اور حرام غذا ہے، نماز کی فرصت نہیں، اذان نہیں کہہ سکتے، اسلام پر عمل ناممکن ہے تو وہ گھر جائیدادیں چھوڑ دو۔ اگر اچھی ملازمت، اچھی تنخواہیں مل رہی ہیں لیکن دین کے بدلے مل رہی ہیں تو وہ تنخواہیں چھوڑ دو، ایسی ملازمت چھوڑ دو۔ وہاں چلے جاؤ جہاں اللہ کی عبادت کرسکو، اعمالِ صالحہ کرسکو اس لیے کہ مقصدِ حیات رضائے الٰہی ہے دولتِ دنیا نہیں۔ اس لیے صرف میری ہی عبادت کرو۔ مجھ ہی سے نفع کی امید رکھو۔ مجھ سے ہی امیدیں وابستہ کرو۔ یاد رکھو!: كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۖ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾ ہر متنفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے پھر تم کو ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے۔

دنیا چند روزہ ہے آگے ابدی اور دائمی زندگی ہے۔ اللہ کی رضا کا راستہ نہ چھوڑو اور غضبِ الٰہی کو دعوت نہ دو۔ مسلمان کو تو کم از کم حیا کرنا چاہیے۔ وہ جو خود کو مسلمان کہتا ہے، ایمان دار کہتا ہے اُسے تو یہ احساس ہونا چاہیے لیکن افسوس صد افسوس! کہ ایمان کی کمزوری کے باعث مسلمان کہلوانے والوں نے دین پر عمل ترک کر کے کافروں کی رضا جوئی پر کمر کس لی ہے۔ قرآن حکیم میں دوسری جگہ ارشاد ہے کہ جب موت آتی ہے تو فرشتے پوچھتے ہیں کہ تم دنیا میں کیا کرتے رہے ہو؟ تمہاری رگ رگ میں گناہ کی تاریکیاں ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ میں تو معاشرے کے کمزور طبقے سے تعلق رکھتا تھا۔ جو بڑے لوگ کرتے تھے۔ ہمارا معاشرہ کرتا تھا ہم بھی وہی کرتے رہے۔ فرشتے کہتے ہیں کہ کیا اللہ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم اس معاشرے کو چھوڑ دیتے جو برائی کا ماحول تھا۔ آج بھی تو تم ساری دنیا چھوڑ کر جا رہے ہو۔ بُرا ماحول اور معاشرہ اس وقت اپنے اختیار سے چھوڑ دیتے۔ تمہاری کیا مجبوری تھی، کیا تم نے دنیا میں ہمیشہ رہنا تھا کہ انہیں چمٹے رہے اور اللہ کی نافرمانی کرتے رہے۔ اسے قبول کیے رکھا۔

یہاں ان آیات میں اللہ کریم متنبہ فرما رہے ہیں کہ اے میرے بندو! تم اللہ کے بندے کہلاتے ہو۔ اللہ کا بندہ ہونے کا دعویٰ کر کے پھر دنیا کی غلامی، دولت کی غلامی اور اللہ کی نافرمانی! یہ کون سا طریقہ ہے اطاعت کا؟ اللہ کے بندو! کل بھی تو تم نے ساری دنیا چھوڑ کر جانا ہے۔ ہر متنفس کو موت آنی ہے تو آج وہ گھر وہ زمینیں، وہ ماحول چھوڑ دو

جہاں رزقِ حلال نہ ملے۔ جہاں اللہ کی عبادت واطاعت نہ ہو سکے وہ جگہ چھوڑ دو۔ اللہ کی رضا کے لیے نکلنے میں تمہیں کوئی چیز مانع نہ ہونی چاہیے۔ بلاشبہ تم میں سے ہر ایک نے موت کا مزا چکھنا ہے۔ وہاں نہ دولتِ دنیا ہوگی نہ عہدہ ومرتبہ۔ محلات ومکان ہوں گے نہ مال ومنال۔ وہاں میری بارگاہ میں تمہیں حاضر ہونا ہوگا تو یہیں یہ دیکھ لو کہ میری بارگاہ میں کس حال، کس حلیے اور کس کردار کے ساتھ حاضر ہوگے؟ وہاں نہ عہدوں کا اعتبار ہوگا نہ دولت وغربت کا سوال ہوگا۔ وہاں صرف عقیدہ اور اعمال دیکھے جائیں گے۔

ہجرت:

آج اگر دین کی خاطر گھر چھوڑنا پڑے تو یہ عین سعادت ہے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو، صحابہ کرامؓ کو مکہ سے ہجرت کا حکم ہوا تو جب تک مکہ مکرمہ فتح نہیں ہوا تمام مسلمانوں پر ہجرت واجب تھی سوائے ان کے جو معذور، کمزور اور بیمار تھے۔ اس قابل نہیں تھے کہ ہجرت کر سکتے ان کے علاوہ اگر کسی نے ہجرت نہ کی تو اسے قرآن نے مسلمان نہیں مانا۔

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ آج بھی جہاں ماحول برائی پر مجبور کرتا ہو وہاں سے صاحبِ استطاعت پر ہجرت واجب ہے۔ نہیں کرے گا تو ترکِ واجب کا مرتکب ہوگا۔ ہاں! کوئی ایسا مجبور و کمزور ہو جو نہ کر سکتا ہو تو اللہ کریم معاف فرمانے والے ہیں لیکن اس کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ خود کو کفر وشرک اور حرام سے بچا کر اللہ کی اطاعت پر قائم رکھے۔ دارالکفر میں رہنے کے لیے شریعت نے کچھ اصول اور قاعدے بتائے ہیں۔ انہیں غور سے سمجھنا چاہیے۔

اوّل: کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ دارالکفر میں جائیں تو وہاں کے لوگ ان سے متاثر ہوتے ہیں۔ وہ لوگوں سے متاثر نہیں ہوتے۔ ایسے لوگ اپنے کردار، اپنی گفتار سے دین کے مُبلّغ بن جاتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر غیر مسلم اسلام کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا دارالکفر میں جانا ضروری ہے، ان پر واجب ہے۔ علما حضرات، صاحب کردار لوگوں کا جانا ضروری ہے۔

دوم: کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو کسی کو متاثر کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے لیکن اپنی حفاظت کرتے ہیں۔ غیر مسلم معاشرے سے متاثر نہیں ہوتے۔ یہ دوسرے درجے کے لوگ ہیں۔ ان کے لیے اجازت ہے کہ وہ رہ سکتے ہیں لیکن نہ رہیں تو بہتر ہے۔ مجبوراً جانا پڑے، رہنا پڑے تو اجازت ہے لیکن اسی شرط کے ساتھ اپنی اور اپنے متعلقین کی حفاظت کریں۔ دین پر قائم رہیں۔

سوم: تیسرے وہ لوگ ہیں جو اس فضا سے متاثر ہو کر اُن جیسا بننا چاہتے ہیں۔ ان جیسے ہو جاتے ہیں۔ اُن

کے لیے وہاں رہنا جائز نہیں۔

خلاصہ یہ کہ جو لوگ مضبوط عقیدہ اور کھرے معاملات کرنے والے ہوں۔ صاحبِ کردار ہوں۔ دین کو اچھی طرح جانتے ہوں۔ غیر مسلموں کو متاثر کرنے والے ہوں اُن کے لیے وہاں جانا اور دین پہنچانا ضروری ہے۔ دوسرے درجے میں وہ لوگ ہیں جو خود تو غیر مسلم ماحول و معاشرے سے متاثر نہیں ہوتے ان کی تہذیب، معاشرت، طور اطوار سے متاثر نہیں ہوتے۔ حلال کماتے ہیں، حلال کھاتے ہیں۔ ڈٹ کر عبادات کرتے ہیں۔ ان کے لیے اجازت ہے۔ وہ رہ سکتے ہیں۔ نہ رہیں تو بہتر ہے۔ تیسرے درجے میں وہ لوگ ہیں جو ماحول سے متاثر ہو کر اسی میں ڈھل جاتے ہیں اُن کے لیے وہاں رہنا حرام ہے۔ ان کے لیے وہاں سے ہجرت واجب ہے۔

ایمان کیا ہے، عملِ صالح کی سند کیا ہے؟

فرمایا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ۔۔۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ہم ضرور ان کو جنت کے بالا خانوں میں جگہ دیں گے۔

ایمان نام ہے اس عقیدے اور اس نظریے کو مان لینا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا ورنہ اپنے طور پر تو اللہ کو ہر کوئی مانتا ہے۔ اللہ کریم کو ایسا ماننا جیسا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیتے ہیں۔ یہ ایمان ہے۔ تمام کام کرنے کا جو طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم فرماتے ہیں، جس طریقے سے کرنے کا حکم دیتے ہیں وہ کام اس طریقے سے کرنا اعمالِ صالح ہیں۔ ایمان اور عملِ صالح کی سند یہ ہے کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو۔ عقیدہ بھی وہ ہو جو حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تعبیر فرمایا اور جن کا کردار بھی وہ ہو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ہم جنت میں بڑے بڑے محل دیں گے۔ کئی منزلہ خوبصورت بالا خانے ان کا مسکن ہوں گے: تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا۔۔۔ جن کے تابع نہریں چلتی ہوں گی ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ گویا پانی وہاں پہنچے گا جہاں اہلِ جنت چاہیں گے: نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾ نیک کام کرنے والوں کا کیا خواب بدلہ ہے۔ عمل صالح کرنے والوں کا، محنت کرنے والوں کا کیا خوبصورت اور کیا ہی بہترین بدلہ ہے!

یہ نیک لوگ کون ہیں، ان کی نشانیاں کیا ہیں؟ فرمایا: الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾ جو لوگ صبر کرتے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو حق پر روک رکھا ہے۔ جنہوں نے ہمیشہ اللہ پر بھروسہ کیا۔ دنیا کے لالچ میں آ کر اور نہ دنیا کے خوف سے برائی کو قبول کیا۔ صرف اللہ پر بھروسہ کر کے نیکی پر گامزن رہے۔

دورِ حاضر کی زبوں حالی:

قرآن حکیم کا حکم دیکھیں اور اپنے عہد کی زبوں حالی کہ قدم قدم پر ذرا سا لالچ اللہ کی نافرمانی کروالیتا ہے۔ پھر بجائے اس کے کہ حالتِ زار کی اصلاح کی جائے۔ جواز تلاش کیے جاتے ہیں۔ مجھ سے یہ سوال کیا گیا کہ ''میرے بھائی کی کپڑے کی دکان ہے، وسیع کاروبار ہے لیکن وہ روزے نہیں رکھتا اس لیے کہ اسے مال بیچنے میں جھوٹ بولنا پڑتا ہے اور روزہ رکھ کر جھوٹ بولنا درست نہیں۔'' میں نے جواب دیا کہ ایک تو وہ جھوٹ بولتا ہے۔ برائی کرتا ہے دوسرا اس نے نیکی یعنی روزہ کو بھی چھوڑ دیا۔ یعنی ایک پاؤں اگر غلاظت سے بھر گیا ہے تو بجائے اس کے اس پاؤں کو دھوئے وہ یہ سمجھتا ہے کہ مزید غلاظت کو منہ پر مَل لیا جائے کہ پاؤں تو بھر ہی گیا ہے۔ وہ جھوٹ بول کر کپڑا بیچنا ضروری سمجھتا ہے یعنی اسے اللہ پر اعتماد نہیں کہ رزق اللہ کے پاس ہے۔ وہ یہی سمجھتا ہے کہ روزی جھوٹ بول کر ہی ملتی ہے۔ اسی لیے وہ روزے جیسی نعمت سے محروم ہونا پسند کرتا ہے جھوٹ بولنا ترک نہیں کرتا۔

اللہ کریم فرماتے ہیں: وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۰﴾ اور بہت سے جانور ایسے ہیں جو اپنی غذا اٹھا کر نہیں پھرتے اللہ ہی ان کو رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی اور وہ سننے والے (اور) جاننے والے ہیں۔

زمین پر کتنے جانور ہیں، کون غلّے کی بوریاں اٹھائے پھرتا ہے؟ کوئی ایسا جانور دکھاؤ جس کے پاس کل کی خوراک ہو۔ اللہ کی زمین میں اس کی مخلوق سے جنگل بھرے پڑے ہیں پہاڑ، وادیاں، صحرا، سمندر اور فضائیں تک پُر ہیں۔ اللہ کے بندو! سوچو جب شام کو وہ پیٹ بھرے گھروں کو واپس آتے ہیں تو کل کے لیے کسی کے پاس دانہ تک نہیں ہوتا۔ اور اگلے روز اسے روزی پھر مل جاتی ہے۔ اللہ ہی انہیں دن بھر کھلاتا ہے اور تمہیں بھی وہی روزی دیتا ہے۔ وہ نہ چاہے تو بندے کے سامنے ہزاروں نعمتیں بھی ہوں تو وہ نہیں کھا سکتا۔ کسی نہ کسی بیماری کے باعث کھانا منع ہو جاتا ہے۔ دولت کے انبار پڑے رہ جاتے ہیں اور وہ روکھی سوکھی ہی کھا سکتا ہے۔ ڈاکٹر اسے اسی کی اجازت دیتے ہیں۔ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۰﴾ وہ ہر بات کو سن بھی رہا ہے اور جانتا بھی ہے۔ ہر چھوٹی بڑی بات کو وہ خود ذاتی طور پر سنتا ہے۔ لب کھولتے ہوئے یاد رکھو کہ کوئی اور سنے یا نہ سن سکے لیکن اللہ کریم سُن رہے ہیں۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا فرمایا اور سورج اور چاند کو کس نے کام میں لگا رکھا ہے تو یہی کہیں گے کہ وہ اللہ ہے تو پھر یہ کہاں الٹے جا رہے ہیں؟

علوم اور تجربات کے ذریعے معلوم ہوتا ہے کہ دھوپ پڑتی ہے تو سمندروں کا پانی گرم ہو کر بخارات بنتا ہے۔ وہ ایسے خطے میں پہنچتا ہے جہاں ٹھنڈک ہو۔ وہاں وہ بادل بنتا ہے۔ مختلف عوامل کے ظہور پذیر ہونے سے بارش دنیا کے مختلف خطوں میں برستی ہے۔ بارش کے بعد مردہ زمین میں جان پڑتی ہے۔ سبزہ اور ہریالی ہو جاتی ہے۔ درختوں کے پتے نکلتے ہیں۔ پھل آتے ہیں۔ زمین میں سے فصلیں اُگتی ہیں۔ یہ سب اسباب ہیں۔ کیا مادّی علم اس کا جواب دیتا ہے یا دے سکتا ہے کہ اس سارے نظام کو بنایا کس نے ہے؟ سورج کا خالق کون ہے، کس نے اس میں تپش اور حدّت رکھی؟ کس نے پانی بنایا، اس میں بھاپ بننے کی خصوصیت کس نے رکھی، بارش کس نے برسائی، کس نے فیصلہ کیا کہ کس زمین پر بارش کب برسے گی اور کتنی برسے گی؟ فرمایا، جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے یہ سوال کریں گے کہ سورج، چاند، ستاروں، سیاروں کو کس نے اپنے کام پر لگا دیا تو کافر بھی یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ یہ کام اللہ کا ہے۔ فَاَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ۔۔۔ سارے نظام کا بنانے والا اور اسے چلانے والا جب اللہ ہے تو یہ لوگ اللہ کا در چھوڑ کر کہاں بھٹکے پھر رہے ہیں۔

رزق کی تنگی اور فراخی، ایک آزمائش ہے:

فرمایا: اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۲﴾

اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتے ہیں روزی فراخ کر دیتے ہیں اور (جس کے لیے چاہیں) اسے تنگ کر دیتے ہیں۔ بے شک اللہ ہی ہر چیز سے واقف ہیں۔

نظامِ دنیا کا ایک شعبہ تقسیمِ رزق ہے جو صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جس کے لیے وہ جب چاہتا ہے رزق زیادہ کر دیتا ہے۔ دولت، عہدہ، اقتدار دے کر یہ دیکھتا ہے کہ بندہ اس کا شکر کرتا ہے یا کفر کرتا ہے، ناشکری کرتا ہے۔ بعض کی روزی تنگ کر دیتا ہے۔ انہیں کوئی عہدہ نہیں ملتا، مزدوری کرنا پڑتی ہے۔ کمائی کم ہوتی ہے اخراجات زیادہ ہوتے ہیں، تنگی آجاتی ہے۔ وہ بھی آزمائش ہے کہ اس تنگی میں میرا ہی بندہ رہتا ہے یا دنیا کی خاطر دوسروں کے دَر پر جھک جاتا ہے۔

یہ اُس کے اپنے انداز ہیں۔ کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ اس نے اپنی دانش سے بہت کما لیا اور دوسرا بے وقوف تھا جو غریب رہ گیا۔ ایسی بات نہیں۔ وہ جو نظامِ کائنات کو چلا رہا ہے وہی رزق کے نظام کو بھی چلا رہا ہے۔ رزق کی کمی اور بیشی بندوں کا امتحان ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۲﴾ بے شک اللہ ہی ہر چیز سے واقف ہیں۔ دنیا میں کوئی ایسا فرد نہیں کہ اللہ کو وہ بھول گیا ہو اور بھوکا رہ گیا ہو۔ وہ ہر فرد سے واقف ہے۔ اس کا بھوکا رہنا ایک

آزمائش ہے۔کوئی فرد نہیں جس کا اللہ کو پتا نہیں اور اس نے کہیں سے دولت سرکالی یا چُرالی ہو۔ایسا نہیں ہے۔وہ سب جانتا ہے۔زیادہ دولت خود دیتا ہے، کم بھی خود کر دیتا ہے۔محض بندے کو پرکھتا ہے۔اس کے اعمال کے مطابق اس پر انعام فرماتا ہے اور بندہ جب غلطی کرے تو اس کا بدلہ پالیتا ہے۔

فرمایا: وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ اگر آپ ان سے دریافت فرمائیں کہ آسمان سے پانی کس نے نازل فرمایا پھر اس سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد (کس نے) زندہ فرمایا؟ تو وہ یہی کہیں گے کہ اللہ نے (تو) فرمایئے کہ سب خوبیاں اللہ کے لیے ہیں بلکہ ان میں اکثر سمجھتے نہیں۔

وہ کون ہے جس نے پانیوں سے بادل بنائے، بادلوں سے بارش برسائی؟ زمین تپتا صحرا بن چکی تھی۔ہر فصل خشک ہو کر ختم ہو چکی تھی۔کس نے بارش برسائی کہ ساری زمین جو مردہ ہو چکی تھی میں از سر نو زندگی کی لہر دوڑ گئی۔سبزہ لہلہانے لگا۔درختوں پر کروڑوں نئے پتے آ گئے۔موت کے بعد زمین کو یہ نئی زندگی کس نے عطا کی؟ جواب میں یہ کہیں گے کہ اللہ نے عطا کی۔کسی کے پاس بھی اس کے علاوہ کوئی جواب نہیں۔کافر کو بھی کہنا پڑتا ہے کہ یہ اللہ ہی کرتا ہے۔قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ۔۔۔تو فرما دیجیے سب خوبیاں اللہ کے لیے ہیں۔اللہ کا بہت شکر ہے۔اس سب کے باوجود اگر اے کافرو! تم اللہ کی عظمت کو نہیں مانتے تو یاد رہے! ہم اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ وہ حیات بخشتا ہے، نعمتیں عطا کرتا ہے اور وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کا شکر ادا کیا جائے۔شکر کیسے ادا ہوتا ہے؟ اس آیت سے یہ سمجھ آتی ہے کہ اللہ کی نعمتوں کو دیکھ کر زبانی بھی شکر ادا کیا جائے اور عملاً اطاعت بھی کی جائے۔زبانی کہنا بھی اللہ کا شکر ہے لیکن عملاً نافرمانی سے رک جانا ادائے شکر کا بہترین انداز ہے۔

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ بلکہ ان میں اکثر نہیں سمجھتے۔لیکن لوگوں کی اکثریت عقل سے بے بہرہ ہوتی ہے۔قرآنِ کریم اطاعت گزاروں کو عقلمند شمار کرتا ہے اور نافرمانوں کو جاہل۔اطاعت گزار دنیوی علوم سے نابلد ہو کر بھی دانا تر ہے اور نافرماں دنیوی علوم پڑھنے کے باوجود بھی جاہل ہے۔اور جہالت کیا ہوگی کہ وہ اپنے اصل کام سے غافل ہے!

اللہ کریم اپنی رحمت سے اپنی یاد کی توفیق دے، اپنی اطاعت کی توفیق دے۔ادائے شکر کی توفیق دے۔برے ماحول، بری جگہوں سے محفوظ رکھے۔دین پر قائم رکھے، دین پر موت دے اور دین داروں کے ساتھ حشر فرمائے آمین

سورۃ العنکبوت رکوع 7 آیات 64 تا 69

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ
الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ
لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ
اٰتَيْنٰهُمْ ۙ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا
اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ
يَكْفُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا
جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا
لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶۹﴾

اور یہ دنیا کی زندگی کیا ہے یہ تو صرف کھیل اور تماشا ہے۔ اور بے شک اصل زندگی (کا مقام) تو آخرت کا گھر ہے۔ کاش یہ لوگ جانتے ہوتے ﴿۶۴﴾ پھر جب یہ کشتی (پانی کی سواری) میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو پکارتے ہیں (اور) خالص اُسی کی عبادت کرتے ہیں (یعنی خالص اعتقاد سے پکارتے ہیں) پھر جب وہ ان کو بچا کر خشکی پر لے آتے ہیں تو وہ شرک کرنے لگتے ہیں ﴿۶۵﴾ ہم نے جو نعمت ان کو بخشی اس کی ناقدری کرتے ہیں اور (کچھ روز) فائدہ اٹھالیں سو بہت جلد ان کو معلوم ہو جائے گا ﴿۶۶﴾ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن والا بنایا ہے اور اس کے گرد و نواح سے لوگ اُچک لیے جاتے ہیں۔ تو کیا یہ لوگ باطل (جھوٹ) پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں ﴿۶۷﴾ اور اس سے بڑا

ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ گھڑے یا جب حق (سچی بات) اس کے پاس پہنچے تو اس کو جھٹلا دے کیا کافروں کا ٹھکانہ جہنم میں نہیں ہے؟﴿۶۸﴾ اور جو لوگ ہمارے لیے مشقت برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے رستے ضرور دکھادیں گے۔ اور بے شک اللہ خلوص والوں کے ساتھ ہیں﴿۶۹﴾

تفسیر ومعارف

دنیا کی زندگی کیا ہے؟

فرمایا: وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ ۔۔۔ اور یہ دنیا کی زندگی کیا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے، اس کا مآل اور انجام کیا ہے؟ اگر اسے آخرت سے الگ کر کے دیکھا جائے۔ اخروی نتائج کو چھوڑ دیا جائے کہ مومن کو کیا حاصل ہوگا اور کافر کو کیا ملے گا۔ یہ باتیں الگ کردی جائیں اور صرف دنیا کی زندگی کا تصور کیا جائے کہ لوگ پیدا ہوتے ہیں اور مرجاتے ہیں جیسا کہ بعض دہریہ لوگوں کا خیال ہے۔ جو ذاتِ باری کے وجود کے ہی منکر ہیں، ان کا خیال ہے کہ بندے از خود ہی پیدا ہوتے ہیں اور مرجاتے ہیں۔ پھر یہ سوال اٹھتا ہے کہ زندگی کا حاصل کیا ہوا؟ پیدا ہوئے، جوان ہوئے، دولت کمائی، گھر بنائے، گاڑیاں خریدیں، جہاز خرید لیے، عیش کی، کھایا پیا، موت آئی اور سارا کھیل ختم ہوگیا۔ گھر رہے نہ مال، جان رہی نہ وجود باقی رہا۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اس طرح زندگی گزارنا محض کھیل تماشا کی طرح ہے۔ فرمایا: اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۔۔۔ یہ تو صرف کھیل تماشا ہے۔ اس کی مثال بچوں کے کھیل ہیں۔ بچے مل کر کھیلتے ہیں تو ایک چور بن جاتا ہے دوسرے کچھ سپاہی بن جاتے ہیں۔ پتھر جوڑ کر محل بنا لیتے ہیں۔ ایک بادشاہ بن جاتا ہے۔ ایک منصف بن جاتا ہے۔ کھیلتے رہتے ہیں۔ پھر لڑائی ہوجائے یا گھر سے بلاوا آجائے تو سب کچھ توڑ کر، گرا کر گھر چلے جاتے ہیں۔ اس کا کوئی نتیجہ نہیں ہوتا۔ اگر دنیا کی زندگی کو آخرت سے الگ کر کے دیکھا جائے تو پھر یہ دنیا بھی کھیل تماشا ہے۔ فضول کھیل تماشا جس کا کوئی نتیجہ نہیں۔ کچھ حاصل نہیں۔ پھر تو یہ ساری کارگاہِ حیات ہی باطل ہوگئی۔ اتنا عظیم نظامِ حیات جس میں سورج، چاند ستارے، بادل بارش، ہریالی کھیت، جانور اس سب کا نتیجہ کیا ہے؟ بس یہی کہ کھایا پیا اور مر گئے۔ قصہ ختم۔ پھر تو یہ ایک فضول اور لاحاصل کام ہے۔ فرمایا: وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۔۔۔ اور بے شک اصل زندگی (کا مقام) تو آخرت کا گھر ہے۔

اس زندگی کا حاصل تب بنتا ہے جب اسے آخرت کے ساتھ جوڑتے ہیں۔ حکایت ہے کہ ایک بادشاہ تھا۔ رات کو اس کی نیند کھل گئی۔ اس کے جھروکے سے دور تک نظر آرہا تھا۔ اس نے کسی غریب کو پتھروں کے ڈھیر پر سوتے دیکھا کہ وہ بہت پرسکون سو رہا تھا۔ حیران ہوا کہ شاہی خواب گاہ کی آسائشوں میں بھی نیند اس سے کوسوں دور ہے اور یہ شخص پتھروں پر بھی مزے سے سو رہا ہے۔ صبح اسے دربار میں بلوایا۔ اور پوچھا کہ تمہاری رات کیسی گزری؟ اس نے کہا کہ کچھ حصہ آپ جیسی نیند میں گزرا آپ اپنے شاہی بستر پر آرام سے سو گئے اور میں اپنے پتھروں پر آرام سے سو گیا۔ سوئے ہوئے نہ آپ کو گردوپیش کی خبر رہی نہ مجھے تو یوں رات کا کچھ حصہ ہم دونوں کا ایک سا گزرا۔ رات کا کچھ حصہ میرا آپ سے بہتر گزرا کہ جب میری آنکھ کھلتی تو میں ذکرِ الٰہی کرتا تھا اور آپ دنیا کے بکھیڑے سوچتے تھے۔ میرا وہ وقت آپ سے بہتر گزرا۔

جب آخرت کو دنیا کے ساتھ لگا کر دیکھا جائے۔ اعمال کے انجام کے مطابق پرکھا جائے تو پتا چلتا ہے کہ دنیا کی زندگی کتنی قیمتی مہلت ہے۔ اس کا ایک ایک لمحہ کتنا اہم ہے۔ یہاں اٹھائے گئے ایک ایک قدم کی کیا قیمت ہے! یہاں کا کوئی ایک غلط قدم ہوسکتا ہے ہمیں جہنم میں گرادے اور ایک راست قدم ہمیں اللہ کی بارگاہ میں سرخرو کردے۔ دنیا کی زندگی کے ہونے کی وجہ آخرت ہے۔ اگر آخرت کو الگ کردیں تو کچھ حاصل نہیں۔ ایسی زندگی جس کا کوئی انجام نہ ہو، کوئی نتیجہ نہ ہو اسے قرآن نے لہو ولعب کہا ہے۔ لہو ولعب اس کھیل کو کہتے ہیں جو فضول ہو۔ جس کا کوئی حاصل نہ ہو۔ اسی لیے فرمایا کہ زندگی کی حقیقت آخرت ہے۔ جب دنیا کی زندگی کو آخرت سے جوڑا جائے تو اس کے ایک ایک لمحے کی قدر ہوتی ہے پھر پتا چلتا ہے کہ یہ زندگی کتنی قیمتی ہے۔ اس میں ہم کیا کچھ پاسکتے ہیں۔

یہ زندگی اتنی قیمتی ہے کہ یہ ہمارے سینے کو تجلیاتِ الٰہی کا مہبط بنا سکتی ہے۔ ہمیں جمالِ الٰہی کے روبرو لے جاسکتی ہے۔ اس سے اللہ کی بے شمار رحمتیں پائی جاسکتی ہیں۔ اور اسے ضائع کیا تو دو نقصان ہوں گے۔ دنیا بھی بے مزہ گزرے گی اور آخرت بھی تباہ ہوگی۔ اگر اس کا حق ادا کیا جائے تو دنیا بھی پُرلطف ہو جاتی ہے اور آخرت بھی ساتھ ہی بن جاتی ہے۔ آخرت کی تعمیر کا مدار اللہ نے اس دنیا پہ رکھ دیا ہے۔ نورِ ایمان اور عملِ صالح سے آخرت تعمیر ہوتی ہے۔ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٦٤﴾ کاش! یہ لوگ جانتے ہوتے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ لوگ اس بات کو سمجھ لیتے۔ کیا ہی خوب ہوتا کہ وہ جان لیتے! انسان کی حقیقت تو یہ ہے کہ اس کا اپنا کچھ بھی نہیں۔ وجود سے لے کر سامانِ زندگی تک سب میں اللہ کا محتاج ہے لیکن کتنا عجیب مزاج ہے کہ پھر بھی بتوں سے امیدیں وابستہ کر لیتا ہے۔ فرمایا: فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۖ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا

هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾ پھر جب یہ کشتی (پانی کی سواری) میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو پکارتے ہیں (اور) خالص اسی کی عبادت کرتے ہیں (یعنی خالص اعتقاد سے پکارتے ہیں) پھر جب وہ ان کو بچا کر خشکی پر لے آتے ہیں تو وہ شرک کرنے لگتے ہیں۔ قرآن کریم میں یہ مثال ارشاد ہو رہی ہے کہ یہ لوگ تجارتی سفر کرتے رہتے ہیں۔ بڑی بڑی کشتیوں میں بحری راستوں پر سفر کرتے ہوئے جب کبھی کشتی طوفان میں گھر جائے، سمندری لہریں بپھر جائیں اور انہیں یقین ہو جائے کہ ہر طرف موت ہی موت ہے تو پھر انہیں اپنے فرضی معبود اور بت وغیرہ یاد نہیں رہتے پھر بالکل خالص کھرے ہو کر پکارتے ہیں کہ اللہ! ہم تیرے بندے ہیں۔ تُو ہی ہمیں بچا سکتا ہے۔ پھر جب ہم انہیں اس مصیبت سے نجات دے دیتے ہیں، طوفان روک دیتے ہیں۔ کشتی سنبھل جاتی ہے، کنارے پر پہنچ جاتے ہیں تو خشکی پر پہنچ کر پھر شرک کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ فلاں بُت کی برکت سے ہوا۔ یہ تو کافروں کی بات ہو رہی ہے۔ ایسا آج مسلمان کہلوانے والے بھی کرتے ہیں۔ پریشانیاں، مصیبتیں، امراض گھیر لیتے ہیں تو بڑے خلوص سے اللہ کو پکارتے ہیں۔ جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو کہتے ہیں میرے فلاں عزیز نے مدد کی تھی، فلاں پیر صاحب کی وجہ سے بچ گیا۔ فلاں عقلمندی کام آ گئی۔

فرمایا: لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ ہم نے جو نعمت ان کو بخشی اس کی ناقدری کرتے ہیں اور (کچھ روز) فائدہ اٹھا لیں سو بہت جلد ان کو معلوم ہو جائے گا۔ تم کیا لوگ ہو، میری نعمتوں سے فائدہ اٹھا لیتے ہو اور میری عطا کا انکار بھی کرتے ہو! حقیقت یہ ہے کہ بندے کا وجود اللہ کی عطا ہے۔ تمام قابلیتیں، صلاحیتیں اس کی عطا ہیں تو بندہ کس برتے پہ (بل بوتے پہ) اللہ کی عظمت کا انکار کرتا ہے۔

کفر دو طرح کا ہے۔ ایک عقیدے کا کفر کہ توحیدِ باری، عظمتِ باری کا انکار کر دیا جائے۔ دوسرا یہ ہے کہ بندہ زبانی کہتا رہے کہ وہ اللہ کو مانتا ہے لیکن عملاً نافرمانی پر کمر بستہ رہے۔ اگر حرام کھانا، لوٹ مار کرنا، لوگوں کے حقوق دبانا جیسی برائیوں کو حلال سمجھتے تو پھر اس کا عقیدہ خراب ہے۔ عقیدے سے ہی کافر ہے کہ اللہ کے حرام کردہ کاموں کو حلال سمجھتا ہے۔، اگر ان برائیوں کو بُرائی سمجھ کر کرتا ہے تو پھر گنہگار ہے، فاسق ہے لیکن اس کی برائی کو عملی کفر کہا جائے گا۔

فرمایا، یہ ایسے عجیب لوگ ہیں کہ میری نعمتوں سے حظ اٹھا رہے ہیں اور میری ہی ناشکری کر رہے ہیں۔ انہیں بہت جلد پتا چل جائے گا کیونکہ ہر عمل کا ایک نتیجہ ہوتا ہے۔ اللہ کو یہ زیب ہی نہیں دیتا کہ کوئی ایسا کام کرے جس کا کوئی حاصل نہ ہو۔ بے کار کام کرنا خوبی نہیں خامی ہے۔ انسانوں میں خامی ہو سکتی ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ ہر خامی سے پاک ہے۔ اس کی شان وراء الورآء ہے۔ اس نے انسان کے لیے کائنات بنائی۔ اسے اس کا مقصدِ تخلیق بتایا۔ راہِ عمل

متعین فرمائی، راہنما پیغمبر بھیجے۔ تو بہت جلد انہیں پتا چل جائے گا کہ کس عمل کا کیا نتیجہ نکلا۔ ہر سوچ وفکر کا نتیجہ آئے گا۔ ہر قول وقرار کا نتیجہ آئے گا۔ ہر کردار اپنے انجام کو پالے گا۔ وہ وقت دور نہیں ہے۔ ہر ایک کے پاس گنتی کی سانسیں ہیں۔ یہ ختم ہوں گی تو ہر چیز کھل کر سامنے آجائے گی۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ۔۔۔ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن والا بنایا ہے اور اس کے گرد ونواح سے لوگ اچک لیے جاتے ہیں۔ اہلِ مکہ یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم کلمہ پڑھ لیں تو لوگ ہمیں پکڑ کر لے جائیں اور غلام بنا کر بیچ دیں گے۔ ارشاد ہوا کہ اہلِ مکہ کو تو یہ بہانہ بھی زیب نہیں دیتا اس لیے کہ یہ پہلے سے جانتے ہیں کہ ہم نے حرم کو ایسی امن والی جگہ بنایا کہ کافر اور مشرک بھی اس کا احترام کرتے ہیں۔ یہاں زیادتی نہیں کرتے۔ اس شہر میں تو کوئی انہیں اُچک کر نہیں لے جاتا۔ اردگرد کے پہاڑوں سے تو لوگ اچک لیے جاتے تھے۔ اس دور میں اکیلا فرد دیکھ کر پکڑ لیتے اور غلام بنا کر بیچ دیتے تھے لیکن حرم میں تو کوئی ایسی حرکت نہیں کرتا تو اہلِ مکہ کیوں یہ بہانہ کرتے ہیں؟ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ﴿۶۷﴾ تو کیا لوگ باطل (جھوٹ) پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں۔ فرمایا، یہ کیسے عجیب لوگ ہیں کہ باطل، کفر اور جھوٹ کو مانتے ہیں اور حق کا انکار کرتے ہیں۔ یہ اللہ کی ناشکری کر کے اپنے لیے جہنم، پریشانی، دکھ کو اختیار کرتے ہیں اور راحت وسکون کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ پھر ایسے جاہل ہیں کہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں۔

یہ معاملہ بڑا نازک ہے:

فرمایا: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ﴿۶۸﴾ اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ گھڑے یا جب حق (سچی بات) اس کے پاس پہنچے تو اس کو جھٹلا دے کیا کافروں کا ٹھکانہ جہنم میں نہیں ہے؟

اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔ یہ معاملہ بڑا نازک ہے۔ بغیر سند کے بات کرنا بہت بڑی خطا ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا وہی دین ہے۔ اس میں نہ کوئی کمی کر سکتا ہے نہ کچھ اضافہ کر سکتا ہے۔ اگر کوئی بات بنا کر دین میں داخل کرے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں تو یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان لگانا ہے۔ اور اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی فرمایا جو اللہ نے فرمایا لہٰذا بدعات بہت بڑا ظلم ہے۔ ارشادِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے: كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ۔ (ابن ماجه) اَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ ہر بدعت گمراہی ہے اور

ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔کوئی بھی کام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، متقدمین سے ثابت نہیں، سب سے بڑھ کر اللہ کریم کا حکم نہیں۔ بندہ اپنی طرف سے گھڑ کے کہتا ہے۔اس پر بڑا ثواب ہے تو یہ بدعت ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اہلِ بدعت کی تکریم کرنا بھی حرام ہے۔

ہم اپنا تجربہ کریں تو ہماری زندگیاں بدعات سے بھر چکی ہیں اور اس پر ہم نجات کی امید بھی رکھتے ہیں۔ یہ بہت بڑا ظلم ہے کہ حق کا انکار کیا جائے۔ اللہ پر جھوٹ بولا جائے۔ کفر کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے۔ان کا یہی انجام ہوگا۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ دین پر عمل کریں گے تو مارے جائیں گے۔تو کیا انہیں کبھی مرنا نہیں۔ ہمیشہ یہیں رہنا ہے؟ اگر دین پر عمل نہیں کریں گے تو کیا مریں گے نہیں۔دین چھوڑ دیں گے تو بھی مرنا تو ہوگا اور جو دین پر جم کر کھڑے رہتے ہوئے مر گئے وہ شہید ہوں گے۔وہ کامیاب ہو جائیں گے۔

فرمایا: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۶۹ اور جو لوگ ہمارے لیے مشقت برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے رستے ضرور دکھا دیں گے اور بے شک اللہ خلوص والوں کے ساتھ ہیں۔

وہ جو اللہ کے لیے مجاہدہ کرتے ہیں۔اللہ کی رضا کے لیے محنت کرتے ہیں اللہ کے دین کے لیے ڈٹ جاتے ہیں کہ بھوک آئے یا بیماری کچھ بھی ہو دین پر قائم رہتے ہیں اور جب میدانِ جہاد میں ضرورت پڑے تو جم کر کھڑے رہتے ہیں۔اگر مارے جائیں تو شہادت پاتے ہیں۔ان کے بارے قرآن حکیم میں دوسری جگہ ارشاد ہوا: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۔۔۔(البقرہ:154) اور جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں انہیں مردہ نہ کہو وہ مرتے نہیں وہ موت پر فتح پا لیتے ہیں۔ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔اللہ کی راہ میں جان قربان کر دینا جہاد بالسیف ہے۔

دوسرا جہاد و مجاہدہ نفس کے ساتھ کیا جاتا ہے۔جو بندہ کسی لالچ، کسی خوف سے دین نہیں چھوڑتا، سختیاں سہہ لیتا ہے، بیماری، تنگی ترشی کاٹ لیتا ہے تو وہ مجاہد ہے۔ایسے لوگوں کو ہم اپنے راستے دکھا دیتے ہیں۔ جہاد میں جان قربان کی تو شہید ہو گیا اور جنت کا راستہ پا گیا۔فتح مند ہوا تو غازی ٹھہرا دنیا میں بھی کامیاب ہوا آخرت میں بھی غازی کہلایا۔

اگر وہ مجاہد جہاد نہ کرتا تو کیا اسے موت نہیں آنی تھی؟ موت تو گھر میں بھی آ جاتی ہے۔تو کیا برائی، ناشکری یا کفر کر کے زندگی ہمیشہ کے لیے ہو جائے گی؟ کبھی نہیں۔ موت نے بالآخر آنا ہے لیکن شہید کی موت حیات سے خوش تر ہے۔

فرمایا، جو اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ کرتے ہیں۔ گناہ کی طرف نہیں جاتے۔ اللہ کی رضا کو پانا چاہتے ہیں ہم ان کے لیے راستے کھول دیتے ہیں۔ مفسرینِ کرام فرماتے ہیں کہ کسی کے دل میں یہ جذبۂ ایمانی آجائے کہ وہ اللہ کی رضا چاہتا ہے اور اس کے لیے کوشش کرے تو اللہ کریم اُسے ایسے بندوں سے ملا دیتے ہیں جو اس کی راہنمائی کرتے ہیں۔ ایسی مجالس میں پہنچا دیتے ہیں جہاں اسے اللہ اللہ سکھایا جاتا ہے۔ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶۹﴾ یقیناً اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو دل کی گہرائی سے، پورے خلوص کے ساتھ اس کی رضا کو تلاش کرنے کے لیے عمل کرتے ہیں۔ اللہ دلوں کو جانتا ہے، دکھاوے پہ نہیں جاتا۔ نتائج دلی احوال پر مرتب ہوتے ہیں۔ اگر دلوں میں خلوص ہے تو اللہ یقیناً تمہارے ساتھ ہے۔ ہر دکھ میں تمہارے ساتھ ہے، ہر سکھ میں تمہارے ساتھ ہے۔ ہر حال میں تم سب سے قریب تر اللہ کو پاؤ گے۔ تمہیں کسی دوسرے کو پکارنے اور منت کرنے کی حاجت نہیں رہے گی۔ اگر تم خود خلوص سے محروم ہو تو تم نے خود کو بارگاہ الٰہی سے محروم کر دیا۔ یہ تمہارے فیصلے ہیں۔ تاکید کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ یقیناً ان لوگوں کے ساتھ ہے جو خلوص سے اس کی رضا کے طالب ہوتے ہیں۔ جو دل کی گہرائیوں سے اللہ کی رضا کے لیے عمل کرتے ہیں۔

الحمد للہ سورۃ العنکبوت مکمل ہوئی۔

سورۃ الروم رکوع 1 آیات 1 تا 10

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۙ﴿۲﴾ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ
سَيَغْلِبُوْنَ ۙ﴿۳﴾ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ؕ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ وَيَوْمَئِذٍ
يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۴﴾ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ
الرَّحِيْمُ ۙ﴿۵﴾ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا
يَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚۖ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ
غٰفِلُوْنَ ﴿۷﴾ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۗ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ
رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ﴿۸﴾ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ
اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ
وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ؕ﴿۹﴾ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا
السُّوْٓاٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۰﴾

الٓمّٓ۔ ﴿۱﴾ رومی مغلوب ہو گئے ﴿۲﴾ نزدیک کے ملک (علاقے) میں اور اپنے
مغلوب ہونے کے بعد عنقریب وہ غالب آجائیں گے ﴿۳﴾ چند ہی سالوں میں۔
پہلے بھی اور پیچھے بھی اللہ ہی کا حکم ہے۔ اور اس روز مومن خوش ہو جائیں گے ﴿۴﴾
اللہ کی مدد سے۔ وہ جس کو چاہیں مدد دیتے ہیں۔ اور وہ غالب (اور) مہربان

ہیں ﴿۵﴾ اللہ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں فرماتے
ولیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ﴿۶﴾ یہ لوگ صرف دنیا کی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں
اور یہ لوگ آخرت سے بے خبر ہیں ﴿۷﴾ کیا انہوں نے اپنے دلوں میں یہ غور نہیں
کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے کسی
حکمت ہی سے اور ایک معیاد معین کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ اور بے شک بہت
سے آدمی اپنے پروردگار کے ملنے سے منکر ہیں ﴿۸﴾ کیا یہ لوگ زمین میں چلے
پھرے نہیں تو (جس میں) دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا
انجام کیا ہوا۔ وہ ان سے قوت میں بھی بڑھے ہوئے تھے اور انہوں نے زمین کو
جوتا اور جتنا انہوں نے اس کو آباد کر رکھا ہے اس سے زیادہ انہوں نے اس کو آباد کیا
تھا اور ان کے پاس بھی ان کے پیغمبر نشانیاں (معجزات) لے کر آتے رہے۔ تو
اللہ ایسے نہ تھے کہ ان پر زیادتی کرتے بلکہ وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے
تھے ﴿۹﴾ پھر ایسے لوگوں کا انجام جو برائی کرتے تھے بُرا ہی ہوا اس لیے کہ اللہ
کی نشانیوں کو جھٹلاتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے ﴿۱۰﴾

تفسیر و معارف

اہلِ روم مسلمانوں کے پڑوس میں تھے۔ قریبی ہمسایے اور اہلِ کتاب تھے۔ فارس کا کسریٰ پرویز آتش پرست تھا۔ اس نے روم پر حملہ کیا۔ اہلِ روم کو شکست ہوئی اور کسریٰ نے اُن کے کچھ علاقے قابو کر لیے۔ مسلمانوں کی اہلِ روم کے ساتھ ہمدردیاں تھیں کیونکہ وہ اہلِ کتاب تھے اور مشرکین کی ہمدردی کسریٰ پرویز کے ساتھ تھی کیونکہ وہ مشرک تھا۔ اللہ کریم نے اطلاع دی کہ رومی مغلوب تو ہو گئے ہیں لیکن چند سالوں میں ہی فتح پائیں گے۔

فرمایا: الٓمّٓ ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿۲﴾ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ﴿۳﴾ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۭ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۴﴾ الٓمّٓ۔ رومی مغلوب ہو گئے۔ نزدیک کے ملک (علاقے) میں اور اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب وہ غالب آ جائیں گے۔ چند ہی سالوں میں۔ پہلے بھی اور پیچھے بھی اللہ ہی کا حکم ہے۔ اور اس روز مومن خوش ہو جائیں گے۔

یہ ایک عجیب پیشگوئی بن گئی۔ اللہ کریم کا ارشاد ہے۔ قرآن کی بات ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم پر وحی نازل ہوئی تو یہ پیشگوئی صداقت پیغمبر کا بھی امتحان بن گئی۔ ظاہری حالات سے بھی یہ ممکن نظر نہ آتا تھا کہ رومی کس طرح کسریٰ کو شکست دیں گے کہ جب صحیح حالت میں تھے تو شکست کھا گئے۔ اب ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئے ہیں تو کس طرح شکست دیں گے لیکن اللہ نے فرما دیا کہ ایسا ہوگا اور وقت بھی بتا دیا۔

عربی قواعد میں اکیلے کو واحد کہتے ہیں دو کو جمع نہیں کہتے مُثنیٰ کہتے ہیں۔ جمع کی دو قسمیں ہیں ایک جمع قلّت دوسری جمع کثرت۔ جمع قلّت نو (9) تک ہوتی ہے دس (10) اور اس سے زیادہ جمع کثرت ہے۔ بِضْعِ سِنِیْنَ' چند ہی سالوں میں۔ یہ جمع قلّت میں آتا ہے یعنی دس سال سے کم عرصے میں۔

حکم صرف اللہ کا چلتا ہے:

یہ بڑی ٹھوس پیشگوئی ہوگئی۔ مشرکین نے کہا یہ تو چند سالوں کی بات ہے۔ پتا چل جائے گا کہ کون سچا ہے۔ حالات تو ایسے ہیں کہ یہ ہونا ممکن نظر نہیں آ رہا۔ اللہ نے فرما دیا کہ ایسا ہی ہوگا۔ فرمایا، پہلے بھی اور بعد میں بھی حکم صرف اللہ کا چلتا ہے۔ رومیوں کو سزا دینا مقصود تھی تو کسریٰ سے انہیں شکست دلوا دی۔ جب کسریٰ کو سزا دینا مقصود ہوگا رومیوں کو فاتح کر دے گا۔ تم صرف اسباب کو دیکھ رہے ہو مسبب الاسباب کو دیکھو۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

یہاں سے یہ اصول اخذ ہوتا ہے کہ دینی امور پر عمل محض دُنیوی اندازوں سے نہیں بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کا حکم سمجھ کر اور ہر حال میں اسے بہتر سمجھ کر کرنا چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ کوئی یہ کہے کہ ظاہری اسباب معاون نہیں ہیں لہٰذا میں دین کے احکامات پر عمل نہیں کر سکتا۔ میں یہاں نماز روزہ کروں گا تو محکمے والے ناراض ہو جائیں گے، فلاں مجھے طعنے دے گا۔ یہ صحیح نہیں۔ اللہ کی اطاعت غیر مشروط ہے۔ کوئی راضی رہے یا ناراض اللہ کی اطاعت مسلمان کی زندگی کا مقصد ہو۔

فرمایا، جب رومیوں کو فتح ہوگی تو مسلمان کو بھی بہت مسرت ہوگی کیونکہ وحی کی صداقت ظاہر ہوگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیشگوئی پوری ہوگی اور مشرکین سے تو اہلِ کتاب بھلے ہیں۔ مشرکین پر اہلِ کتاب کو فتح ہوگی۔ یوں مسلمانوں کو تین خوشیاں ملیں گی۔ یہ اللہ کی مدد سے ہوگا: بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ اللہ کی مدد سے۔ وہ جس کو چاہیں مدد دیتے ہیں اور وہ غالب (اور) مہربان ہیں۔ اللہ کریم قادر ہیں۔ جس کی چاہے مدد کریں۔ جب رومیوں کو سزا دینا چاہی تو کسریٰ کو اُن پر چڑھا دیا۔ جب کسریٰ پرویز کی گوشمالی مقصود ہوگی

تو رومیوں کو فتح یاب فرمادے گا۔ یہ اس کی پسند اور ناپسند ہے وہ جسے چاہتا ہے طاقت دیتا ہے جسے چاہتا ہے کمزور کر دیتا ہے۔ وہی غالب ہے، قادر ہے لیکن وہ بہت بڑا رحم کرنے والا، بہت درگزر کرنے والا ہے۔ بندوں کو بہت زیادہ معاف کرنے والا ہے۔ اس کی رحمت ہر چیز سے وسیع تر ہے۔

وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۶ اللہ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں فرماتے ولیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے لیکن لوگوں میں تو یہ شعور بھی نہیں کہ اللہ کے وعدے پر اعتبار کرلیں۔ تم دیکھ لو گے کہ چند سالوں میں رومی اہل فارس کو شکست دیں گے اور پھر یہی ہوا۔ رومیوں نے چند سالوں میں ہی کسریٰ پرویز کو شکستِ فاش دی اپنے علاقے واپس لیے۔ مسلمانوں نے خوشیاں منائیں۔ مشرکین بڑے حیران ہوئے کہ یہ کیسے ہوگیا!

فرمایا: يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝۷ یہ لوگ صرف دنیا کی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور یہ لوگ آخرت سے بے خبر ہیں۔ مشرکین کی حیرت کی وجہ یہ ہے کہ یہ دنیا کے ظاہری اسباب کو دیکھ کر تخمینے لگاتے ہیں لیکن مسبب الاسباب، اسباب کا محتاج نہیں۔ زہر سے موت واقع ہوجاتی ہے۔ وہ چاہے تو زہر سے ہی کسی کو شفا دے دے۔ زہر کی تاثیر بدل دے۔ آگ جلانے کے لیے ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے لیے وہ حیات آفرین بن گئی۔ سب اشیا اس کی مخلوق ہیں۔ سب میں تاثیر اس نے رکھی ہے۔ وہ چاہے تو تاثیر بدل دے۔ لیکن یہ لوگ ظاہری حالات میں الجھے رہتے ہیں اس لیے کہ آخرت سے بے خبر ہیں۔

بندۂ مومن کے لیے درس:

قرآن کا ہر حکم ہمیشہ کے لیے ہے۔ ہم اس آیۂ مبارکہ کو اپنے لیے درس بنائیں۔ اپنی بات کریں۔ ہم بھی دنیا کے اسباب کو دیکھ کر فیصلے کرنے کے عادی ہوگئے ہیں حالانکہ دنیا کے حالات اور اسباب کی کوئی ذاتی حیثیت نہیں ہے۔ ان کے پیچھے مسبب الاسباب کی قدرتِ کاملہ ہے۔ قرآنِ حکیم میں کتنے ہی واقعات بتاتے ہیں کہ ہوا زندگی کا سبب ہے لیکن جب کسی قوم کو اس کے کیے کی سزا دینا مقصود تھا تو ہوا کو ان کی موت کا سبب بنا دیا۔ بارش انسانی زندگی کی ضروریات پوری کرنے کا سبب ہے لیکن کتنی قومیں پانی میں غرق کر دی گئیں اور پانی ان کے لیے تباہی بن گیا۔ تو بندۂ مومن کو چاہیے کہ آخرت کو مدِ نظر رکھ کر دنیا کے فیصلے کرے کہ اس کام کا کرنا آخرت کے لیے بھلا ہے تو ضرور کرے اور نہ کرنا آخرت کے لیے بھلا ہے تو بالکل نہ کرے۔

دعوتِ فکر:

فرمایا: اَوَلَمۡ یَتَفَکَّرُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَیۡنَہُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ وَاِنَّ کَثِیۡرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآیِٔ رَبِّہِمۡ لَکٰفِرُوۡنَ ﴿۸﴾ کیا انہوں نے اپنے دلوں میں یہ غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے کسی حکمت ہی سے اور ایک میعادِ معین کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ اور بے شک بہت سے آدمی اپنے پروردگار کے ملنے سے منکر ہیں۔

کیا انہوں نے کبھی یہ سوچا کہ کائنات کتنی وسیع ہے۔ اس میں تخلیق کا عمل رُکا نہیں۔ مسلسل جاری ہے۔ ایک لمحے میں نجانے کتنے قطرے پانی کے بنتے ہیں کتنے تنکے گھاس کے اُگتے ہیں۔ کتنے پرندے انڈے دیتے ہیں، کتنی مچھلیاں اور سمندری جانور پیدا ہوتے ہیں۔ زمین پر کتنی مخلوق پیدا ہوتی ہے۔ ایک لمحے میں اس کائناتِ بسیط میں کتنے وجود آتے ہیں اور کتنے چلے جاتے ہیں۔ موت وحیات کا یہ مسلسل سے جاری ہے۔ اس نے ترتیبِ کائنات کے لیے، اس عمل کو جاری رکھنے کے لیے جو چیز روزِ اوّل سے جس اصول پر بنائی اور اس پر جو نتائج مقرر کیے۔ صدیاں بیت گئی ہیں اسی پر وہ قائم ہیں۔ سورج، چاند، ستارے ساری زمین کے ذرات اور خلیے (Cells) ہر چیز اپنا کام اپنے وقت پر پوری دیانت داری سے کر رہی ہے۔ ہر ایک کے کام کا معیار مقرر ہے اور میعاد بھی۔ ہر شَے مقررہ اور معین ٹائم ٹیبل پر چل رہی ہے۔

اس سارے نظام کو دیکھ کر انہیں خیال نہیں آتا کہ یہ قادرِ مطلق جب فرماتا ہے کہ وہ ہر چیز کو مٹا کر پھر سے بنا دے گا تو اس کے لیے کیا مشکل ہے! وہ قادر ہے لیکن بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اپنے ربّ کی بارگاہ میں واپس حاضر ہونے کا انکار کیے بیٹھے ہیں۔ حیات بعد الممات اور قیامت کے انکار نے انہیں کفر میں دھکیل دیا ہے۔ انہیں عجیب لگتا ہے کہ مر کر جب خاک ہو جائیں گے تو پھر کیسے زندہ ہوں گے۔ ان کے سامنے نظامِ قدرت رواں دواں ہے۔ صرف ایک دن میں تخلیق ہونے والی مخلوق کوئی گن کر بتا دے۔ کوئی قاعدہ کلیہ، کوئی کمپیوٹر، مشین کیا ایسی ہے جو یہ گن کر بتا دے کہ ہر لمحے کتنی چیزیں فنا ہو رہی ہیں۔ تو وہ ہستی جس نے عدم سے وجود دیا۔ وہ وجود کو مٹا کر پھر سے بنا دے تو اس کے لیے کیا مشکل ہے! لیکن بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہونے کا انکار انسان کے لیے مصیبت بن جاتا ہے۔ جس طرح بندہ جب چوری کرتا ہے، برائی کرتا ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ کبھی پولیس کو خبر نہ ہو، عدالت کا سامنا نہ کرنا پڑے اسی طرح جب لوگ برائی میں دھنس جاتے ہیں تو ان کی خواہش بن جاتی ہے کہ قیامت کی بات نہ ہو کیونکہ خطرہ ہوتا ہے کہ وہاں جائیں گے تو مارے جائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی کے انکار کر دینے سے قیامت کا آنا تو رکے گا نہیں۔

ہر ایک کو قیامت کا دن تو دیکھنا پڑے گا۔ یہ لوگ جب قیامت کا انکار کر بیٹھتے ہیں تو پھر کوئی رکاوٹ نہیں رہتی پھر برائی کے راستے پر دوڑتے چلے جاتے ہیں۔ کفر میں پھنس کر رہ جاتے ہیں۔

فرمایا: اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں تو (جس میں) دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیا ہوا۔ وہ ان سے قوت میں بھی بڑھے ہوئے تھے اور انہوں نے زمین کو جوتا اور جتنا انہوں نے اس کو آباد کر رکھا ہے اس سے زیادہ انہوں نے اس کو آباد کیا تھا اور ان کے پاس بھی ان کے پیغمبر نشانیاں (معجزات) لے کر آتے رہے تو اللہ ایسے نہ تھے کہ ان پر زیادتی کرتے بلکہ وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔

اللہ کریم کے کرم کی کوئی حد نہیں۔ دعوتِ فکر کے انداز بدل بدل کر موقع عطا فرماتے ہیں کہ لوگ عقل و شعور سے کام لیں اور ہدایت کو پالیں۔ اس آیۂ مبارکہ میں دعوت دی جا رہی ہے کہ زمین میں عبرت کے نشان دیکھو۔ متکبرین کے انجام سے عبرت حاصل کر لو کیونکہ زندگی کی یہ مہلت واپس دوبارہ نہیں ملے گی۔ فرمایا، کیا یہ روئے زمین پر سفر نہیں کرتے کہ دیکھتے ان کے پہلوں نے جو کفر کیا ان کا انجام کیا ہوا۔ بڑے بڑے دولت مند فرماں رواں، طاقتور حکمران، سونے اور جواہرات کے انبار رکھنے والے لوگوں کا کیا انجام ہوا جب انہوں نے کفر کیا۔

تاریخ میں ایک نام شداد کا ملتا ہے۔ علما نے اس سے کہا کہ اللہ کی اطاعت کرو تمہیں جنت ملے گی۔ اس نے کہا جنت میں کیا ہوگا؟ اسے بتایا گیا کہ جنت کی زمین مُشک و عنبر کی ہوگی جس میں سونے چاندی کے مکان ہوں گے۔ وہاں درختوں کے تنے اور شاخیں سونے چاندی کے ہوں گے ان پر ہیروں جواہرات کے پھول پھل لگیں گے۔ غرض جنت کی بہت سی نعمتوں کی تفصیل بتائی گئی تو اس نے کہا اس کے لیے قیامت کی کیا ضرورت ہے۔ یہ میں خود بنا سکتا ہوں۔ اور واقعی اس نے بنوائی۔ سونے چاندی کے مکان بنوائے۔ جنت کے نام پر بہت سی جگہ گھیر کر اس کی دیواریں بھی سونے چاندی کی بنوائیں۔ زر و جواہرات سے مزین باغ بنوائے۔ ہیروں کے باریک تراشوں سے گزرگاہیں بنوائیں غرض بہت خوبصورتی سے سجا لیا گیا۔ جب مکمل ہو گئی اور دیکھنے کے لیے گیا۔ گھوڑے پر بیٹھا ہوا تھا۔ دروازے سے اندر داخل ہونے لگا تو ملک الموت نے روح قبض کر لی۔ اللہ نے وہ جنت بھی غائب کر دی پھر کسی کو دیکھنے کو نہ ملی۔ کتابوں میں ملتا ہے کہ فلاں علاقے میں فلاں جگہ تھی لیکن کسی نے پھر دیکھی نہیں۔

تاریخ میں یہ واقعہ بھی ملتا ہے کہ اللہ کریم نے ملک الموت سے دریافت فرمایا کہ ساری خلقت کی روح قبض کرتے ہو کبھی تمہیں یہ خیال آیا کہ اس فرد کی روح قبض نہ کی ہوتی اسے مزید زندگی کی مہلت مل جاتی؟ انہوں نے عرض کی بارالٰہا! دو مرتبہ ایسا ہوا۔ ایک مرتبہ ایک جہاز طوفان میں پھنس کر تباہ ہو گیا تھا۔ ایک تختے پر حاملہ خاتون تھی اس نے وہاں ایک بچے کو جنم دیا۔ جب بچے کی ولادت ہو گئی تو مجھے حکم ہوا کہ اس عورت کی روح قبض کر لوں۔ میں اس وقت لرز گیا تھا لیکن تعمیلِ ارشاد کی۔ دوسرا موقع شدّاد کی موت کا تھا۔ اس نے ساری دولت لگا کر جنتِ ارضی بنائی اور مجھے حکم ہوا کہ دروازے پر اس کی روح قبض کر لوں۔ میں حیران ہوا کہ اسے ایک نظر دیکھ تو لینے دیتے۔ فرمایا، اے عزرائیل! یہ وہی بچہ تھا جو تختے پر رہ گیا تھا۔ ہم نے اسے پالا، شاہی محل میں پہنچایا، بادشاہ بنایا اور پھر وہ ہمارے مقابلہ پر آ گیا۔ لوگوں سے سجدے کرواتا تو ہم نے اس کا یہ علاج کیا کہ اس نے ملک کی دولت لوٹ کر جو جنت بنائی تھی اسے دیکھنے کی حسرت لیے اس دنیا سے اسے روانہ کر دیا گیا۔

اللہ کریم قادر ہیں۔ جب وہ تختے پر نومولود تھا تو اس کے لیے اسباب پیدا کیے۔ بچے کو تختے سے کنارے پر پھینک دیا۔ وہاں ہرنیاں آتیں اور اسے دودھ پلا جاتیں وہ ہرنیوں اور جانوروں میں پل کر بڑا ہوا۔ بہت تیز دوڑتا تھا۔ ایک مرتبہ بادشاہ شکار کے لیے وہاں جا پہنچا۔ اس نے اتنا تیز رفتار دوڑنے والا لڑکا دیکھا تو اپنے ساتھ لے آیا۔ اسے پالا۔ یوں وہ محل میں رہتے ہوئے بادشاہ کا مقرب بن گیا۔ رفتہ رفتہ حکومت اس کے ہاتھ میں آ گئی۔ جب بادشاہ بنا تو لوگوں کے لیے باعثِ تکلیف بن گیا۔ تکبر میں آ کر خدائی کا دعویٰ کر دیا۔ خود کو سجدے کرواتا۔ دولت چھین چھین کر جمع کی پھر جنتِ ارضی بنانے لگا۔ بے نیاز ربّ نے کہا جنت تو بن گئی ہے لیکن تُو اسے دیکھ نہیں سکتا۔

یہاں بیان کیا جا رہا ہے کہ صرف اسباب کو نہ دیکھو اس ہستی کو پہچانو جو اِن اسباب کے پیچھے ہے۔ دنیا میں چل پھر کر دیکھو کہ تم سے پہلے انکار کرنے والوں کا کیا حشر ہوا۔ وہ لوگ تم سے زیادہ طاقتور حکمران تھے۔ فرعون جیسا طاقتور اپنے تکبر کے باعث ہلاک ہوا۔ اسے سمندر میں غرق کر دینے میں کتنی دیر لگی؟ تم سے پہلے لوگوں نے بھی زمینوں میں کاشتکاری کی۔ اسے بہت استعمال کیا۔ اسے بڑا عرصہ آباد رکھا۔ شہر بنائے، حکومتیں، سلطنتیں چلائیں۔ ہم نے انہیں ہدایت کے سامان سے محروم نہیں رکھا۔ واضح دلائل دے کر اپنے رسول اور نبی علیہم السلام اُن کے پاس بھیجے۔ انہوں نے انکار کیا۔ ناشکری کی، کفر کیا۔ اللہ کریم کو تو یہ زیب ہی نہیں دیتا کہ ان پر زیادتی کرے۔ انہوں نے نافرمانیاں کر کے اپنے آپ پر خود ظلم کیا۔ پھر اُن کا

انجام دیکھو کیا ہوا؟ کس طرح تباہ ہوئے، دنیا سے کس طرح ذلیل ورسوا ہو کر گئے۔ یہیں پر بات ختم ہو جاتی تو بھی کوئی بات تھی لیکن ان کے کفر کے باعث آخرت کی رسوائی گلے پڑ گئی۔ جیسے فرعونیوں کے بارے قرآنِ حکیم میں آتا ہے فَاُدْخِلُوْا نَارًا۔۔۔(نوح:25) غرق تو پانی میں ہوئے پہنچ آگ میں گئے۔ پانی میں غرق ہو کر مرے۔ برزخ میں قدم رکھا تو آگے آگ ہی آگ تھی۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا۔۔۔(المومن:46) صبح وشام ان پر تازہ آگ بھیجی جاتی ہے۔ آخرت کے دن انہیں بہت بڑا عذاب ہوگا۔ ارشادِ ربانی ہے: يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ۔۔۔(ھود:98) اس دن فرعون قوم کے آگے آگے ہوگا۔ اس سے توقعات رکھنے والے پیروکار ساتھ ہوں گے۔ ان کو لے کر سیدھا جہنم میں جا اترے گا۔

انجام کردار کے مطابق ہوگا:

فرمایا: ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۰﴾ پھر ایسے لوگوں کا انجام جو برائی کرتے تھے بُرا ہی ہوا اس لیے کہ اللہ کی نشانیوں کو جھٹلاتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے۔

دیکھ لو ان کا انجام ان کے کردار کے مطابق ہوا۔ یہ دنیا میں بُرا کرتے تھے ان کو بُرا انجام دیکھنا پڑا۔ یہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے۔ یہ انکار ان کو ہدایت سے دور لے گیا اور انجامِ بد کو پہنچے۔ یہ صرف انکار ہی نہیں کرتے تھے دین داروں کے حلیے سے اعمال تک کا مذاق اڑاتے تھے تو دیکھو ایسے لوگوں کا انجام کتنا دردناک ہوا اور اپنے کردار کے نتیجے کو پہنچ گئے۔

سورۃ الروم رکوع 2 آیات 11 تا 19

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾

اللہ مخلوق کو پہلی بار بھی پیدا فرماتے ہیں پھر وہی اس کو دوبارہ پیدا فرمائیں گے پھر تم ان کے پاس لائے جاؤ گے ﴿۱۱﴾ اور جس دن قیامت برپا ہوگی گناہگار ناامید ہو جائیں گے ﴿۱۲﴾ اور ان کے (بنائے ہوئے) شریکوں میں سے کوئی ان کا سفارشی نہ ہوگا اور یہ لوگ اپنے شریکوں سے منکر ہو جائیں گے ﴿۱۳﴾ اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز سب آدمی جُدا جُدا ہو جائیں گے ﴿۱۴﴾ تو جو لوگ ایمان لائے تھے اور نیک کام کرتے رہے تھے وہ لوگ تو باغ میں مسرور ہوں گے ﴿۱۵﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا تھا اور ہماری آیتوں کو اور آخرت کے آنے کو جھٹلایا تھا تو وہی لوگ عذاب میں ڈالے جائیں گے ﴿۱۶﴾ جب تم شام کرتے ہو اور جب صبح کرتے ہو تو اللہ کی پاکی بیان کیا کرو ﴿۱۷﴾ اور اسی کی حمد ہوتی ہے تمام آسمانوں اور

زمین میں اور بعد زوال کے اور ظہر کے وقت ﴿۱۸﴾ وہ جاندار کو بے جان سے باہر لاتے ہیں اور بے جان کو جان دار سے باہر لاتے ہیں اور زمین کو اس کے مُردہ ہونے کے بعد زندہ فرماتے ہیں اور اسی طرح تم لوگ (بھی) نکالے جاؤ گے ﴿۱۹﴾

تفسیر و معارف

خالق صرف اللہ ہے:

فرمایا: اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ⑪ اللہ مخلوق کو پہلی بار بھی پیدا فرماتے ہیں پھر وہی اس کو دوبارہ پیدا فرمائیں گے پھر تم ان کے پاس لائے جاؤ گے۔ اللہ کریم کے لیے کسی شَے کا ہونا ضروری نہیں کہ کچھ ہو جس سے وہ تخلیق کرے۔ وہ ابتدا سے تخلیق کرتا ہے۔ پہلی بار عدم سے وجود عطا فرماتا ہے۔ کچھ نہیں تھا تو اس نے کائنات پیدا فرمادی اور ہر چیز کو عدم سے وجود بخشا۔ وہ ایسا قادر ہے کہ جب کچھ نہیں تھا تو اس نے اتنی وسیع کائنات بنادی۔ وہ اسے فنا کرے گا اور دوبارہ پیدا کرے گا۔ اس کے لیے دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے! مشرکین کو یہی اعتراض تھا کہ مرنے کے بعد وجود خاک میں مل جاتا ہے۔ جب وجود مٹ گیا۔ کوئی پانی میں ڈوب گیا، مچھلیاں کھا گئیں۔ ذرات بکھر گئے تو پھر یہ سارے اکٹھے کیسے ہوں گے؟

فرمایا، اللہ نے عدم سے مادّے کو پیدا کیا۔ مادّہ کیا ہے؟ بے شمار چھوٹے چھوٹے (Cells) خلیات کا مجموعہ ہے۔ ہر شَے خلیات کی ترتیب بدلنے سے بنتی ہے۔ وہی (Cells) خلیات ایک ترتیب سے جڑتے ہیں تو ایک شَے بن جاتی ہے۔ دوسری ترتیب سے جُڑیں تو ایک اور چیز بن جاتی ہے۔ ترتیب کے بدلنے سے کہیں سبزہ اُگتا ہے۔ ترتیب بدل دینے سے جڑیں بن جاتی ہیں، ترتیب میں تبدیلی فرمادے تو تنا بن جاتا ہے۔ اسی طرح پتے، پھول بنتے ہیں۔ چارہ اُگتا ہے۔ اسے جانور چرتا ہے۔ اس سے دودھ بنتا ہے۔ اس کا گوشت بھی انسان کی غذا بنتا ہے۔ ترتیب کے بدلنے سے کہیں سبزیاں، اناج اُگتے ہیں، کہیں پھل لگتے ہیں۔ پھر اس قادرِ مطلق نے یہ بھی طے کر رکھا ہے کہ کون سا (Cell) خلیہ کس کے وجود کا حصّہ بنے گا۔ وہ (Cell) مختلف مراحل سے گزرتا ہوا اُسی وجود کا حصّہ بنتا ہے جس کا اللہ نے مقرر فرمایا ہے۔ (Cell) سے وجود بنانے تک کے ان مراحل کو کوئی شمار نہیں کر سکتا تو جس نے اس قدر باریک بینی سے ایک ایک (Cell) خلیہ کو چلا کر اس وجود تک پہنچایا تو جب وہ اس وجود کو فنا کر کے دوبارہ بنائے گا تو کیا مشکل ہوگا! مرنے کے بعد تو وجود مادّے کی کسی نہ کسی شکل میں ہوتا ہے۔ جب

اوّل مرتبہ تمہیں بنایا تھا تو مادّہ تھا ہی نہیں۔ اس نے عدم سے بنایا تھا۔ پھر اس مادّے کو یکدم انسان نہیں بنا دیا۔ مختلف مراحل سے ایک خاص طریقۂ کار کے مطابق پروان چڑھایا۔ ایک فرد کے اجزاء روئے زمین کی اتنی جگہوں سے اکٹھے کیے کہ مر کر وہ اتنی جگہوں تک نہیں پھیلتا۔

اس ساری کاوش کا ایک نتیجہ ہے۔ اس نے عدم سے وجود بخشا۔ پھر وہ اسے واپس لوٹائے گا۔ پھر یہ وجود مٹ کر بنے گا پھر تمہیں اس کی بارگاہ میں حاضر کیا جائے گا۔ اس کام کے لیے وجودِ انسانی بنا۔ اسے روح بخشی گئی۔ اسے مکلّف بنایا۔ پھر اسے اپنا مخاطب بنایا تا کہ وہ فلاح پا جائے۔

موت تمہیں اتنا منتشر نہیں کرتی لہٰذا تمہیں دوبارہ جی اٹھنا ہوگا۔ اس کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہوگا۔ اس لیے کہ اگر یہ عالم بے نتیجہ ہو تو یہ اللہ کی شان کے خلاف ہے۔ تم مخلوق ہو کر کوئی بے فائدہ کام نہیں کرتے۔ ہر کام کسی فائدے کے لیے ہی کرتے ہو۔ کچھ نتیجہ حاصل کرنے کے لیے کرتے ہو تو اللہ کریم نے اتنی عظیم کارگاہِ حیات جو بنائی ہے کیسے ممکن ہے کہ اس کا کوئی نتیجہ نہ ہو۔ اس کا نتیجہ ہوگا۔ موت کے بعد تم دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے۔ اس کی بارگاہ میں حاضر کیے جاؤ گے۔ اس دن کیا ہوگا؟ اگلی آیت کے ایک جملے میں وہ ساری حکایتِ بیان کر دی جو بڑی طویل ہے۔ فرمایا:

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۲﴾ اور جس دن قیامت برپا ہوگی۔ گناہگار نا اُمید ہو جائیں گے۔

نا اُمیدی سب سے بڑا عذاب ہے:

جس دن قیامت برپا ہوگی اللہ کے نافرمان اور مجرم نا اُمید ہو جائیں گے۔ نا اُمیدی سب سے بڑی تکلیف دہ چیز ہے۔ اور اللہ کا یہ سب سے بڑا عذاب ہے۔ انسان بیمار ہوتا ہے تو مرتے دم تک اُمید لگائے رکھتے ہیں کہ کسی نہ کسی دوائی سے ٹھیک ہو جائے گا۔ سزائے موت سنا دی جائے تو پھانسی لگنے تک اُمید رہتی ہے کہ کسی نہ کسی جگہ کی اپیل کامیاب ہو جائے گی۔ نا اُمیدی تو بالکل توڑ کے رکھ دیتی ہے۔ یہ بات اُن سے پوچھیں جنہیں بتا دیا جاتا ہے کہ ایک دو دن میں انہیں پھانسی دے دی جائے گی۔ نا اُمیدی کی یہ کیفیت کیا ہوتی ہے؟ اس بندے پر کیا بیتتی ہے جب وہ نا اُمید ہو جاتا ہے۔

اس ضمن میں ایک واقعہ یاد آتا ہے۔ ایک مرتبہ کسی صحافی نے ایک جیلر سے درخواست کی کہ اسے کسی ایسے قیدی کے ساتھ رکھا جائے جسے ایک آدھا دن میں پھانسی ہو جانے والی ہو کیونکہ وہ صحافی بندے کی اس حالت کی کیفیات قلمبند کرنا چاہتا تھا۔ جیلر کی اجازت سے وہ ایک ایسے قیدی کی کوٹھری میں بھیج دیا گیا جسے اگلے دن پھانسی ہونا تھی۔ جیلر صاحبِ ذوق آدمی تھا۔ اُس نے سوچا بیت تو قیدی پر رہی ہے۔ یہ صحافی اس کی حالت کو کیا محسوس کر سکے گا۔

اس نے ایک ترکیب لڑائی اور سپاہی کو سمجھا کر اس کوٹھری میں بھیج دیا۔ سپاہی نے پکارا کہ تم دونوں میں سے وہ کون ہے جسے صبح پھانسی لگنا ہے۔ قیدی نے جواب دیا کہ اُسے پھانسی لگنی ہے۔ اس پر سپاہی نے صحافی کو پکڑا اور یہ کہہ کر پھانسی کی دوسری کوٹھری میں بند کر دیا کہ تم ہی دراصل وہ قیدی ہو جسے پھانسی لگنا ہے۔ تم مجھے دھوکہ دے رہے ہو لہٰذا یہاں رہو۔ صبح تمہیں پھانسی لگائیں گے۔ تم نے تلاوت کرنی ہے، نمازیں پڑھنی ہیں تو پڑھ لو۔ صحافی نے بہت شور کیا کہ جیلر سے پوچھ لو لیکن سپاہی نے ایک نہ مانی۔ کہا کہ ڈیوٹی میری ہے۔ جیلر جا چکا ہے۔ تم محض نام بدل کر اپنے انجام سے بچنا چاہتے ہو۔ ساری رات وہ صحافی تڑپتا رہا۔ صبح پہلے قیدی کو پھانسی دی گئی پھر اس کے پاس آئے۔ پوچھا تیاری کر لی ہے؟ اب چلو! اسے تختۂ دار پہ لے گئے۔ بازو باندھے۔ آنکھوں پر ٹوپی پہنائی۔ گلے میں رسّہ ڈالا۔ وہ لرز رہا تھا۔ پھر انہوں نے اسے آزاد کر دیا اور کہا کہ اب جا کر لکھو کہ ایک نا اُمید شخص کی کیا کیفیت ہوتی ہے! اب تمہیں پتا چلا کہ کیا حال ہوتا ہے؟ دوسرے پر بیت رہی ہوتی تو تمہیں کیا پتا چلتا؟

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ جب قیامت قائم ہوگی تو اللہ کے مجرم نا اُمید ہو جائیں گے۔ انہیں کوئی توقع نہیں رہے گی کیونکہ حصولِ رحمت کی ان میں اہلیت ہی نہیں ہوگی۔ ان کے لیے کوئی سفارشی ہوگا نہ مدد کرنے والا۔ یہاں مراد کفار و مشرکین ہیں۔

یہ اللہ کریم کا شکر ہے کہ ایمان اگر کسی میں کم ہو لیکن ہو سہی تو وہ نا اُمید نہیں ہوگا۔ مسلمان کے لیے نا اُمیدی نہیں ہے، دین ہو۔ کمزور ہو۔ رائی کے برابر بھی ایمان ہو لیکن دین سے امیدیں وابستہ رہیں۔ نا اُمیدی کا عذاب صرف کفار کے لیے ہے۔ مشرکین کے لیے ہے۔

ہمیں اس دنیا میں دین کی قدر نہیں آتی۔ 'دنیا' قریب کی چیز کو کہتے ہیں۔ دنیا ہمارے سامنے ہے اور مادّی ہے۔ ہمارا وجود مادّی ہے۔ اعضا و جوارح اور عقل مادّی ہے دماغ انہی لذتوں میں مزید اضافہ تلاش کرتا رہتا ہے اور ہم اسے زیادہ ضروری سمجھتے ہیں اور دین کو ثانوی حیثیت دیتے ہیں۔ طبیعت خراب ہو جائے تو کھانا پینا، سونا نہیں چھوٹتا نماز چھوٹ جاتی ہے۔ یعنی دین دوسرے درجے میں اور دنیا پہلے درجے میں آ جاتی ہے۔ بڑے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو دین کو اوّلیت دیتے ہیں۔ دنیا کے کام اس طرح کرتے ہیں کہ دین میں کمی نہ آئے۔ دین بچانا ان کی ترجیح ہے خواہ اس کے لیے فی الوقت دنیا کا نقصان ہی سہنا پڑ جائے۔ اس کے باوجود کمزور ایمان بھی کفر و شرک پر خاتمے سے بے پناہ درجہ بہتر ہے۔ اگلی آیۂ مبارکہ میں وضاحت ہو رہی ہے کہ وہ مجرم کون ہیں جو نا اُمید ہو جائیں گے۔

فرمایا: وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ اور ان کے (بنائے ہوئے) شریکوں میں سے کوئی ان کا سفارشی نہ ہوگا اور یہ لوگ اپنے شریکوں سے منکر ہو جائیں گے۔

یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے دنیا میں اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ سے اُمیدیں باندھی تھیں۔ جو اللہ کی عظمت کا انکار کر کے اپنے باطل معبودوں سے تعلق وابستہ کیے ہوئے تھے۔ آخرت میں ان لوگوں پر یہ مصیبت وارد ہوگی کہ جنہیں یہ اللہ کا شریک سمجھ کر ساری زندگی ان سے اُمیدیں وابستہ کیے ہوئے تھے اور ان کی رضا میں کوشاں رہے تھے، جنہیں یہ سجدے کرتے اور ان پر دولت نچھاور کرتے رہے تھے وہ اب ان کے کسی کام نہ آئیں گے۔ بلکہ ان سے کہہ دیں گے کہ وہ تو خود اللہ کی مخلوق ہیں۔ اس کے سامنے بے بس ہیں۔ تو اس وقت کفار و مشرکین سخت نا اُمید ہوں گے اور اپنے باطل معبودوں کا خود ہی انکار کر دیں گے لیکن اس انکار کا اب کیا فائدہ؟ انکار تو وہ قبول ہے جو دارِ دنیا میں ہوتا۔ دارِ دنیا میں عظمتِ الٰہی کا اقرار ہوتا اور غیر اللہ سے نا اُمیدی ہو اور تعلق منقطع کیا گیا ہوتا۔

قیامت قائم ہوگی تو لوگوں کو الگ الگ کر دے گی:

فرمایا: وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾ اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز سب آدمی جدا جدا ہو جائیں گے یعنی جب قیامت قائم ہوئی تو لوگوں کو الگ الگ کر دے گی۔ مشرکین الگ ہوں گے۔ کفار الگ ہوں گے۔ مومنین الگ ہوں گے۔ ہر نبیؑ کی امت الگ ہوگی۔ صحابہؓ کا اپنا مقام ہوگا۔ تابعین، تبع تابعین علیٰ حفظِ مراتب صدیقین، شہدا، صالحین، علمائے حق پھر عوام الناس درجہ بدرجہ ہر کوئی الگ ہوگا۔ يَّتَفَرَّقُوْنَ۔۔۔ الگ الگ درجوں میں اپنے اپنے حال میں تقسیم ہو جائیں گے۔

یہاں ایک حدیث پاک کا حوالہ بہت مناسب ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ عالی ہے: مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ اَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مشکوٰۃ) یعنی جو شخص جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا۔ حلیہ، لباس، بود و باش میں جس قوم کی مشابہت اختیار کر لے گا تو جس روز لوگ متفرق ہو رہے ہوں گے تو وہ اسی قوم کے گروہ میں کھڑا ہوگا لہٰذا یہ بہت ضروری ہے کہ قوموں کے جو مذہبی شعار ہیں جن سے وہ قومیں پہچانی جاتی ہیں ان سے بچا جائے۔ جیسے ہندوؤں کا مخصوص لباس یا ماتھے پر لگایا گیا سرخ نشان۔ جیسے سکھوں کی طرح کے بال۔ اسی طرح مختلف قوموں کے وہ شعار وہ علامات جن سے وہ پہچانی جائیں۔ جیسے یہودی اور عیسائی اپنے اپنے شعار سے پہچانے جاتے ہیں۔

اسلام خود ایک تہذیب ہے۔ جامع، مکمل اور اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہے۔ اسلام کا اپنا کلچر ہے۔ اپنا مزاج ہے۔ جس طرح ایمان اور فرائض و واجبات ضروری ہیں اسی طرح یہ بھی اتنا ہی ضروری ہے کہ ہم اپنی تہذیب پر قائم

رہیں۔ابن خلدونؒ نے اپنی تصنیف ''مقدمہ'' میں لکھا ہے کہ جس قوم کی تہذیب اپنالی جائے اس کی بہت سی برائیاں اس تہذیب کے ساتھ دَر آتی ہیں اور بڑی آسانی سے بندہ انہیں قبول کر لیتا ہے۔چھوٹی چھوٹی برائیاں جب قبول کر لیتا ہے تو وہ بڑی برائیوں کو لانے کا سبب بن جاتی ہیں۔

ہمارے ہاں انگریز کے جانے کے بعد ہم اُن سے اتنے مرعوب ہیں کہ ہمارے درمیان ان کی تہذیب باقی ہے۔ہم اس کلچر کو پسند کرتے ہیں۔جس طرح اہل مغرب کی ہر بات عورت سے شروع ہو کر عورت پر ختم ہوتی ہے ویسے ہی ہمارے میڈیا پر ہر اشتہار میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ہم ایسا کیوں کرتے ہیں؟اس لیے کہ ہم اہلِ مغرب کے کلچر کو پسند کرتے ہیں۔

فرمایا: فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمۡ فِیۡ رَوۡضَةٍ یُّحۡبَرُوۡنَ ﴿۱۵﴾ تو جو لوگ ایمان لائے تھے اور نیک کام کرتے رہے تھے وہ لوگ تو باغ میں مسرور ہوں گے۔یعنی ایک طرف اللہ کے ایمان والے بندے ہوں گے جو اللہ کی جنت میں خوش ہوں گے۔اسی آیۂ مبارکہ میں ایمان والوں کی شناخت بھی بتا دی گئی کہ وہ جو ایمان لائے اور اعمالِ صالح کرتے رہے۔ہر نبیؑ پر ایمان لانے والے۔ اپنے نبیؑ کے لائے ہوئے دین پر عمل کرنے والے لوگ۔اور نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنے والے لوگ۔ایسے لوگ اللہ کے بے مثال، بے حد خوبصورت باغوں میں موجیں کر رہے ہوں گے۔ہنس کھیل رہے ہوں گے۔خوش ہو رہے ہوں گے۔وہ زندگی کی ساری تکلیفیں بھول جائیں گے کہ زندگی کے کن راستوں سے گزرے تھے۔بیماری، تنگی، تکلیفیں سب بھول جائیں گے کیونکہ جہاں پہنچ جائیں گے وہاں موج ہی موج ہوگی۔

وَاَمَّا الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا وَكَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَلِقَآىِٕ الۡاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِی الۡعَذَابِ مُحۡضَرُوۡنَ ﴿۱۶﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا تھا اور ہماری آیتوں کو اور آخرت کے آنے کو جھٹلایا تھا تو وہی لوگ عذاب میں ڈالے جائیں گے۔

جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا۔ان کے بارے یہی گمان کرتے رہے کہ مر کر مٹی ہو جانے کے بعد کیسے زندہ ہو سکتے ہیں۔تکذیب ہی کرتے رہے۔اللہ کی بارگاہ میں حاضری سے انکار کیا۔انہوں نے انکار کا راستہ اپنایا۔اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائے نہ اللہ کی بات مانی محض اپنی رائے اور مرضی پر زندگی گزار دی۔ ایسے سارے لوگ عذاب میں ڈالے جائیں گے۔

اتنی حسین دنیا ہے۔اس کی لذات پُرکشش ہیں۔گناہ اور اس کی رغبتیں ہیں۔ہم کمزور لوگ ہیں۔ غیب پر ایمان لانا مشکل کام ہے۔آخرت جس کو چھُوا نہیں جا سکتا دیکھا نہیں جا سکتا اس پر کیسے یقین آئے؟

اس کے لیے اللہ کی طرف سے بس ایک ہی دلیل ہے کہ اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ نے جو فرمادیا جو بتادیا وہی حق ہے اس پر اعتبار کرلو۔ یا اللہ! ایک ہستی کے ارشاد پر پوری زندگی کیسے ڈھال لیں، یہ اتنا آسان کام تو نہیں! دوسری طرف دعوتِ گناہ دینے والی بے شمار چیزیں ہیں۔ دولت ہے، لذات ہیں، عیش وعشرت ہے، عہدے اور مراتب ہیں تو کیا کریں؟

فرمایا: فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ﴿۱۷﴾ جب تم شام کرتے ہو اور جب صبح کرتے ہو تو اللہ کی پاکی بیان کیا کرو۔

اللہ کے بندوں کے سارے مسئلے حل ہو گئے کہ دنیا کی ناجائز رغبتوں سے کیسے بچیں، آخرت پر یقین کیسے مضبوط کریں؟ فرمایا تم اس کے لیے اللہ کی پاکی بیان کرتے رہو۔ اللہ کو یاد کرتے رہو۔ اللہ کا ذکر کرتے رہو۔ دن کے آخر میں بھی یادِ الٰہی میں مشغول رہو اور دن کو شروع بھی اللہ کی یاد سے کرو۔ تم دنیا میں اللہ کو دیکھ نہیں سکتے تو اللہ کی یاد دل میں بسالو۔ عربی میں صبح وشام کہہ کر مراد یہ ہوتی ہے کہ دن رات کا کوئی لمحہ یادِ الٰہی سے خالی نہ جائے۔ صبح وشام کا جو محاورہ عربی کا ہے اسے انگریزی میں Round the clock کہتے ہیں۔ یہ تمہارے پاس قربِ الٰہی کو لذاتِ دنیا پر ترجیح دینے کے لیے بہترین ذریعہ ہے۔ جب تمہارا کوئی لمحہ یادِ الٰہی سے خالی نہ جائے گا تو تمہارا اللہ کریم سے تعلق بڑھے گا۔ تمہارا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اعتماد مضبوط ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتماد، اللہ پر یقین، کتاب اللہ پر عمل، یہ ساری چیزیں محتاج ہیں اس بات کی کہ تم اللہ کو ہر وقت یاد کرتے رہو۔ جب تم اللہ کو ہر وقت یاد کرتے رہو گے، یادِ الٰہی، ذکر کثیر کرتے رہو گے تو تمہارے دل میں ایک کیفیت پیدا ہو جائے گی۔ ایک کیف آجائے گا۔ جن چیزوں کو تم ظاہری نگاہوں سے نہیں دیکھ رہے تم ان کو یقین کی آنکھ سے دیکھ رہے ہو گے۔

نہیں دیکھتا ہوں مگر دیکھتا ہوں۔

یعنی ان نگاہوں سے نظر کچھ نہیں آتا لیکن یقین اس درجے کو پہنچ گیا ہے کہ بندہ کہتا ہے نگاہ تو دھوکا کھا سکتی ہے میرا یقین دھوکا نہیں کھا سکتا؟ ذکرِ الٰہی ہی وہ نسخہ ہے جس سے دل یقین پالیتا ہے اور ہمہ وقت اللہ سے تعلق کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ ذکر کا حکم دے کر فرمایا: وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ﴿۱۸﴾ اور اسی کی حمد ہوتی ہے تمام آسمانوں اور زمین میں اور بعد زوال کے اور ظہر کے وقت۔

تُم ہی کیا! کائنات کا ذرہ ذرہ اسی کی تعریف کر رہا ہے۔ انسان کو تو اس نے ایک خاص وقت تک اختیار دے دیا ہے۔ اگر وہ ذکرِ الٰہی کو بھول جائے، اپنے ربّ سے تعلق نہ جوڑے تو اس کی روح کی موت ہو جاتی ہے

اگرچہ اس کا بدن زندہ پھرتا رہتا ہے۔ انسان کے علاوہ کائنات کا ہر ذرہ، تمام تخلیقات میں سے جو ذکر چھوڑ دے وہ فنا ہو جاتا ہے۔ ان کی بقا کا مدار ذکرِ الٰہی پر ہے۔ قرآنِ حکیم میں دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ۔۔۔(بنی اسرائیل: 44) کائنات میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اللہ کا ذکر نہ کر رہی ہو۔ یعنی جب کوئی شَے ذکر چھوڑ دے تو وہ شَے ہوتی ہی نہیں ختم ہو جاتی ہے فنا ہو جاتی ہے۔ دریاؤں سے ذکر چھوٹ جائے تو خشک ہو جاتے ہیں۔ پہاڑوں سے ذکر چھوٹ جائے تو گر کر چُور ہو جاتے ہیں۔ درختوں سے ذکر چھوٹ جائے تو باغ سے اکھیڑ کر چولہے کا ایندھن بنا دیے جاتے ہیں۔ ہر شَے اسی کی پاکی بیان کرتی ہے۔

اس آیۂ مبارکہ سے ذکرِ الٰہی کی تمام صورتیں مراد ہیں۔ صلوٰۃ کے اوقات، تسبیحات، تلاوت اور دیگر۔ بعض حضرات نے یہاں سے نماز کے اوقات ہی مراد لیے ہیں لیکن نماز بھی تو صورت ذکرِ الٰہی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (طٰہٰ: 14) نماز قائم کرو میری یاد کے لیے، میرے ذکر کے لیے۔ سورۃ العنکبوت کی آیۂ مبارکہ میں ذکرِ الٰہی کی ساری صورتیں بیان ہوئیں۔ ذکرِ لسانی، تلاوت، زبانی، تسبیحات، درود شریف۔ جتنے اذکار لسانی یعنی زبانی ہیں ان کی انتہا ہے، تلاوتِ قرآنِ حکیم۔ ہر عمل جو شریعت کے مطابق کیا جائے وہ عملی ذکر ہے۔ عملی میدان میں کمانے، خرچ کرنے، میل جول سب میں اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو تو یہ عملی ذکر ہے۔ سب دُنیوی کام عبادت بن جاتے ہیں۔ ذکرِ الٰہی بن جاتے ہیں۔ قرآن نے جب اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ کا حکم ارشاد فرمایا کہ اللہ نے جو کتاب نازل فرمائی ہے اس کی تلاوت کریں تو انتہائے ذکرِ لسانی ہو گیا۔ جب فرمایا: وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ۔۔۔ تو عملی ذکر کی انتہا ہو گئی۔ پھر فرمایا: وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ۔۔۔ اور اللہ کا ذکر اکبر ہے۔ بہت بڑا ہے۔ ذکرِ لسانی بھی اپنے کمال کو پہنچا، ذکرِ عملی بھی اپنی انتہا کو پا گیا پھر علیحدہ سے ذکرِ اکبر فرمایا۔ اس لیے کہ ذکرِ قلبی ہی ہر عبادت کی روح ہے۔ اسی لیے صحابہ کرامؓ کے بارے فرمایا گیا: ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُھُمْ وَقُلُوْبُھُمْ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ۔۔۔ (الزمر: 23) ان کی کھال سے لے کر نہاں خانۂ دل تک وجود کا ذرہ ذرہ ذاکر ہو گیا۔ اس آیۂ مبارکہ میں وہ ذریعہ بتا دیا گیا ہے جو اس دنیا میں رہتے بستے ہوئے صراطِ مستقیم پر گامزن رکھتا ہے کہ اس کی پاکی بیان کرو، صبح و شام کو اس لیے کہ کائنات میں ارض و سما میں اسی کی حمد ہے۔ اسی کی تعریف ہے۔

اور وہ ایسا قادر ہے: وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَیُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا ؕ وَکَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾ وہ جاندار کو بے جان سے باہر لاتے ہیں اور بے جان کو جاندار سے باہر لاتے ہیں اور زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ فرماتے ہیں اور اسی طرح تم لوگ (بھی) نکالے جاؤ گے۔

انسانوں کا وجود خلیات (Cells) پر قائم ہے۔ یہ کہاں سے آئے؟ یہ بے جان مادّے سے بنا دیے گئے۔ ہر (Cell) خلیہ میں حیات ہے۔ اور ہر ایک کی موت بھی ہوتی ہے۔ اللہ وہ ذات ہے جو مردہ سے یعنی بے جان مادّے سے زندگی پیدا کر دیتا ہے اور زندگی سے بھرپور بدن سے میّت نکال دیتا ہے۔ بے جان کو حیات بخش دیتا ہے اور حیات مند کو بے جان کر دیتا ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ دھوپ پڑتی ہے۔ اس کی تپش سے زمین آگ کی طرح گرم ہو جاتی ہے۔ خشک سالی آ جاتی ہے۔ سبزہ خاک بن کر اڑ جاتا ہے۔ پھر اسے کس طرح زندگی عطا کرتا ہے؟ اس مردہ زمین پر بارش برساتا ہے اور ذرے ذرے سے حیات پھوٹ نکلتی ہے۔ پہاڑ اور وادیاں سبزے کی مخملیں چادر اوڑھ لیتے ہیں۔ جس طرح جلی ہوئی گھاس کے لاکھوں پتے، تنکے خاک میں مل چکے ہوتے ہیں۔ درختوں کے کروڑوں پتے جھڑ کر خاک ہو چکے ہوتے ہیں پھر اسی مردہ زمین سے سبزہ پھوٹ آتا ہے اور پہلے سے زیادہ پتّے درختوں پر اُگ کر گھنی چھاؤں بنا دیتے ہیں اسی طرح اللہ کریم تمہیں مٹی سے نکال کھڑا کرے گا۔ یہ جو تمہارے سامنے موت و حیات کا منظر ہمہ وقت جاری ہے کہ چیزیں بن رہی ہیں اور مٹ رہی ہیں تم بھی اسی طرح مٹو گے پھر بنا دیے جاؤ گے۔

وَ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾ اسی طرح وہ تمہیں بھی کھڑا کر دے گا۔

سورۃ الروم رکوع 3 آیات 20 تا 27

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ ۖ اِذَاۤ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تم کو مٹی سے پیدا فرمایا پھر اب تم انسان ہو کر جا بجا پھیل رہے ہو ﴿۲۰﴾ اور اس کی نشانیوں (تصرفات) میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس میں سے بیبیاں پیدا فرمائیں تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تمہارے (میاں بیوی کے) درمیان محبت اور ہمدردی پیدا

فرمائی۔ جو لوگ غور و فکر کرتے ہیں یقیناً ان کے لیے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں ﴿۲۱﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا فرمانا ہے اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا الگ الگ ہونا ہے۔ بے شک اس میں دانشمندوں کے لیے (بہت سی) نشانیاں ہیں ﴿۲۲﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے تمہارا رات اور دن میں سونا، لیٹنا ہے اور اس کے فضل (روزی) کا تلاش کرنا۔ بے شک اس میں سننے والوں کے لیے نشانیاں ہیں ﴿۲۳﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تم کو بجلی دکھاتے ہیں جس میں ڈر بھی ہوتا ہے اور امید بھی اور وہی آسمان سے پانی برساتے ہیں پھر اس سے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کر دیتے ہیں۔ یقیناً اس میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں ﴿۲۴﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔ پھر جب وہ تم کو زمین میں سے (نکلنے کے لیے) آواز دیں گے تو تم جھٹ سے نکل پڑو گے ﴿۲۵﴾ اور جتنے آسمان اور زمین میں موجود ہیں، سب اُسی کے تابع ہیں ﴿۲۶﴾ اور وہی ہے جو خلق کو اول بار پیدا فرماتا ہے پھر وہی اُسے دوبارہ پیدا فرمائے گا اور وہ اُس کے لیے زیادہ آسان ہے۔ اور آسمانوں اور زمین میں اُسی کی شان اعلیٰ ہے اور وہ غالب، حکمت والا ہے ﴿۲۷﴾

تفسیر و معارف

اللہ کی عظمت کی نشانیاں:

فرمایا: وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تم کو مٹی سے پیدا فرمایا پھر اب تم انسان ہو کر جا بجا پھیل رہے ہو۔ انسان کو بلاشبہ بے جان مٹی سے پیدا کیا لیکن کتنے طویل پراسیس (Process) اور کتنی لمبی ترتیب سے گزارا۔ مٹی سے (Cell) خلیے بنے۔ پھر یہ مختلف صورتوں میں ڈھل کر منڈیوں، بازاروں سے ہوتے ہوئے ہر اس بندے تک پہنچے جس کے جسم کا حصہ بننا ان کا مقدر تھا۔ انسان نے غذا کھائی تو اس کے اپنے حصے کے (Cell) سیل اس کے بدن کا حصہ بن گئے۔

اولاد کے اس کی صلب میں محفوظ ہو گئے۔ان سیلوں سے ہی قطرے بنے۔ایک قطرہ رحمِ مادر میں پہنچا اور بچے کی تخلیق کا عمل جاری ہوا۔جو سیل بچے کے وجود کا حصہ بننے تھے وہ تقسیم ہو کر اُدھر چلے گئے اور جو والدہ کے حصّے کے تھے وہ اُدھر پہنچ گئے۔کون یہ تقسیم کر رہا ہے؟ پھر تمہیں کڑیل جوان بنا دیا۔طاقت ور، علم والے، قابل اور ماہر بن کر تم دنیا میں پھیل رہے ہو!

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ اور اس کی نشانیوں (تصرفات) میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس میں سے بیبیاں پیدا فرمائیں تا کہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تمہارے (میاں بیوی) کے درمیان محبت اور ہمدردی پیدا فرمائی۔

اللہ کریم نے اپنی نشانیوں میں سے ایک اس نشانی کا ذکر فرمایا کہ ہم نے تمہاری جنس سے ہی تمہارا جوڑا پیدا کیا۔یہ اس کی عظمت کی دلیل ہے کہ وہ چاہے تو لڑکا پیدا کر دے، چاہے تو لڑکی پیدا کر دے۔ایک ہی طریقہ ہے۔ لڑکوں کے لیے الگ اور لڑکیوں کے لیے الگ نہیں ہے۔معلوم ہوا کہ بیٹیاں بیٹوں کی طرح ہی لائقِ محبت ہیں اور خواتین عالمِ بشریت کا ہی حصّہ ہیں۔

بیوی، سکون کا سبب:

خواتین کو اللہ نے مردوں کے لیے سکون کا سبب بنایا ہے۔فرمایا: لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا ۔۔۔تا کہ تمہیں سکون ملے۔تم نے عالمِ بشریت میں زندگی گزارنی ہے تمہیں گھر میں سکون چاہیے جس کا سبب خاتونِ خانہ کو بنایا تا کہ وہ تمہارے آرام و سکون کا سبب بن جائے۔جب کوئی خاتون اللہ کے نام پر کسی پر حلال کی جاتی ہے تو شریعت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مرد اس کے نان و نفقہ، اس کی ضروریات کا ذمہ دار ہو۔اس کی حفاظت کرے۔

عورت کے ذمہ ہے کہ وہ مرد کے ہر طرح کے آرام کا خیال رکھے۔وہ اِس کے بھروسے پر پُرسکون ہو اور وہ اُس کے بھروسے اور کردار پر پُرسکون ہو۔اور اسی نے مرد و عورت کے درمیان محبت اور ہمدردی پیدا کر دی۔یہ ساری نعمتیں کب نصیب ہوتی ہیں؟ جب اللہ پر ایمان ہو۔اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا اتباع کیا جائے۔اللہ کی کتاب پر عمل کیا جائے۔یہ رشتہ تب ہی پُرسکون ہوتا ہے۔آپس کی ہمدردی بھی تب ہی قائم رہتی ہے۔

لیکن ہماری عملی زندگی دین سے بہت ہٹ کر ہے اس لیے ہمارے ہاں جب نکاح ہوتا ہے تو پھر مقابلہ شروع ہو جاتا ہے۔عورت چاہتی ہے کہ شوہر کو غلام بنا کر رکھے مرد کہتا ہے میں نے اسے سیدھا کر کے رکھنا ہے۔یوں ساری زندگی وہ ایک دوسرے کو مسخر کرنے اور فتح کرنے میں لگے رہتے ہیں۔بعض اوقات راہوں میں ہی یہ رشتے

ٹوٹ جاتے ہیں اور بعض اوقات میاں بیوی الگ الگ ہو کر بسر کر جاتے ہیں۔ جس رشتے کو سکون کا سبب ہونا چاہیے وہ مصیبت بن جاتا ہے۔ خاتون، خاتون بن کر رہے۔ ایک مسلمان عورت بن کر رہے۔ مرد مسلمان مرد بن کر رہے پھر تو محبت رہے گی۔ زندگی پُرلطف ہوگی لیکن اگر ہم Role ہی پلٹ دیں جیسا کہ آج کے دور میں مردوں کو شوق ہو گیا ہے کہ وہ عورتیں نظر آئیں اور عورتوں کو مردوں کی طرح بننے کا شوق ہو گیا ہے۔ ہم نے معاشرہ، ماحول کو اُلٹ دیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت پر لعنت فرمائی ہے جو مردانہ لباس پہنے اور مردوں کی طرح بننا چاہے اور اس مرد پر بھی لعنت فرمائی ہے جو عورتوں جیسا حلیہ بنانا چاہے۔

جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ میں نہیں سمجھتا ان کے بچنے کی کوئی راہ باقی ہے۔ جہاں سے کائنات پر رحمتوں کا نزول ہوتا ہے اس بارگاہ سے ان پر لعنت پڑ رہی ہے تو پھر انہیں بچائے گا کون! اور وہ بچیں گے کیسے!

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ جو لوگ غور و فکر کرتے ہیں یقیناً ان کے لیے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ ﴿۲۲﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا فرماتا ہے اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا الگ الگ ہونا ہے۔

میاں بیوی کے لیے ایک مثال:

جو لوگ تفکر کرتے ہیں یعنی جو غور کرتے اور سوچتے ہیں ان کے لیے اس میں عظمتِ الٰہی کے بڑے دلائل ہیں۔ اس کی عظمت کی کیا یہ دلیل کم ہے کہ وہ زمین و آسمانوں اور ہر شَے کا خالق ہے۔ کچھ نہیں تھا اس نے ہر شَے تخلیق فرما دی۔ اس نے نہ صرف پیدا فرمایا بلکہ ان میں ایسے عجیب رشتے پیدا کر دیے کہ روزِ آفرینش سے لے کر آج تک کوئی سیارہ، ستارہ ایک ذرہ برابر اپنی راہ سے نہ ہٹا۔ سب اپنے اپنے مقررہ مقام پر مقررہ رفتار پر گھوم رہے ہیں۔ کسی کے نیچے ستون یا دیوار نہیں۔ کوئی ٹیک نہیں۔ سب جَوِ سماوی میں تیر رہے ہیں۔ کوئی ایک دوسرے سے ٹکرا جاتا تو یہ ٹکراؤ آگے سے آگے چلتا چلا جاتا اور سب کو تباہ کر دیتا لیکن اللہ نے انہیں قائم رکھا ہوا ہے۔ اور یہ سب ایک توازن اور اعتدال پر قائم ہیں۔ میاں بیوی بھی اپنا اپنا رشتہ اعتدال پر قائم کریں تو رشتہ قائم رہے گا۔ ایک دوسرے کے لیے سکون کا سبب ہوں گے۔ رحمت کا سبب ہوں گے اور محبت قائم رہے گی۔ جو اعتدال کا دامن چھوڑے گا وہاں سے گڑبڑ شروع ہو جائے گی۔

اہلِ علم کے لیے بڑی نشانیاں:

دیکھ لو! اللہ کریم نے انسان کے لیے ایک ہی طریقۂ تخلیق مقرر کر دیا ہے۔ اوّل عدم سے مادّے کو بنایا۔ مادّے سے خلیات (Cells) بنائے۔ انہی سیلوں (Cells) کو بے شمار صورتوں سے گزار کر تمہاری صورتیں مختلف کر دیں، رنگ مختلف کر دیے۔ زبانیں مختلف بولنے لگے۔ اسی پراسس (Process) سے سفید فام آتے ہیں، اسی سے گندمی رنگت والے اور اسی سے سیاہ فام۔ سیلوں کی ترتیب کے بدلنے سے کوئی لمبے قد والے کچھ چھوٹے۔ کچھ موٹے اور کچھ دُبلے۔ کوئی مرد اور کوئی عورت بنتا ہے۔ طریقۂ کار ایک ہی ہے۔ دنیا میں کتنی نسلیں گزر چکی ہیں۔ کتنے لوگ آئیں گے۔ کسی ایک کی شکل، قد کاٹھ، نصیب، صلاحیتیں، علم و عقل دوسرے سے نہیں ملتی۔ سب کی اپنی انفرادیت ہے۔ دنیا میں سب کے فنگر پرنٹس مختلف ہیں۔ کسی کے کان ایک جیسے نہیں۔ سوچو! کتنی مخلوق ہے۔ ان سب کے رنگ، قد، شکلیں مختلف ہیں۔ ان کی غذائیں اور دوائیں مختلف ہیں لیکن ان سب کے بنانے کا طریقہ ایک ہے۔ سب ہی مادّے سے بنتے ہیں۔ سیلوں کی ترتیب سے وجود پذیر ہوتے ہیں تو جاننے والوں کے لیے، دانشمندوں اور اہلِ علم کے لیے اس میں عظمتِ الٰہی کی بڑی نشانیاں ہیں۔ اس کی عظمت کے دلائل میں سے یہ بھی ہے: وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے تمہارا رات اور دن میں سونا، لیٹنا ہے۔ اور اس کے فضل (روزی) کا تلاش کرنا ہے۔ بے شک اس میں سننے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

اللہ کریم نے انسانی وجود ایسا بنایا ہے جسے دن رات میں کچھ وقت آرام اور نیند چاہیے۔ یہ بھی اس کی عظمت کی نشانیوں میں سے ہے کہ انسان روزی کی تلاش میں سرگرداں رہ کر تھک جاتا ہے۔ اس کی ہڈیاں، پٹھے تھکاوٹ اور ڈھیلے پن کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اللہ نے نیند جیسی نعمت عطا کر دی کہ رات کو سوتے ہوئے اور دن کو قیلولہ کرتے ہوئے ساری توانائیاں بحال ہو جاتی ہیں۔ سوتے ہوئے انسانی جسم کی مرمت ہو جاتی ہے۔ پٹھے پھر سے مضبوط اور انسان چاق و چوبند ہو جاتا ہے۔ یعنی انسان نیند میں اپنے آپ سے غافل ہو جاتا ہے وہ کریم ربّ تمہاری قوت بحال کرنے سے غافل نہیں ہوتا۔ لیکن اللہ کی عظمت کی یہ نشانیاں سننے والوں کے لیے ہیں۔

سننے والے کون ہیں؟

یہ وہ خوش نصیب ہیں جو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنتے ہیں۔ جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو سن کر جانے نہیں دیتے، دل میں اتارتے ہیں، سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور سب سے بڑھ کر ان پر عمل کرتے

ہیں۔ اللہ کریم کے نزدیک یہ لوگ سننے والے ہیں۔ ان کے لیے آیاتِ الٰہی میں عظمتِ الٰہی کی بہت نشانیاں ہیں۔

نظامِ قدرت اللہ کی عظمت پر گواہ ہے:

فرمایا: وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تم کو بجلی دکھاتے ہیں جس میں ڈر بھی ہوتا ہے اور امید بھی اور وہی آسمان سے پانی برساتے ہیں پھر اس سے زمین کو مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کر دیتے ہیں۔ یقیناً اس میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ اس کی قدرت دیکھو! گھِر کر بادل آتے ہیں۔ گھٹائیں چھا جاتی ہیں۔ بجلیاں کڑکتی ہیں۔ تم ڈر بھی رہے ہوتے ہو کہ کہیں تباہ نہ کر دے اور دل میں یہ اُمید بھی رکھتے ہو کہ بارش برسے گی تو کھیتیاں لہلہائیں گی، فصلیں اُگیں گی۔ یہ اللہ کی قدرت ہے کہ اس نے سمندروں سے پانی اٹھایا، ہوا کے دوش پر اسے لہرایا، کن بلندیوں پر اسے لے گیا۔ ہوا اُسے اڑائے پھرتی ہے۔ بلندیوں پر ہوا میں ہوتا ہے، تیر رہا ہوتا ہے لیکن جب برستا ہے تو جل تھل کر دیتا ہے۔ زمین کو سیراب کر دیتا ہے۔ اسی پانی سے اللہ کریم مردہ زمین میں حیاتِ نو دوڑا دیتا ہے۔ ہر طرف روئیدگی ہو جاتی ہے۔ بلاشبہ یہ اس کی عظمت کی دلیل ہے۔ اگر کسی کی عقل سلامت ہو، سمجھ و شعور صحیح ہو تو اس کے لیے اس میں عظمتِ الٰہی کی، اس کے اقتدار و اختیار کی، اس کی توحید کی، اس کے بے مثل و بے مثال ہونے کی بہت بڑی نشانیاں ہیں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ ۖ اِذَاۤ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾ اور اس کی نشانیوں میں ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔ پھر جب وہ تم کو زمین سے (نکلنے کے لیے) آواز دیں گے تو تم جھٹ سے نکل پڑو گے۔

آسمان بغیر کسی ٹیک کے سائبان ہے۔ آسمان ہی نہیں زمین بھی بغیر کسی (Support) مدد کے کھڑی ہے۔ اس کی سطح پر بنی آدم کے لیے ہر طرح کی سہولیات ہیں۔ رہنے کا اچھا، پرسکون ٹھکانہ ہے۔ دیکھنے میں بیضوی ہے لیکن زمین کے ایک طرف کے لوگوں کے لیے سیدھی ہے تو بالکل مخالف سمت میں رہنے والوں کے لیے بھی سیدھی ہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کششِ ثقل کی وجہ سے زمین بوجھ کو پکڑے رکھتی ہے تو مقناطیس کے ساتھ ایک کیل اوپر کی سمت میں رکھو تو وہ اوپر ہوگا نیچے رکھو تو وہ نیچے ہوگا، الٹا ہوگا لیکن اللہ کی زمین پر کوئی الٹا نہیں کھڑا۔ سب اپنی اپنی جگہ سیدھا ہی کھڑے ہیں۔

آسمانوں اور زمین کا نظام اسی کی قدرتِ کاملہ سے چل رہا ہے تو جس طرح بارش بے شمار تنکے، پتے، پھول،

درخت، فصلیں اُگا دیتی ہے اسی طرح اللہ کریم کی حکم سے ایک آواز ہوگی جو تمہیں زمین سے دوبارہ نکال کر کھڑا کر دے گی۔ جب تمہیں حکم ہوگا کہ کھڑے ہوجاؤ تو تم بھی زمین سے نکل کر کھڑے ہوجاؤ گے۔

فرمایا: وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾ اور جتنے آسمان اور زمین میں موجود ہیں سب اسی کے تابع ہیں۔ جو کچھ بھی آسمان وزمین میں ہے سب اللہ کا ہے۔ ہر ذرہ اپنی ذمہ داری پوری کر رہا ہے۔ تمام مخلوقات اور تمام تخلیقات اللہ کے تابع ہیں۔ جس کے ذمہ جو کام ربّ نے لگا دیا ہے وہ اُسے پوری ذمہ داری سے کر رہا ہے۔ آسمانوں سے لے کر زمین تک کی ساری تخلیق پر غور کرو کہ ان کے اثرات سے زمین پر نتائج پیدا ہوتے ہیں اور سارے نتائج مل کر انسان کی خدمت کرتے ہیں۔ فضائی کرہ ہو، سیارے ستارے ہوں ہر چیز کا اثر زمین پر مرتب ہوتا ہے یعنی زمین وآسمان کی ساری مخلوق ایک زمین کی بہار قائم رکھنے کے لیے ہے۔ کسی کی حرکت سے ہوائیں چلتی ہیں، بارش ہوتی ہے۔ کہیں گرمی ہوتی ہے، کہیں سردی، کہیں فصلیں پکتی ہیں اور غذاؤں میں ڈھلتی ہیں کہیں ان کے سبب پھلوں میں مٹھاس پیدا ہوتی ہے۔ زیرِ زمین زر وجواہرات بنتے ہیں۔ ان تخلیقات کے سبب زمین پر جو نعمتیں پیدا ہوتی ہیں وہ کس کے لیے ہیں؟ یہ سب زمین پر بسنے والے انسان کی خدمت کے لیے ہے۔ کیا کبھی انسان نے یہ سوچا کہ آسمانی دنیا، ستارے، سیارے۔ زمین اور زمین کی مخلوقات مل کر کسی نہ کسی طرح اس کی زندگی کا سبب بن رہی ہیں۔

اللہ کریم تو وہ ذات ہے جس نے کچھ نہیں یعنی عدم سے چیزوں کو وجود بخشا اور اتنی مخلوق پیدا کی کہ کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ ایک مربع فٹ زمین جس پر کوئی اپنے دونوں قدم رکھ کر کھڑا ہوتا ہے اس میں کتنی مخلوق ہے کوئی گن نہیں سکتا۔

اس ضمن میں مجھے برسوں پرانا ایک واقعہ یاد آ گیا۔ ہمارے ایک ساتھی تھے اللہ ان پر رحم فرمائے اور درجات بلند فرمائے۔ وہ میرے ساتھ اللہ اللہ کرتے تھے۔ اچھے مشاہدات تھے۔ میں گلی میں داخل ہو رہا تھا وہ جا رہے تھے مجھے دیکھ کر رک گئے اور کہنے لگے۔ میں یہاں سے لے کر دیوار تک آٹھ قسم کی مخلوق دیکھ رہا ہوں۔ میں نے انہیں کہا کہ اللہ کی تو اتنی مخلوق ہے جو ہمیں نظر بھی نہیں آتی۔ زمین سے خاک اٹھائیں تو کیا گن سکتے ہیں اس میں کتنے ذرّات ہیں۔ ان میں کتنے ایٹم ہیں۔ ایٹم میں کیا کچھ ہے، کتنا بڑا جہان اس میں آباد ہے۔ اگر ایک فرد سات آٹھ فٹ کی گلی میں ذرا سے فاصلے میں آٹھ قسم کی مخلوق دیکھ رہا ہے تو جو اہلِ نظر دیکھتے ہیں وہ کتنی مخلوق ہوگی! زمین کی وسعتوں میں کتنی ہوگی۔ اور یہ ساری مخلوق کسی نہ کسی ذمہ داری کو پورا کر رہی ہے۔ اللہ کے حکم کے تابع ہے اور اپنے اپنے کام پر لگی ہوئی ہے۔ بظاہر ہمیں بعض چیزیں لاحاصل لگتی ہیں لیکن اللہ نے ہر ایک کو کسی کام کے لیے پیدا کیا ہے۔

کسان کھیتوں میں چڑیاں پسند نہیں کرتے۔ایک مرتبہ چین میں مہم چلائی گئی اور ایک علاقے میں چڑیوں کو مار مار کر ان کا صفایا کر دیا۔اس سال ان فصلوں کو کیڑے مکوڑوں سے سخت نقصان پہنچا تب کسانوں کو سمجھ آئی کہ چڑیا تو زمیندار دوست ہے کہ سارے نقصان دہ کیڑے پتنگے کھا جاتی ہیں اور فصل بچ جاتی ہے۔یعنی ہر چیز انسان کی کسی نہ کسی خدمت پر لگی ہوئی ہے۔

اگر ارض وسماء کی ہر چیز کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ وہ انسانی زندگی کے لیے اہتمام کرے، اس کی بقا کا سبب بنے تو انسانی زندگی کا بھی کوئی مقصد ہوگا؟ ربّ کریم کی شان یہ ہے کہ کچھ نہیں تھا تو اس نے بے پناہ مخلوق بنا دی۔کوئی مادّہ، کوئی شَے نہیں تھی تو اتنی وسیع کائنات بنا دی۔وہی اسے ختم کرے گا۔یہ مخلوق ہے۔اس کی ابتدا بھی ہے انتہا بھی ہے۔عدم سے وجود میں آنا اس کی ابتدا ہے تو وجود سے مٹ جانا اس کی انتہا ہوگی۔جس نے عدم سے وجود دیا اس کے لیے ان وجودوں کو ڈھا کر دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے!

فرمایا: وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ ؕ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۷﴾ اور وہی ہے جو خلق کو اوّل بار پیدا فرماتا ہے پھر وہی اُسے دوبارہ پیدا فرمائے گا اور وہ اُس کے لیے زیادہ آسان ہے۔اور آسمانوں اور زمین میں اُسی کی شان اعلیٰ ہے اور وہ غالب، حکمت والا ہے۔

ارض وسما میں اس اکیلے کی شان ایسی ہے جس کی کوئی مثال نہیں۔وہ سب سے اعلیٰ، سب سے بالاتر ہے، کوئی اس کے برابر کا نہیں، کوئی اس کا شریک نہیں، کوئی اس کے کاموں میں حصہ دار نہیں۔اور وہ غالب ہے۔جب چاہے جو چاہے کرے۔سب اس کے دستِ قدرت میں ہے لیکن وہ حکیم و دانا تر بھی ہے۔اپنی حکمت سے چیزوں کو ظہور پذیر کرتا ہے۔جو کچھ ہوتا ہے اس میں اس کی حکمت ہوتی ہے۔

سورۃ الروم رکوع 4 آیات 28 تا 40

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ
شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ
اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ
ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَا لَهُمْ مِّنْ
نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ
عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ۙ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ
الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾ۙ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا
لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ
اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ۙ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ
اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ۟ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا
فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا
بِهَا ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَوَلَمْ
يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ
لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ

رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِىٓ أَمْوَٰلِ ٱلنَّاسِ فَلَا يَرْبُوا۟ عِندَ ٱللَّهِ ۖ وَمَآ ءَاتَيْتُم مِّن زَكَوٰةٍ
تُرِيدُونَ وَجْهَ ٱللَّهِ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُضْعِفُونَ ﴿٣٩﴾ ٱللَّهُ ٱلَّذِى خَلَقَكُمْ ثُمَّ
رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۖ هَلْ مِن شُرَكَآئِكُم مَّن يَفْعَلُ مِن
ذَٰلِكُم مِّن شَىْءٍ ۚ سُبْحَٰنَهُۥ وَتَعَٰلَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٤٠﴾

(اللہ) تمہارے ہی حالات میں سے تمہارے لیے ایک مثال بیان فرماتے ہیں۔ کیا تمہارے غلاموں میں سے کوئی شخص اُس مال میں جو ہم نے تم کو دیا ہے شریک ہے کہ تم اور وہ اس میں برابر ہوں جن کا تم اس قدر خیال کرو جیسا اپنے آپس کا خیال کرتے ہو ہم اسی طرح عقل والوں کے لیے صاف صاف دلائل بیان فرماتے ہیں ﴿۲۸﴾ بلکہ ظالموں نے بنا دلیل اپنے خیالات کا اتباع کر رکھا ہے۔ جس کو اللہ گمراہ کرے تو اس کو کون براہ پر لائے اور ان (ظالموں) کا کوئی مددگار نہیں ہے ﴿۲۹﴾ تو تم ایک طرف کے (یکسو) ہو کر دین پر سیدھا رُخ کیے چلے جاؤ۔ اللہ کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے (اختیار کیے رہو)۔ اللہ کی بنائی ہوئی (فطرت) میں تبدیلی نہیں ہوتی (یعنی نہ کرنا چاہیے) یہی سیدھا دین ہے ولیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ﴿۳۰﴾ اُسی کی طرف رجوع کیے رہو اور اس سے ڈرتے رہو اور نماز قائم رکھو اور مشرکوں میں سے مت ہونا (کسی طرح کا شرک مت کرو) ﴿۳۱﴾ جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا اور وہ گروہ گروہ ہو گئے ہر گروہ اپنے اس طریقہ پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے ﴿۳۲﴾ اور جب لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے پروردگار کو اُسی کی طرف رجوع ہوتے ہوئے پکارتے ہیں پھر جب وہ ان کو اپنی طرف سے عنایت (کا مزہ) چکھا دیتے ہیں تو ان میں سے کچھ لوگ اپنے پروردگار سے شرک کرنے لگتے ہیں ﴿۳۳﴾ تا کہ جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس کی ناشکری کریں سو (چند روز) فائدہ اٹھا لو پھر تم کو جلدی معلوم ہو جائے گا ﴿۳۴﴾ کیا ہم نے ان پر کوئی (ایسی) دلیل نازل فرمائی ہے کہ وہ ان کو

اللہ کے ساتھ شرک کرنا بتاتی ہے؟﴿۳۵﴾ اور جب ہم لوگوں کو اپنی رحمت (کا مزہ) چکھاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتے ہیں۔ اور اگر ان کے عملوں کے سبب جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں اُن کو کوئی تکلیف پہنچے تو وہ ناامید ہو کر رہ جاتے ہیں﴿۳۶﴾ کیا وہ نہیں دیکھتے یہ کہ اللہ جس کے لیے چاہتے ہیں رزق فراخ فرما دیتے ہیں اور (جس کے لیے چاہیں) کم کر دیتے ہیں۔ بے شک اس میں ایمان والوں کے لیے (بہت) نشانیاں ہیں﴿۳۷﴾ پس قرابت دار کو اس کا حق دیا کرو اور مسکین اور مسافر کو بھی۔ یہ ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں﴿۳۸﴾ اور جو چیز تم اس غرض سے دو گے کہ وہ لوگوں کے مال میں پہنچ کر زیادہ ہو جائے (سُود) تو اللہ کے نزدیک (اس میں) بڑھوتری نہیں ہوتی اور جو تم زکوٰۃ دیتے ہو اللہ کی رضامندی طلب کرتے ہوئے تو ایسے ہی لوگ (اپنے مال کو) دوچند، سہ چند کرنے والے ہیں﴿۳۹﴾ اللہ وہ ہے جس نے تم کو پیدا فرمایا پھر تم کو رزق عطا فرمایا پھر تم کو موت دیتا ہے پھر تم کو زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے شریکوں میں بھی کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے وہ (اللہ) پاک ہے اور ان کے شرک سے برتر ہے﴿۴۰﴾

تفسیر و معارف

فرمایا: ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴿۲۸﴾ (اللہ) تمہارے ہی حالات میں سے تمہارے لیے ایک مثال بیان فرماتے ہیں۔ کیا تمہارے غلاموں میں سے کوئی شخص اس مال میں سے جو ہم نے تم کو دیا ہے شریک ہے کہ تم اور وہ اس میں برابر ہوں جن کا تم اس قدر خیال کرو جیسا اپنے آپس کا خیال کرتے ہو ہم اسی طرح عقل والوں کے لیے صاف صاف دلائل بیان کرتے ہیں۔

اللہ کریم فرماتے ہیں، میں تمہیں ایک مثال دیتا ہوں۔ تم اپنی جانوں میں، اپنی ذات پر غور کرو۔ تم بھی انسان ہو اور جن لوگوں کو تمہارا غلام بنا دیا گیا ہے یا جن کو تم ملازم رکھ لیتے ہو وہ بھی تم جیسے انسان ہیں۔ انسان ہونے

میں وہ تم سے کم نہیں۔ تمہارے پاس جو مال و دولت ہے، کیا اس میں تمہارے ملازموں، غلاموں کا برابر کا حصّہ ہے؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ برابر کا تقسیم ہو جائے؟ ایسا تو نہیں ہے۔ اس سے تو تم بدک جاتے ہو اور اللہ کے ساتھ اُس جیسا دوسرا ہے ہی نہیں، تم بتوں دیوتاؤں اور فرضی معبودوں کو شریک کر لیتے ہو! جب تم اپنے جیسے انسانوں کو اپنے مال و دولت میں شریک کرنا برداشت نہیں کر سکتے تو اس وحدہٗ لاشریک کے حصے دار کیسے بناتے ہو؟ اس وقت تمہاری عقل کہاں چلی جاتی ہے؟ جس طرح تمہیں اپنی ملکیت کا احساس ہے اور تم اپنے جیسے انسانوں کو بھی جو تمہارے ماتحت ہیں، حصّہ دار نہیں سمجھتے۔ اپنی ملکیت قائم رکھنا چاہتے ہو تو اللہ کی حاکمیت قائم رکھنے کو ماننے کی طرف کیوں نہیں آتے ہو؟ جو خلاقِ عالم ہے، مالکِ حقیقی ہے۔

دلائل، عقل والوں کے لیے ہیں:

اللہ کریم تو دلائل کو کھول کر، واضح کر کے بیان کر دیتے ہیں لیکن دلائل بھی ان کے لیے ہوتے ہیں جن میں کچھ عقل ہو جو اس طرف توجہ کریں۔ قرآنِ کریم بتاتا ہے کہ اللہ کن لوگوں کو عقل والا مانتا ہے۔ اللہ کے نزدیک عقل والے وہ ہیں جو اس کائنات کے نظام کو دیکھ کر، اپنی زندگی کے نظام کو دیکھ غور و فکر کر کے اس نتیجے پر پہنچیں کہ اس کا مقصدِ تخلیق کیا ہے؟ دنیا کیا ہے، کس لیے ہے، یہاں آنا اور یہاں سے جانا کس مقصد کے لیے ہے؟ یہ بات شعور کی ہے جو انسان اس موضوع پر سوچے وہ ہدایت کا طالب ہو جاتا ہے لیکن کوئی سوچے بھی! اکثریت کی سوچ ایک لقمۂ نان کے گرد بندھی ہوئی ہے۔ ہر شخص فاتح اعظم بنا ہوا ہے۔ ساری عمر دوسروں کو مسخر کرتا رہتا ہے۔ دوسروں پر اپنی حاکمیت قائم کرنا چاہتا ہے۔ عہدہ اقتدار، دولت، جاہ و حشمت کا دلدادہ ہے۔ سوچتا نہیں کہ اس سے پہلے کتنے صاحبِ جاہ و حشمت آئے۔ بڑے خزانوں سے بھرپور بادشاہ آئے، قلعے اور لشکر بنائے۔ خوب عیش و نشاط میں رہے لیکن پھر موت آ گئی۔ وجود مٹی کھا گئی، اگر انہیں بھی موت آ گئی تو تمہارا بھی دنیا سے جانا مقدر ہو چکا ہے۔ پھر موت اگر خاتمے کا نام ہوتا تو ٹھیک تھا کہ اچھا کیا یا بُرا، مر گئے، بات ختم ہو گئی۔ لیکن موت خاتمے کا نام نہیں اصل زندگی کا نام ہے۔ حقیقی زندگی موت سے شروع ہو گی۔ یہ زندگی جو ہم گزار رہے ہیں یہ دُنیوی زندگی، آزمائشی دور ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی ملازمت کے حصول کے لیے کوئی امتحان پاس کرتا ہے۔ وہ دورانیۂ امتحان چند گھنٹوں کا ہوتا ہے لیکن ملازمت سالوں چلتی رہتی ہیں۔ دُنیوی زندگی کا عرصہ بھی امتحان ہے جس کے نتیجے میں اخروی کامیابی اور حقیقی زندگی کا سکھ ملنا ہے۔ اس لیے یہ بہت تھوڑا عرصہ ہے اُس دائمی زندگی کے مقابلے میں۔

وہ دائمی زندگی موت سے شروع ہوتی ہے۔ ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ نے بڑے واضح دلائل دے کر، بڑی

کھول کر یہ بات بیان کردی ہے کہ اس آزمائش کے دور سے کامیاب اور سرخرو ہو کر نکلو۔ اللہ کی عظمت کا اقرار کرو۔ انبیاؑ کی اطاعت کرو۔ انؑ پر ایمان لاؤ اللہ کی کتاب کو مانو۔ اس کے سانچے میں خود کو ڈھال لو۔ دنیا بھی پُرسکون گزرے گی اور آخرت میں کامیاب رہو گے۔ لوگوں کو مغالطہ لگ گیا ہے کہ جنت جانا مشکل ہے۔ ذرا بتائیں! حلال روزی کمانا، سچ بولنا، نیک زندگی گزارنا، اللہ کی عبادت کرنا، چھوٹوں پر رحم کرنا، بڑوں کی عزت کرنا، شرافت سے رہنا، غریب و مسکین کی اپنی حیثیت کے مطابق مدد کرنا، بیمار کی بیمار پُرسی کرنا۔ ان میں سے کون سا ایسا کام ہے جس پر مصیبت آتی ہے اور جہنم جانے کے لیے تو سب سے پہلے اللہ کریم کو ناراض کرو، اس کے ساتھ شرک کرو۔ اُس کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انکار کرو۔ بدکاری کرو۔ چوری ڈاکہ کرو۔ رشوت سود کھاؤ۔ یہ کام ہرگز آسان نہیں۔

اللہ نے جنت جانا آسان اور جہنم جانا مشکل بنا دیا ہے لیکن ان دلائل پر صرف صاحبِ عقل ہی غور و فکر کرتے ہیں اور جو اللہ کے دیے ہوئے شعور کو کام میں نہیں لاتے وہ بے عقل ہیں۔ وہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں کہ کھایا پیا، پیٹ بھرا، اولاد پیدا کی اور مر گئے۔ قرآن حکیم میں آتا ہے: أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ۔۔۔ (الاعراف:179) بلکہ یہ چوپایوں سے بدتر ہیں۔ انہیں تو اللہ نے انسانی شعور سے نوازا تھا لیکن انہوں نے اس شعور کو ضائع کر دیا اور جانوروں کی سطح پر ہی زندگی گزار کر مہلتِ عمل ختم کر دی۔

فرمایا: بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ ۖ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٢٩﴾ بلکہ ظالموں نے بنا دلیل اپنے خیالات کا اتباع کر رکھا ہے۔ جس کو اللہ گمراہ کرے تو اس کو کون راہ پر لائے اور ان (ظالموں) کا کوئی مددگار نہیں ہے۔

یعنی نہ صرف یہ صحیح سوچتے نہیں بلکہ ایسے ظالم ہیں کہ مثبت کو چھوڑ کر منفی سوچ اپناتے ہیں۔ بغیر کسی دلیل کے بغیر علم کے محض اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل، آرزوؤں کی اندھا دھند تکمیل میں مگن رہتے ہیں۔

دین کی ساری عمارت دلائل پر قائم ہے۔ توحید باری کے دلائل ہیں۔ صداقتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے دلائل ہیں۔ حقیقتِ قرآن کے دلائل موجود ہیں۔ دُنیوی اور اخروی زندگی کے اور اعمال کے نتائج کے دلائل موجود ہیں۔ یہ لوگ ان سب دلائل کو چھوڑ کر، بے مہار ہو کر اپنی خواہشات کی تکمیل میں سرگرداں رہتے ہیں۔ جو اس طرح اللہ کے دلائل کو روند کر گمراہی کی طرف بھاگے اللہ اُسے گمراہی میں مزید آگے دھکیل دیتے ہیں۔ ان کی عقل اپنی خواہشاتِ نفس کی پوجا میں لگ کر ماری گئی۔ انہوں نے اپنی کرتوتوں کی وجہ سے اللہ کریم سے اتنی بگاڑ لی کہ اللہ نے ان پر ہدایت کا دروازہ ہی بند کر دیا۔ تعلق ہی توڑ لیا تو پھر کون ہے جو انہیں ہدایت دے! ایسے لوگوں کا کوئی مددگار نہیں۔

کسی شاعر نے کہا تھا:

اس کا کیا ہے تم نہ سہی تو چاہنے والے اور بہت
ترکِ تعلق کرنے والو تم تنہا رہ جاؤ گے

جو اللہ کی بارگاہ چھوڑ دے گا وہ خود تنہا رہ جائے گا۔ اس کا کوئی نہیں ہوگا، جس کا اللہ نہیں ہوگا پھر اس کا کوئی نہیں ہوگا۔

ہدایت پر جم جانا انسانی فطرت ہے:

یہ انسانی فطرت ہے۔ اس کا مزاج ہے۔ اس کے شعور میں یہ بات ڈال دی گئی ہے۔

فرمایا: فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ تو تم ایک طرف کے (یکسو) ہو کر دین پر سیدھا رخ کیے چلے جاؤ۔ اللہ کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے (اختیار کیے رہو)۔ اللہ کی بنائی ہوئی (فطرت) میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ (یعنی نہ کرنا چاہیے) یہی سیدھا دین ہے ولیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اے انسان! اللہ نے ایک نظریہ، ایک دین، طرز حیات جو ایمان و عمل کا مجموعہ ہے اپنی مہربانی سے انبیاؑ کے ذریعے اور اُنؑ پر اپنی کتابیں نازل فرما کر تجھے عطا کر دی۔ اب اس پر ڈٹ جا۔ اللہ کے دین پر بالکل سیدھا جم جا۔ یہ تیرے لیے مشکل نہیں ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے اور جو چیز فطرت میں ہوتی ہے، مزاج میں ہوتی ہے اس کا کرنا آسان ہوتا ہے۔ خلافِ مزاج کرنا مشکل ہوتا ہے۔ جو کام پسند ہو وہ مشکل بھی ہو تو آسان لگتا ہے لہٰذا یہ تیری فطرت کے مطابق ہے اس پر قائم ہو جا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ ہر پیدا ہونے والا انسانی فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اور اس کا ماحول کسی کو یہودی بنا دیتا ہے، کسی کو مجوسی اور کسی کو عیسائی۔ ماحول اور معاشرے سے سیکھ کر اثر لے لیتا ہے۔ انسانی فطرت یہ ہے کہ وہ اللہ کے دین، اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا پسند کرتا ہے۔ یہ اس کے مزاج کو بھاتا ہے اس لیے کہ اسلام دینِ فطرت ہے۔ اللہ نے جو فطرت انسان کو دی ہے اسی طرح دین بھی دیا ہے۔ اور اللہ کی بنائی ہوئی فطرت میں تبدیلی نہیں ہوتی ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ اللہ کریم گلاب کے پودے پر کیکر کے پھول اُگا دے یا گندم بوئیں اور باجرہ نکل آئے۔

گندم از گندم بروید جَو ز جَو
از مکافاتِ عمل غافل مشو

جیسا بیج ہو ویسی فصل ہوتی ہے اسی طرح جو عمل تم کرتے ہو اور جو عقیدہ تم رکھتے ہو اس کا بھی نتیجہ ہے۔ رضائے الٰہی ملتی ہے یا غضب الٰہی۔ اپنے عقیدے اور کردار و عمل کو دیکھ لو۔ دُنیوی کاموں میں تم جانتے ہو کہ ملازمت کرتے ہوئے اپنے افسر (Boss) کو ناراض کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے تو اُس عظیم ہستی جو اتنی محبت کرنے والی بھی ہے۔ اس ربّ کریم کو ناراض کرنا کیسے گوارا کر لیتے ہو؟ اس رحیم و کریم ذات نے تمہیں اشرف المخلوقات بنایا۔ تمہیں ایمان جیسی دولت دینے کے لیے اپنے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلّم کو مبعوث فرمایا۔ تمہیں یہ شرف بخشا کہ اس سے ہمکلام ہو سکتے ہو۔ اپنا دکھ سکھ کہہ سکتے ہو۔ وہ تمہیں بتاتا ہے کہ یہ کام اچھے ہیں۔ یہ بُرے ہیں۔ اچھے کام کرو اور بُرے کاموں سے بچو۔ اس سب کے بعد بھی تم اس کے دامانِ رحمت کو نہ پکڑو اور اپنی خواہشاتِ نفس کے پیچھے لگ جاؤ تو خود ہی اندازہ کرو اس کی سزا کتنی بڑی ہوگی! ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ۔۔۔ یہ سیدھا قائم رہنے والا راستہ ہے اس پر، اللہ کی اطاعت پر جم جاؤ۔ اللہ کو ویسا مانو جیسا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم منواتے ہیں۔ اللہ کی کتاب کا دامن تھام لو۔ یہ دینِ قیّم ہے۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ لیکن لوگوں کی اکثریت اس بات سے بے خبر ہے اور اندھا دھند خواہشات کے پیچھے بھاگ رہی ہے۔

اللہ کریم سے محبت کا راستہ:

فرمایا: مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ۔۔۔ اسی کی طرف رجوع کیے رہو اور اس سے ڈرتے رہو اور نماز قائم رکھو۔ اللہ کریم سے محبت کے راستے کی پہلی سیڑھی انابت ہے۔ انابت ہے جھک جانا۔ کسی پر اعتماد کر کے اپنی مہار اُس کے ہاتھ میں دے دینا۔ اچھائی کے دامن سے وابستہ ہو جانا۔ فرمایا، اللہ کریم سے ایسا رشتہ رکھو کہ دل کہے میرے اللہ! میں وہی کروں گا جو آپ چاہیں گے۔ بندے اور اللہ کا رشتہ یہ ہے کہ وہ خالق ہے، مالک ہے، حاکم ہے۔ ہم مخلوق ہیں، محکوم ہیں۔ ہمارا مالک کے ساتھ مملوک کا اور ربّ کے ساتھ مربوب کا رشتہ ہے۔ پہلی چیز انابت ہے کہ اس کی بارگاہ میں جھک جائیں کہ اے میرے مالک! میں وہی کروں گا جو تُو فرمائے گا۔

دوسری ہے تقویٰ۔ وَاتَّقُوْهُ۔۔۔ یعنی اس سے تعلق بنا لو۔ ایسا رشتہ کہ غلطی کرتے ہوئے اس رشتے میں دراڑ آنے کا ڈر ہو۔ پہلے اللہ کی بارگاہ میں جھک کر عہد وفا باندھا اب اس رشتے کو نبھاتے ہوئے یہ ڈر اور یہ فکر لاحق رہے کہ بندے کا کوئی عمل اس کی بارگاہ میں ناپسندیدہ نہ ٹھہرے۔ یہ رشتہ تقویٰ کا رشتہ ہے۔

تقویٰ سے مراد محض خوف یا ڈر نہیں کیونکہ ڈرتا تو شیطان بھی ہے۔ سورہ انفال میں اس کا ذکر آیا ہے کہ جب مشرکینِ و کفارِ مکہ بدر جانے کو تیار ہوئے تو ایک عرب سردار کے روپ میں شیطان مجسم ہو کر اُن کے پاس آیا۔ وہ عرب

سردار مکہ کے نواح میں رہتا تھا۔ بڑی طاقت اور قوت والا تھا۔ اہلِ مکہ ڈرتے تھے کہ وہ شہر خالی کر کے سارے سردار بدر کو جا رہے تھے تو شاید وہ اُن کی غیر موجودگی میں مکہ میں غارت گری کرے اور اُن کے گھر بار لُوٹ لے جائے۔ جب انہوں نے اُس سردار کو دیکھا تو مطمئن ہو گئے۔ شیطان نے مجسم ہو کر اس عرب سردار کی شکل اختیار کر لی تھی، اپنے ساتھ ایک لشکر بھی لایا تھا۔ اس نے ابوجہل وغیرہ سے کہا کہ اہلِ اسلام ہمارے مشترکہ دشمن ہیں اس لیے میں اپنے لشکر سمیت تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ یوں وہ کفار کے ساتھ شامل ہو کر بدر پہنچا۔ فوجیں صف آرا ہوئیں۔ فرشتوں کا نزول شروع ہوا تو وہ اپنے لشکر سمیت بھاگا۔ ابوجہل نے آواز دے کر پوچھا کہ اتنے نامور سردار ہو، دلیر مشہور ہو پھر بھی میدان سے بھاگ رہے ہو! شیطان نے جو جواب دیا، قرآن میں یوں آتا ہے: اِنِّیۡۤ اَرٰی مَا لَا تَرَوۡنَ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اللّٰہَ ؕ وَاللّٰہُ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ (الانفال:48) جو میں دیکھ رہا ہوں تم نہیں دیکھ رہے۔ مجھے اللہ سے خوف آتا ہے اور اللہ کا عذاب سخت ہے۔

تقویٰ کا معنی ڈر کیا جائے تو فرق کیا ہوا؟ فرق یہ ہے کہ شیطان اللہ کی طاقت سے خوفزدہ ہے۔ اس کی طاقت سے ڈرتا ہے۔ بندے کا ڈر یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ اس کا جو رشتۂ محبت ہے اس رشتے میں دراڑ آنے سے ڈرتا ہے۔

شیطان ڈرتا ہے جیسا کوئی کمزور کسی طاقتور سے ڈرتا ہے۔ یہ کوئی کمال نہیں۔ کمزور کو بہر طور ڈرنا پڑتا ہے۔ تقویٰ رشتے کی عظمت کا پاس ہے۔ تقویٰ وہ ڈر ہے کہ اللہ کریم سے ایک رشتہ ہے۔ بندہ ڈرتا رہتا ہے کہ کوئی ایسی بات، کوئی ایسا کام نہ ہو کہ اس تعلق، اس رشتے میں کمی واقع ہو جائے۔ مُنِیۡبِیۡنَ اِلَیۡہِ وَاتَّقُوۡہُ وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ ۔۔۔ اللہ کریم سلیقۂ محبت سکھا رہے ہیں کہ اللہ کی طرف جھک جاؤ۔ اللہ تم سے محبت کرتے ہیں تو تم اپنا تعلق اللہ سے مضبوط رکھو اور اس رشتے کا پاس رکھو۔ اس رشتے کو قائم رکھنے کے لیے تیسری چیز ارشاد فرمائی کہ: وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ ۔۔۔ صلوٰۃ قائم کرو۔ صلوٰۃ کیا ہے؟ بندہ اپنے ربّ سے مانگتا ہے۔ اور ربّ کریم اُسے دیتا چلا جا رہا ہے اور پھر ہر صلوٰۃ میں اجازت دیتا ہے کہ مانگتا رہ، مانگتا چلا جا، چھوڑ نہیں۔ اس لیے کہ تو مستغنی نہیں ہو سکتا۔ تُو ہمہ وقت میرا محتاج ہے۔ صلوٰۃ کیا ہے؟ اللہ کی اجازت ہے کہ آ کر مجھ سے باتیں کر لے۔ اللہ کی حمد و ثنا سے شروع کر اس کی توحید کا اقرار کر۔ رحمان و رحیم ربّ کے نام سے شروع کر۔ سورۃ الفاتحہ جیسی نعمت کو ہر رکعت میں میرے روبرو پڑھ۔ اپنے لیے دونوں جہاں تک مانگ لے۔ بار بار مانگ۔ میری بارگاہ کی حضوری کی لذت پا۔ مجھ سے دکھ سکھ کہہ۔ مجھ سے عافیت مانگ، نجات مانگ۔ میری محبت، پیار اور رضا مانگ۔ اللہ ایسا کریم ہے کہ بندے کے بار بار مانگنے سے تنگ نہیں آتا بلکہ فرماتا ہے مانگ، مزید مانگ، مانگتا جا، میں دیتا جاؤں گا۔ اللہ کریم نقد دیتا ہے۔ ادھاری مزدوری نہیں

کراتا کہ مرنے کے بعد ہی دے گا۔ ایسا نہیں ہے۔ ایک ایک لفظ، ایک ایک رکوع، ایک ایک سجدہ اپنا انعام رکھتا ہے۔ یہ انعام دل وصول کرتا ہے۔ جب دل میں اترتا ہے تو جمالِ باری سے آشنا کرتا ہے۔ عظمتِ باری دل پر نقش ہو جاتی ہے۔ دل میں محبتِ الٰہی کے شعلے بھڑکتے ہیں۔

اگر یہ سب کچھ نہیں ہوتا تو پھر ہم نماز پڑھ ہی نہیں رہے۔ ہم محض ایک رسم پوری کر رہے ہیں۔ نہ پڑھنے سے پڑھنا بہر حال بہتر ہے لیکن بندہ یہ تو دیکھے کہ اللہ کریم اسے صلوٰۃ میں کیا عطا فرما رہے ہیں! بندہ اپنی حیثیت کے مطابق مانگتا ہے وہ کریم ذات اپنی شان کے مطابق نوازتا ہے۔ بندہ اندازہ تو کرے کہ پانچ وقت کی ساری رکعات، رکوع وسجود میں کتنے انعامات اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ کتنی لذتیں دل میں آتی ہوں گی، کتنی راحتیں کروٹیں لیتی ہوں گی!

یہ نہ بھولے کہ جب دنیا سے جاتے وقت آنکھ بند ہوگی تو یہ اینٹ پتھر کے مکان چھن جائیں گے، گاڑیاں لوگ لے جائیں گے۔ دولت وارثوں میں بٹ جائے گی لیکن جب آنکھ بند ہوگی تو تب آنکھ کھلے گی۔ تب اس کے سامنے بے شمار آسائشیں ہوں گی، بے پناہ انعامات ہوں گے۔ پھر حقیقی زندگی کی حقیقت سامنے آجائے گی۔

پھر فرمایا: وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾ اور مشرکوں میں سے مت ہونا (کسی طرح کا شرک مت کرو) اللہ کریم سیدھے راستے پر چلنے کا سلیقہ سکھاتے ہوئے آیۂ مبارکہ کے آخر میں نہایت اہم بات سے متنبہ فرما رہے ہیں کہ کبھی مشرکوں میں سے مت ہونا۔ کسی بھی طرح کسی کو اللہ کا شریک نہ سمجھنا گویا ساری عاجزی اللہ کے لیے ہے۔ ساری اطاعت صرف اللہ کی ہے۔ اطاعت صرف اللہ کی ہوگی۔ بندگی صرف اللہ کی ہوگی۔

مُشرک کون ہے؟

مُشرک کیسے ہوتے ہیں۔ اُن کا کیا کردار ہوتا ہے جس سے مومن کو بچنا ہے۔ ان میں ایسی کیا بات ہے جس سے بچنے کی تاکید فرمائی جا رہی ہے؟ فرمایا: مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا۔۔۔ جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا اور وہ گروہ گروہ ہو گئے۔ یعنی جن لوگوں نے دین میں تفریق پیدا کر دی۔ دین میں تفریق کب پیدا ہوتی ہے؟ جب دین کو دنیا کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ جب وعظ کر کے روپیہ بٹورنا چاہتے ہیں۔ خود کو پارسا منوا کر لوگوں سے سجدے کروانا چاہتے ہیں۔ بدعات کے ذریعے لوگوں کے مال پر عیش کرنا چاہتے ہیں تو دین میں تفریق آجاتی ہے۔ جب اس جگہ پہنچ جائیں تو کوئی بھی متحد نہیں ہوتا پھر گروہ گروہ ہو جاتے ہیں۔ چونکہ مقصد حصولِ دنیا ہوتا ہے تو كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۳۲﴾ ہر گروہ اپنے طریقہ پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے۔ یعنی ہر گروہ اپنی اپنی جگہ اپنی خواہشات کے مطابق شریعت کے معنی گھڑ لیتا ہے جس

سے وہ مزید دولتِ دنیا کماتا ہے اور اسی میں خوش رہتا ہے۔

ان کا حال تو یہ ہے: وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ۔۔۔ اور جب لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے پروردگار کو اسی کی طرف رجوع ہوتے ہوئے پکارتے ہیں یعنی جب ان پر کوئی مصیبت آجاتی ہے، کسی بیماری اور دکھ کا شکار ہو جاتے ہیں تو پھر بڑے اطاعت شعار بن جاتے ہیں۔ لمبی لمبی دعائیں کرتے ہیں کہ یا اللہ! بچا لے۔ ان مصیبتوں سے خلاصی دے۔ مقدموں سے نجات دے: ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ پھر جب وہ اُن کو اپنی طرف سے عنایت کا (مزہ) چکھا دیتے ہیں تو اُن میں سے کچھ لوگ اپنے پروردگار سے شرک کرنے لگتے ہیں۔ یعنی جب اللہ رحم فرما دیتے ہیں ان کی مصیبت دور کر دیتے ہیں تو پھر اللہ کا نام نہیں لیتے۔ اسے اپنی خوبی بنا کر کہتے ہیں کہ یہ میرا کمال تھا، میرے فلاں دوست کی سفارش سے ہو گیا وغیرہ اس طرح اللہ سے شرک شروع کر دیتے ہیں۔ یہ انتہائی ناشکری ہے۔

فرمایا: لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ تاکہ جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس کی ناشکری کریں سو (چند روز) فائدہ اٹھا لو پھر تم کو جلدی معلوم ہو جائے گا۔ دیکھو! اللہ کتنے کریم ہیں۔ تم سے کتنا درگزر فرماتے ہیں۔ تم نے اللہ کے دین کو، اس کے کلام کو حصولِ دنیا کے لیے بیچ کھایا اور پھر بھی جب تک خیریت رہی تم اسی پر قائم رہے۔ جب کوئی مصیبت آئی، تکلیف اور بیماری آئی تو پھر بھی اللہ نے تم پر رحم فرمایا اور سب مصائب ٹال کر، تمہیں معاف کر دیا۔ تم اتنے ظالم ہو کہ مصیبت کے ٹل جانے کے بعد اکڑ گئے۔ اللہ کی ناشکری پر اُتر آئے۔ جمع خاطر رکھو فَتَمَتَّعُوْا۔۔۔ فائدہ اٹھا لو دولتِ دنیا استعمال کر لو۔ آسائشیں، راحتیں حاصل کر لو۔ آخر کب تک؟ بہت جلد تمہیں سمجھ آجائے گی۔ پتا چل جائے گا کہ کیا کرتے رہے ہو اور اس کا نتیجہ کیا ہوا!

اس آیۂ مبارکہ میں یہ بات ثابت ہو گئی کہ شرک پر عقلی دلیل بھی کوئی نہیں۔ یہ لوگ خود گواہ ہیں کہ مصیبت میں یہ بھی صرف اللہ کو ہی پکارتے ہیں۔ پھر فرمایا: اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾ کیا ہم نے ان پر کوئی (ایسی) دلیل نازل فرمائی ہے کہ وہ ان کو اللہ کے ساتھ شرک کرنا بتاتی ہے؟ یعنی عقلی کے علاوہ ان کے پاس کوئی نقلی دلیل بھی نہیں ہے۔ یہ جو اللہ کے شریک بناتے ہیں کیا اس پر انہیں اللہ کی طرف سے دلائل حاصل ہوئے ہیں، کیا ان کے پاس اس پر شریعت کی کوئی دلیل ہے؟ کسی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، کسی کتابِ الٰہی نے اس کی کوئی دلیل دی ہے؟ جب نہیں دی تو یہ ایسا بے دلیل کام کیوں کرتے ہیں؟

قرآن کا دیا ہوا یہ اصول ہمیشہ سے یہ ہے۔ جس کام کے کرنے کا حکم قرآن نے نہیں دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر نہیں دی۔ وہ اللہ کی نافرمانی ہے۔ کسی کی اتنی جرأت ہے کہ اللہ کا مقابلہ کرے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کھڑا ہو! فرمایا، ہم نے انہیں کیا کوئی دلیل دی ہے جس کے بل بوتے پر یہ شرک کرتے ہیں؟

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ۭ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ۝ اور جب ہم لوگوں کو اپنی رحمت (کا مزہ) چکھاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتے ہیں۔ اور اگر ان کے عملوں کے سبب جو اُن کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں انہیں کوئی تکلیف پہنچے تو نا اُمید ہو کر رہ جاتے ہیں۔

مصیبتیں کیوں آتی ہیں، کس لیے آتی ہیں؟

انسانوں پر مصیبتیں کیوں آتی ہیں؟ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۔۔۔ ان کے اپنے ہاتھوں کے کیے کے سبب آتی ہیں۔ اور اس لیے آتی ہیں کہ انہیں اندازہ ہو جائے کہ برائی کا نتیجہ کیا ہے۔ وہ رجوع الی اللہ کر لیں، توبہ کر لیں، اللہ کی بارگاہ میں آ جائیں۔ چھوٹی چھوٹی مصیبتیں بڑے گناہوں سے بچانے کے لیے آتی ہیں۔ کسی چھوٹی تکلیف پر توبہ کی توفیق مل جانا بخششِ الٰہی کو پانے کا سبب ہے۔ فرمایا، لیکن یہ ایسے لوگ ہیں کہ جو تکلیفیں ان کو ان کے اپنے کردار کے باعث پہنچتی ہیں تو پھر یہ ناامید ہو جاتے ہیں۔ ان بدنصیبوں کو پھر بھی یہ خیال نہیں آتا کہ اب تو اللہ کی بارگاہ میں توبہ کر لیں۔ اتنے ناامید ہو جاتے ہیں کہ مایوسی میں ہی ڈوب جاتے ہیں۔ اللہ سے کوئی امید نہیں رکھتے۔

کیا یہ نہیں دیکھتے: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ کیا وہ نہیں دیکھتے یہ کہ اللہ جس کے لیے چاہتے ہیں رزق فراخ فرما دیتے ہیں اور (جس کے لیے چاہیں) کم کر دیتے ہیں۔ بے شک اس میں ایمان والوں کے لیے (بہت) نشانیاں ہیں۔

یہ بھی برے کردار کی سزا ہے کہ ناامید ہو کر رہ جاتے ہیں۔ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ اللہ جسے چاہے بے پناہ رزق عطا کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اسے تنگی بھیج دیتا ہے تو پھر اس سے رجوع کیوں نہیں کرتے؟۔ ان کے کرتوت انہیں اللہ سے بدگمان رکھتے ہیں اور یہ ان کے گناہوں کی سزا ہوتی ہے۔

اللہ کریم اپنی طرف آنے کی دعوت دیتے ہیں کہ اللہ کے بندو! اللہ کی بارگاہ کھلی ہے اس کی بارگاہ تیری توبہ کے لیے کھلی ہے۔ توبہ کر، رجوع الی اللہ کر لے۔ اللہ کی بارگاہ میں عاجزی کر کہ یا اللہ! میں حاضر ہوں، مجھ پر رحم فرما، میری توبہ قبول فرما، بخشش عطا فرما۔ پھر بھی یہ اس کی بارگاہ میں کیوں نہیں جاتے؟

فرمایا، ان باتوں میں بڑی دلیلیں ہیں لیکن کوئی دلیل سنے تو سہی۔ سمجھنے کی کوشش تو کرے۔ دلیل کو سننے، سمجھنے کے لیے ایمان چاہیے، یقین چاہیے، اعتماد چاہیے۔ اللہ کی عظمت کا اقرار ہو کہ وہ خالقِ کائنات ہے۔ ہر نعمت وہی دے رہا ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتماد ہو۔ اللہ کی کتاب کی صداقت پر ایمان ہو تو پھر دلائل بھی کام آتے ہیں۔ جس نے اس طرف کبھی دھیان ہی نہ کیا ہو، سو چا ہی نہ ہو تو ایسے بندے کے دلیل کیا کام آئے گی!

فراخیٔ مال میں دوسروں کا بھی حق ہے:

فرمایا: فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٣٨﴾ پس قرابتدار کو اس کا حق دیا کرو اور مسکین اور مسافر کو بھی۔ یہ ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ یعنی اللہ کریم نے تمہیں جو نعمتیں دی ہیں ان پر اللہ کی دوسری مخلوق کا بھی حق ہے تو لوگوں کو اُن کے حقوق دیا کرو۔ رشتہ داروں کو دو کہ ان کا حق ہے کہ وہ مشکل میں ہوں تو ان کی مدد کی جائے۔ بیمار ہوں یا تنگ حال ہوں تو وسعت رکھنے والا اپنے وسائل ان پر خرچ کرے۔ مساکین کو دو کہ یہ وہ ہیں جن کے وسائل کم اور ضروریات زیادہ ہیں۔ ان کی مدد بھی اپنی حیثیت کے مطابق کرو اور مسافر یعنی غریب الوطن بھی مستحق ہے کہ اس کی مدد کی جائے۔

اللہ کریم نے بقائے عالم کا نظام کچھ دینے پر رکھا ہے۔ نظامِ کائنات میں ہر چیز اپنی ذمہ داری پوری کر رہی ہے تو یہ معمورۂ عالم قائم ہے۔ سورج، چاند، ستارے سب اپنا اپنا کام کر رہے ہیں۔ اگر سورج چند لوگوں سے شعائیں روک لے، کچھ اور لوگوں کو دے دے تو سارا نظام مختل ہو جائے گا۔ چاند ستاروں کے اثرات سے بھی زمین پر مختلف نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ زمین ہی کو دیکھ لیں۔ زمین سے کتنا غلّہ، پھل، سبزیاں، خوراک، غذا لے چکے ہیں۔ کتنے زر و جواہر اور تیل نکال چکے ہیں اور زمین ہے کہ مسلسل دیے جا رہی ہے۔ یہ مادّی نظام تو سامنے آ رہا ہے لیکن یہ مادّی نظام حقیقت نہیں ہے۔ حقیقت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور حقیقت ہے عظمتِ الٰہی، معرفتِ الٰہی کو پانا۔ اس کی بنیاد روح ہے، روحانیت ہے۔ روحانیت کا مدار انسان کے ایمان و یقین اور اس کے کردار پہ ہے۔ جب کردار منفی ہو تو روح کو نقصان پہنچے گا اور روح میں وہ استعداد نہیں رہے گی کہ وہ معرفتِ حق کو پا سکے۔ یہ دنیا تو اپنا وقت پورا کر کے ختم ہو جائے گی۔ ہمیشہ رہنے والی دنیا میں بندے کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔

زمین کا مدار دینے پر ہے تو دینے کے لیے اپنے پاس کچھ ہونا بھی چاہیے۔ اس کے لیے اللہ نے جائز وسائل دیے ہیں ان کے ذریعے محنت کر کے زیادہ رزق کمائیں اور اسے اللہ کی راہ میں دیں۔ پہلا حق قریبی رشتہ داروں کا ہے

پھر درجہ بدرجہ۔ اس کام میں بھی اللہ کریم نے اپنی رضا حاصل کرنے کی ہدایت فرمادی کہ مال کو رشتہ داروں، مساکین اور مسافروں پر خرچ کرتے ہیں تو اس سے ان کا مقصد اللہ کی رضا حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اگر اس میں کوئی دُنیوی لالچ آجائے تو پھر اس کا کوئی حاصل نہیں۔ یقیناً وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ عزیز و اقارب کو دیتے ہیں، مساکین اور مسافروں کی مدد کرتے ہیں تو اس سے اللہ کی خوشنودی اور اس کی رضا چاہتے ہیں۔

فلاح کا معنی کامیابی ہے۔ ہماری نظر محدود ہے۔ ہم صرف مادّی دنیا کو دیکھتے ہیں اسی حساب سے اندازہ لگاتے ہیں کہ کون کامیاب ہے اور کون نہیں۔ جس کے پاس زیادہ دولت اور دُنیوی آسائشیں ہوتی ہیں اُسے ہم کامیاب سمجھتے ہیں، حقیقی کامیابی یہ ہے کہ اللہ کی معرفت نصیب ہو۔ اللہ کا قرب نصیب ہو۔ اللہ کی رضا نصیب ہو۔ اللہ کی اطاعت نصیب ہو کیونکہ یہی چیزیں ہمیشہ رہنے والی زندگی میں کام آتی ہیں اور دنیا سے یہی چیزیں ساتھ جاتی ہیں۔ ان کے ساتھ مالِ دنیا بھی ہو تو اللہ کا انعام ہے اور اگر مقصد صرف دنیا ہے اور اللہ کی معرفت اور اس کے قرب کی چاہت نہیں تو پھر یہ کوئی کامیابی نہیں۔

رِبا سے بڑھوتری نہیں ہوتی:

فرمایا: وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ۔۔۔ اور جو چیز تم اس غرض سے دو گے کہ وہ لوگوں کے مال میں پہنچ کر زیادہ ہو جائے (سود) تو اللہ کے نزدیک (اس میں) بڑھوتری نہیں ہوتی۔

سود پر رقم دینے والا بظاہر یہ سمجھتا ہے کہ دولت بڑھ رہی ہے لیکن اللہ کے نزدیک اس میں بڑھوتری اور زیادتی نہیں ہو رہی۔ اس لیے کہ درحقیقت سود دولت میں کمی کا باعث بنتا ہے۔ دولت کی زیادتی سے مراد تو یہ ہے کہ وسائل زیادہ ہوں تو آرام ملے، فراخی نصیب ہو لیکن سود چونکہ اللہ کے فرمان کے مطابق اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ ہے اس لیے اس سے آمدن سے زیادہ مصیبتیں اور پریشانیاں زیادہ ہوتی ہیں اور یہ وبال جان بنتا ہے۔ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾

اور جو تم زکوٰۃ دیتے ہو۔ اللہ کی رضامندی طلب کرتے ہوئے تو ایسے ہی لوگ (اپنے مال کو) دوچند، سہ چند کرنے والے ہیں اللہ کے نزدیک مال میں بڑھوتری وہ ہے جو یہاں بھی سکون کا باعث ہو اور یہاں سے جانے کے بعد بھی ساتھ ہو اور کام آئے۔ سود کے ذریعے مال میں بڑھوتری سزا کا سبب ہوگی۔ حلال کما کر زکوٰۃ دینا فرض ہے۔

صدقاتِ نافلہ دینا۔عزیزوں اور مستحقین پر خرچ کرنا۔اس سے اللہ کے نزدیک دولت بڑھتی ہے۔ایسے لوگ جب یہاں سے جائیں گے تو وہ وہاں کے اُمراء ہوں گے۔اگر کوئی دولت میں بڑھوتری چاہے تو اللہ کے نزدیک اس میں اضافہ کی یہ صورت ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ۔۔۔اللہ وہ ہے جس نے تم کو پیدا فرمایا پھر تم کو رزق عطا فرمایا پھر تم کو موت دیتا ہے پھر تم کو زندہ کرے گا وہ واحد ہستی ہے جو خالق ہے۔وہ واحد و یکتا خالق ہے۔جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں ہر نعمت سے نوازا۔انسان کے پاس جو کچھ ہے۔جسمانی حیات،اعضا و جوارح،جسمانی اور ذہنی قوتیں،صلاحیتیں ایک ایک نعمت اللہ کی عطا ہے۔دینی اور اخروی علوم اللہ کی عطا ہیں۔بندہ دنیا کی بے شمار نعمتیں استعمال کرتا ہے۔ساری زندگی استعمال کرتا رہتا ہے۔گننا چاہے تو کبھی گن نہیں سکتا۔فرمایا: ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ۔۔۔پھر وہ تمہیں موت دے دیتا ہے۔کوئی ہے اللہ کے سوا جو اس کے کسی کام میں مداخلت کر سکے۔کسی کی موت ٹال سکے۔وہ اکیلا قادرِ مطلق ہے۔وہی وحدہٗ لاشریک ہے جو تمہیں پیدا کرتا ہے۔بے پناہ نعمتیں تم پر لٹاتا رہتا ہے پھر وہی تمہیں موت دے گا۔اسے کوئی روک نہ سکے گا۔ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ۔۔۔پھر تمہیں زندہ کرے گا۔جس طرح پچھلے سارے عمل میں کوئی اس کے نظامِ قدرت میں مداخلت نہیں کر سکا اسی طرح تمہیں زندہ کرے گا اور کوئی روک نہیں سکے گا۔

فرمایا: هَلْ مِنْ شُرَكَآىِٕكُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ۔۔۔کیا تمہارے شریکوں میں بھی کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے۔

جنہیں لوگ اللہ کا شریک سمجھتے ہیں کیا وہ کسی کو پیدا کر سکتے ہیں،کسی کی روزی بند کر سکتے ہیں،کسی کو موت سے بچا سکتے ہیں؟ اللہ کے نظامِ قدرت میں کوئی دخل نہیں دے سکتا۔قرآن حکیم صاف،کھرا اور واضح عقیدہ بیان کر رہا ہے۔یہ باتیں اسلام کی ہیں لیکن ہمارے ایمان کس قدر کمزور ہو گئے ہیں کہ آج لوگ عام کہتے ہیں۔''میری بیٹی کی شادی نہیں ہوتی۔کسی نے باندھ دی ہے۔'' ''بیٹے کے ہاں اولاد نہیں ہو رہی کسی نے روک دی ہے۔'' کیسے جملے ہیں اور کس بات کی نشاندہی کر رہے ہیں؟ یہی کہ اللہ مختارِ حقیقی پر بھروسہ نہیں۔جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ فلاں نے روک دی ہے وہ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ بقول ان کے جو روزی کو روک لیتے ہیں،اولاد کو روک لیتے ہیں وہ موت کو کیوں نہیں روکتے؟ یہ خود کیوں مر جاتے ہیں؟ نظامِ قدرت کی ایک کڑی موت ہے۔اسے تو یہ روک نہیں سکتے تو نظامِ حیات کی باقی کڑیوں کو بھی نہیں روک سکتے۔

اسلام یہ ہے کہ بچیوں کی شادی ہو یا اولاد کی خواہش یا کوئی بھی مشکل آ جائے تو اللہ کریم سے دعا کریں کہ انہیں بہترین ساتھی عطا فرما۔ اولاد نہیں ہے تو اللہ سے مانگیں۔ مانگنے کا ثواب الگ انعام ہے۔ اللہ سے مانگنا بھی اس کی عطا ہے۔ جو دعا قبول ہو جائے اس پر شکر ادا کرے۔ اور اگر تاخیر ہو جائے تو یہ بھی من جانب اللہ ہے۔ اللہ کے در پر ہی عرض گزار رہے۔ صرف وہی قادر ہے، اسی کا حکم چلتا ہے۔ اللہ کریم کا نظام اس کے دستِ قدرت میں ہے۔ نہ کوئی مداخلت کر سکتا ہے نہ روک سکتا ہے۔ اس کی تخلیق کو نہ ترزیق کو۔ دنیا میں جس نے بھی بلند و بانگ دعوے کیے کہ وہ کر دیا اور یہ کر دیا وہ بھی موت آنے پر خاموشی سے مر گئے۔ پیدا ہونے سے پرورش پانے اور مر جانے تک جب کسی کی مداخلت نہیں ہو سکتی تو دوبارہ زندہ کیے جانے میں بھی نہیں ہو سکتی!

فرمایا، جن لوگوں کو تم اللہ کا شریک بنا لیتے ہو اور جن سے امیدیں وابستہ کر لیتے ہو۔ جن کو اپنا حاجت روا سمجھ کر پکارتے ہو کیا ان میں سے کسی عمل میں کوئی مداخلت کر سکتا ہے؟

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۰﴾ وہ (اللہ) پاک ہے اور ان کے شرک سے برتر ہے۔ اللہ کی ذاتِ پاک ان باتوں سے بہت بلند ہے کہ کوئی اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان اسی کی بات سنتا ہے جس سے کچھ ملنے کی امید ہو۔ جہاں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا اس کی بات ماننے کی کیا ضرورت ہے؟ جب اللہ کو چھوڑ کر دوسروں سے امیدیں وابستہ کر لی جائیں تو پھر لوگ اللہ کی اطاعت چھوڑ کر دوسروں کی اطاعت کرتے ہیں۔ اللہ ایسے کریم ہیں کہ فوری گرفت نہیں فرماتے۔ فوری سزا نہیں دیتے۔ اس کی روزی بند نہیں کرتے، دل کی دھڑکن، آنکھوں کی بینائی نہیں چھینتے۔ اسے ایک مدت تک مہلت دیے رکھتے ہیں۔ اسے اس دوران مسلسل اپنا پیغام پہنچاتے رہتے ہیں۔ جب وہ مہلت ختم ہو جائے تو بندہ اپنے انجام کو پا لیتا ہے۔ اگر شرک پر ہی ختم ہوئی تو اس کی اگلی ساری زندگی تباہ ہو جاتی ہے۔ اور اللہ تو ان باتوں سے بہت بلند ہے۔

سورۃ الروم رکوع 5 آیات 41 تا 53

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ
بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿۴۲﴾ فَاَقِمْ
وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ
يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ
يَمْهَدُوْنَ ﴿۴۴﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا
يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ
مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ
بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ
كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَاۤ
اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ
قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَانْظُرْ اِلٰۤى اٰثٰرِ رَحْمَتِ
اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾ وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ

يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِى الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾

لوگوں کے اعمال کے باعث خشکی اور دریا میں فساد پھیل رہا ہے تا کہ وہ (اللہ) ان کو ان کے بعض اعمال (کا مزہ) چکھائیں، عجب نہیں کہ وہ باز آجائیں ﴿۴۱﴾ فرما دیجیے زمین میں پھرو تو دیکھو جو پہلے ہو گزرے ان کا انجام کیا ہوا؟ ان میں اکثر لوگ شرک کرنے والے ہی تھے ﴿۴۲﴾ سو تم اپنا رخ دینِ راست (سیدھا راستہ) کی طرف رکھو اس سے پہلے کہ ایسا دن آجائے جس کے لیے پھر اللہ کی طرف سے ہٹنا نہ ہوگا۔ اس دن سب لوگ الگ الگ ہو جائیں گے ﴿۴۳﴾ جو شخص کفر کر رہا ہے تو اس کا کفر اُسی پر پڑے گا اور جو نیک عمل کر رہا ہے سو یہ لوگ اپنے لیے سامان کر رہے ہیں ﴿۴۴﴾ تا کہ وہ (اللہ) ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اپنے فضل سے صِلہ عطا فرمائے۔ بے شک وہ کافروں کو پسند نہیں فرماتا ﴿۴۵﴾ اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے کہ ہواؤں کو خوش خبری دے کر بھیجتا ہے اور تا کہ تم کو اپنی رحمت (کا مزہ) چکھائے اور تا کہ کشتیاں (بحری سواریاں) اُس کے حکم سے چلیں اور تا کہ تم اس کی روزی میں سے تلاش کرو اور تا کہ تم شکر کرو ﴿۴۶﴾ اور یقیناً ہم نے آپ سے پہلے بھی پیغمبر ان کی قوموں کی طرف بھیجے پس وہ ان کے پاس نشانیاں (معجزات) لے کر آئے سو ہم نے ان لوگوں سے انتقام لیا جو گناہ کرتے تھے اور اہلِ ایمان کا غالب کرنا ہمارے ذمہ تھا ﴿۴۷﴾ اللہ وہ ہیں جو ہوائیں بھیجتے ہیں پھر وہ بادلوں کو اٹھا لیتی ہیں پھر اللہ ان کو جس طرح چاہتے ہیں آسمان میں پھیلا دیتے ہیں اور (پھر) اس کو تہہ بہ تہہ کر دیتے ہیں پھر تم مینہ کو دیکھتے ہو کہ اس کے اندر سے نکلتا ہے پھر جب وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں پہنچا دیتے ہیں تو بس وہ خوش ہو جاتے ہیں ﴿۴۸﴾ اور یہ لوگ، اس سے پہلے کہ ان پر (مینہ) برسے

(اس سے) مایوس تھے ﴿۴۹﴾ سو رحمتِ الٰہی کے آثار دیکھو! اللہ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد کیسے زندہ فرماتے ہیں۔ بے شک وہی مُردوں کو زندہ کرنے والے ہیں اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والے ہیں ﴿۵۰﴾ اور اگر ہم ان پر ہوا چلائیں تو یہ لوگ اس (کھیتی) کو (اس کے سبب) زرد ہوتا ہوا دیکھیں تو وہ ضرور اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں ﴿۵۱﴾ سو یقیناً آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو آواز سنا سکتے ہیں جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں ﴿۵۲﴾ اور آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے راہ پر نہیں لا سکتے آپ تو بس اُن کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں سو وہی فرماں بردار ہیں ﴿۵۳﴾

تفسیر و معارف

انسان کی برائی پورے عالم کو متاثر کرتی ہے:

فرمایا: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ۔۔۔لوگوں کے اعمال کے باعث خشکی اور دریا میں فساد پھیل رہا ہے۔ انسان کو اللہ نے بہترین مخلوق بنایا ہے۔ وہ جب کوئی بُرا عمل کرتا ہے تو اس کا اثر پورے عالم تک جاتا ہے۔ اس طرح کہ ہر اچھی یا بُری بات جب کہی جائے تو عالم میں ایک ارتعاش پیدا ہوتا ہے جو پوری فضا میں پھیل جاتا ہے۔ اچھی بات ہو، جس میں اللہ کی اطاعت، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہو اس میں نور ہوتا ہے۔ وہ نور پھیلتا ہوا زمین اور سمندروں تک پہنچتا ہے۔ اگر کوئی بری بات کہی جائے یا بُرا عمل کیا جائے تو اس میں ظلمت یعنی اندھیرا ہوتا ہے جو دنیا کے دوسرے کنارے تک پھیل جاتا ہے۔ جب لوگوں کے اعمالِ بد بڑھتے ہیں تو تاریکی پیدا ہوتی ہے جس سے فساد برپا ہوتا ہے۔ یہی فرمایا جا رہا ہے کہ خشکی یعنی زمین پر اور تری یعنی سمندروں میں فساد ظاہر ہو جاتا ہے۔ جنگیں چھڑ جاتی ہیں، بیماریاں پھوٹ پڑتی ہیں، زلزلے آتے ہیں، سیلاب اور طوفان آتے ہیں، مکان گرتے ہیں تو خاندانوں کے خاندان اجڑ جاتے ہیں۔ زمین پر انسانوں کے ساتھ بے شمار جانور بھی مر جاتے ہیں۔ سمندروں میں جب طغانیاں آتی ہیں تو سمندری مخلوق بھی مرتی ہے۔ اس کا سبب کیا ہے؟ فرمایا اس کا سبب لوگوں کا کردار ہے۔ گویا ان لوگوں کو یہ جواب بھی دینا پڑے گا جن کی برائیوں کے سبب یہ فساد ہوا۔

فوری گرفت نہیں ہوتی، مہلت دی جاتی ہے:

فرمایا: لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴿۴۱﴾ تاکہ وہ (اللہ) ان کو ان کے بعض اعمال (کا مزہ) چکھائیں، عجب نہیں کہ وہ باز آجائیں۔ اللہ کریم کی رحمت کا ہی ایک انداز ہے کہ لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے جو کمایا اس کا پورا بدلہ تو آخرت میں ملے گا۔ اُن کو اُن کی بعض بداعمالیوں کی کچھ سزا دنیا میں دے دی جاتی ہے تاکہ وہ باز آجائیں۔ دنیا میں جو جنگیں مسلط کر دی جاتی ہیں۔ طوفان وزلزلے آجاتے ہیں۔ ملک خانہ جنگی کا شکار ہو جاتے ہیں تو اس لیے کہ انہیں ان کے کردار کا کچھ تھوڑا سا مزا چکھا دیں تاکہ وہ واپس آجائیں۔ شاید کسی کو یہ سمجھ آ جائے کہ اس کی بے راہ روی کا نتیجہ دنیا میں یہ ہے تو آخرت میں کتنا تباہ کن ہوگا! دنیا تو عارضی ہے، وقتی ہے۔ زلزلہ، سیلاب آیا۔ تباہی ہوئی گزر گئی لیکن آخرت میں جو مصیبت آئے گی وہ گزرے گی نہیں۔ وہ دائمی ہوگی۔ اللہ کریم چاہتے ہیں کہ شاید لوگوں کو یہ توفیق ہو کہ وہ اپنے کردار کا تجزیہ کر لیں، اپنا محاسبہ کر لیں اور اللہ کی بارگاہ میں واپس آجائیں۔ جس طرح استاد کبھی بچے کو سزا بھی دیتا ہے تو وہ دشمنی سے نہیں دیتا۔ اُسے تنبیہ کرنے کے لیے دیتا ہے تاکہ وہ خبردار ہو جائے اور سدھر جائے۔ اسی طرح اللہ کریم لوگوں کی بداعمالیوں پر انہیں مختلف مصیبتیں بھیجتے ہیں جو اُن کے گناہوں کے حساب سے بہت کم ہوتی ہیں۔ اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ زندگی کی مہلت کو نعمت سمجھ کر اس کی اہمیت کا اندازہ کریں اور توبہ کر لیں۔ رجوع الی اللہ کریں اور اللہ کی بارگاہ میں واپس آجائیں۔

اللہ کتنا کریم ہے۔ اس نے بندوں کو پیدا کیا۔ بے پناہ نعمتیں دیں۔ موت رکھی پھر موت کے بعد زندگی دے گا لیکن انسان کیسے عجیب فیصلے کرتا ہے۔ اللہ کی نافرمانی کے راستے کا انتخاب کر کے اس زندگی کا لطف پاتا ہے نہ موت کے بعد کی زندگی کی کامیابی حاصل کرتا ہے جو شخص گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے اس کی دنیا کی زندگی بھی مصیبت بنی رہتی ہے اور آخرت کے لیے عذاب تیار ہوتے رہتے ہیں اس دنیا کو بھی برباد کر دیتا ہے اور اُس دنیا کو بھی برباد کر دیتا ہے۔

شرک، تباہی کا سبب:

فرمایا: قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ ۚ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ﴿۴۲﴾ فرما دیجیے زمین میں پھرو تو دیکھو جو پہلے ہو گزرے ان کا انجام کیا ہوا؟ ان میں اکثر لوگ شرک کرنے والے ہی تھے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ روئے زمین پر چل پھر کر دیکھو۔ جگہ جگہ ان لوگوں کے نشان موجود ہیں جو تم سے پہلے دنیا میں تھے۔ وہ تم سے زیادہ طاقتور اور دولت مند تھے۔ ان کی افرادی قوت بھی زیادہ تھی

لیکن وہ دنیا میں جب تک رہے اللہ کی مسلسل نافرمانی کرتے رہے۔اس کے نتیجے میں تباہی آئی اور بالآخر وہ خود بھی تباہ و برباد ہو گئے۔ان کی تباہی کا سبب کیا تھا، یہ کیوں تباہ ہوئے؟ یہ شرک کرنے کی پاداش میں تباہ کیے گئے۔ان کی اکثریت مشرکوں ہی کی تھی۔ یہ کہیں کسی کی پوجا کرتے تو کسی سے مدد مانگتے۔ کسی سے امیدیں وابستہ کرتے اور کسی پر اعتماد کرتے۔اللہ کو چھوڑ کر در در پر بھٹکتے پھرتے اور شرک جیسے ظلم میں مبتلا رہتے۔اللہ کریم نے قرآنِ کریم میں بڑے واضح انداز میں فرمادیا ہے: اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمٰن:13) بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے شرک جتنا بڑا کوئی دوسرا جرم نہیں۔اس ظلمِ عظیم کا خمیازہ دنیا میں بھی بھگتنا پڑتا ہے اور آخرت کے عذاب الگ ہیں۔

اس سے پہلے کہ موت آجائے۔۔۔

فرمایا: فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ ۔۔۔سو تم اپنا رخ دینِ راست (سیدھا راستہ) کی طرف رکھو اس سے پہلے کہ ایسا دن آجائے جس کے لیے پھر اللہ کی طرف سے ہٹنا نہ ہوگا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ پاک ہے: مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ (بخاری) او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جو مرتا ہے اس کی ذاتی قیامت تو قائم ہو جاتی ہے برزخ پہنچ گیا۔اعمال ختم ہو گئے۔ایک طرح کا اجر ملنا شروع ہو گیا۔اس سے پہلے کہ موت آجائے اپنے آپ کو ٹھیک سیدھا کرلو۔اللہ کی راہ پر، اللہ کے بندوں کی راہ پر، سیدھے راستے پر رہو۔

اسلام میں کوئی ایچ پیچ نہیں ہے۔اسلام سیدھا تک اللہ کی اطاعت پر ڈٹ جانے کا نام ہے۔اسلام ہر آنے والے کو اللہ کے روبرو کھڑا کر دیتا ہے۔ بندہ اپنے ربِّ کریم سے مخاطب ہوتا ہے: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ کہہ کر اپنے ربّ کی حمد کرتا ہے پھر اپنی گزارشات پیش کرتا ہے۔ ساری خطاؤں کی بخشش مانگتا ہے۔ سیدھے راستے، بھلے لوگوں کے راستے پر چلنے کی درخواست کرتا ہے۔ گمراہوں اور بُرے لوگوں کی راہ سے بچنے کی درخواست کرتا ہے۔

اسلام میں آکر بندے نے اللہ کریم سے دنیا بھی مانگ لی۔آخرت بھی مانگ لی۔اب وہ کسی دوسرے دروازے پر کیوں جائے؟ باقی کیا رہ گیا جو اُسے اللہ کی بارگاہ سے نہیں ملا! اگر اُسے واقعی صلوٰۃ نصیب ہے تو پھر اُسے اللہ کے دروازے کے علاوہ کسی اور دروازے پر جانے کی ضرورت ہی نہیں۔اس کے لیے بس اللہ کی راہ کافی ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کافی ہے جیسا کہ ارشادِ باری ہے: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۔۔۔(النساء:80) جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔اسلام بڑا

سیدھا راستہ ہے۔ عظمت اللہ کے لیے ہے۔ اطاعتِ الٰہی کا راستہ اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ فرمایا، اس راہ پر ڈٹ جاؤ کہ ایک وقت آنے والا ہے جسے کوئی روک نہیں سکے گا یعنی قیامت قائم ہوگی تو اس سے پہلے کہ موت آ جائے اپنے آپ کو سیدھا تک اسلام پر لے آؤ۔

وہ دن جب آئے گا تو: يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾ اس دن سب لوگ الگ الگ ہو جائیں گے۔ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ۔۔۔ جو شخص کفر کر رہا ہے تو اس کا کفر اسی پر پڑے گا۔ دنیا میں تو لوگ خاندان میں رہتے ہیں۔ کوئی اسلامی زندگی گزارتا ہے کوئی گناہگار زندگی گزارتا ہے۔ باپ بیٹا، بھائی، بہن، چچا، ماموں، خاندان علاقے کے لوگ اپنے پرائے مل کر رہتے ہیں لیکن حشر میں لوگ تقسیم کر دیے جائیں گے بدکار، بددیانت اپنے جیسوں کے ساتھ ہوں گے۔ مشرک مشرکوں کے ساتھ، کافر، کافروں کے ساتھ ہوں گے۔ نیک نیکوں کے ساتھ، روزہ دار روزہ داروں کے ساتھ ہوں گے۔ وہاں عقیدے، عمل اور کردار پر تقسیم ہوگی۔ جس نے کفر کیا وہ کافروں میں کھڑا ہوگا۔ وہی اس کا خاندان ہوگا۔

وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿۴۴﴾ اور جو نیک عمل کر رہا ہے سو یہ لوگ اپنے لیے سامان کر رہے ہیں۔ اور جو لوگ نیک ہیں، نیکیاں کرتے ہیں وہ بھی کسی پر احسان نہیں کر رہے اپنا ہی بھلا کر رہے ہیں۔ اپنے ہمیشہ کے گھر کے لیے سامان رکھ رہے ہیں۔ جو لوگ اللہ کریم کی اطاعت کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے ہیں وہ اپنے آخرت کے اور ہمیشہ کے گھر کے لیے سامانِ راحت جمع کر رہے ہیں۔ اپنے آخرت کے گھر کے لیے اہتمام کر رہے ہیں۔

اللہ کی عطا اس کی اپنی شان کے مطابق ہے:

فرمایا: لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ۔۔۔ تاکہ وہ (اللہ) ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اپنے فضل سے صلہ عطا فرمائے۔ اللہ کریم نیک لوگوں کو اُن کے اعمال کا اجر کئی گنا بڑھا کر عطا کریں گے۔ نیک اعمال کا اجر و ثواب اپنی جگہ لیکن اللہ کریم کا فضل اپنی شان کے مطابق ہوگا۔ اپنی مہربانی سے بے پناہ عطا کرے گا۔

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾ بے شک وہ کافروں کو پسند نہیں فرماتا۔ اللہ رب العالمین بے شک کافروں کو پسند نہیں فرماتا لیکن اس کی شانِ کریمی ہے کہ کافر کو اس کے کفر کی، گناہگار کو اس کے گناہ کی اتنی ہی سزا ملے گی جتنا اس نے جرم کیا ہے۔

رحمتِ باری پر شکر:

فرمایا: وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ ہواؤں کو خوش خبری دے کر بھیجتا ہے اور تا کہ تم کو اپنی رحمت (کا مزہ) چکھائے اور تا کہ کشتیاں (بحری سواریاں) اس کے حکم سے چلیں اور تا کہ تم اس کی روزی میں سے تلاش کرو تا کہ تم شکر کرو۔

ہر اک شئے اللہ کی عظمت کی طرف متوجہ کر رہی ہے۔ بارش کو ہی دیکھ لیں۔ زمین اور زمینی حیات بارش پر منحصر ہے۔ یہ حیات تقسیم کرنے کا سبب ہے۔ ایک سال بارشیں نہ ہوں تو زمین ویران ہو جاتی ہے۔ قحط سالی آ جاتی ہے رب ایسا کریم ہے کہ انسانی ضروریات کے پورا کرنے کے اسباب کو ایک نظام میں پرو رکھا ہے۔ ہمیں علم ہو یا نہ ہو لیکن سورج زمین کو حرارت بخش رہا ہے۔ ہمیں کوئی علم نہیں کہ کہاں بخارات بن رہے ہیں، کہاں ہوا کے دوش پر ٹنوں پانی سوار ہے۔ جب پُروا چلتی ہے تو ہمیں پتا چلتا ہے کہ اس میں خنکی ہے۔ بارش آنے کو ہے۔ کہیں بارش ہو رہی ہو تو اس کی ٹھنڈک ہوا میں آ جاتی ہے، مٹی پر بارش برسنے سے خوشبو پھیل جاتی ہے۔ ہوا اللہ کی عظمت کی گواہی دیتی ہے کہ اسے اللہ نے پانی سے بھر کر تمہاری طرف بھیجا ہے۔ حیات سے بھر کر بھیجا ہے۔ اس طرح وہ اپنی رحمت تم پر نچھاور کرتا ہے۔ بارشیں برستی ہیں تو زمین کی پیداوار اُبل پڑتی ہے۔ پھل، غلّہ، دوا ہر چیز مہیا ہو جاتی ہے۔

فرمایا، اسی طرح اللہ نے تمہیں سمندری جہازوں کے بنانے کا شعور عطا فرمایا۔ اسی کی دی ہوئی عقل و خرد سے، اس کی عطا کردہ استعداد سے، اسی کی دی ہوئی اجازت سے تم نے پورے شہر جتنے بڑے جہاز بنا لیے جنہیں تم سمندروں میں جہاں چاہو دوڑاتے پھرتے ہو۔ یہ ساری نعمتیں اس لیے دی ہیں کہ اللہ کا پھیلایا ہوا رزق اپنے لیے تلاش کرو۔ رازق تو صرف اللہ ہے۔ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے اس نے تقسیم کر دیا۔ ہر ایک کا رزق اس تک پہنچتا ہے جو اس کا مقدر ہے لیکن انسان کو اللہ نے اس ذمہ داری کا مکلّف بنایا ہے کہ وہ حصولِ رزق کے لیے جائز اور حلال وسائل استعمال کرے۔ اس سے یہ دیکھنا مقصود ہے کہ وہ جائز اور حلال وسائل پر رہتا ہے یا اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے، چوری ڈاکے اور ناجائز و حرام ذرائع اختیار کرتا ہے۔

فرمایا، اللہ کریم نے اپنی نعمتیں ارزاں کر دیں تا کہ تم اس کا شکر ادا کرو۔ دراصل جذبۂ شکر اللہ کی اطاعت سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ نافرمانی کر کے تو اندر ایک خوف سمایا رہتا ہے۔ چوری ڈاکہ کر کے تو شکر کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا۔ اللہ کی فرماں برداری دل کو سکون و طمانیت بخشتی ہے۔ بندے کے دل میں شکر پیدا ہوتا ہے کہ یا اللہ! آپ نے مجھے

اس کی توفیق دی۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا۔ آپ کی اطاعت کی۔ اور آپ کا کتنا احسان ہے کہ آپ نے مجھے دُنیوی نعمتیں بھی دیں اور دُنیوی نعمتوں کو جائز وسائل سے حاصل کرنے کی توفیق بھی دی۔

آج ہمارے مزاج اُلٹ گئے ہیں اس لیے اللہ کریم کی ہزاروں نعمتیں استعمال کرتے ہوئے بھی ہمارے اندر جذبہء شکر پیدا نہیں ہوتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد پاک کا مفہوم ہے کہ دُنیوی اسباب کے لحاظ سے اپنے سے نیچے والے کو دیکھو اور دین کے حساب میں اپنے سے اوپر والے کو دیکھو کہ اس نے کتنی نیکیاں کمالیں اور تم کتنے پیچھے رہ گئے۔ ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے اس ترتیب کو الٹ دیا ہے۔ دنیا کے حساب سے ہم اپنے سے اوپر والے کو دیکھتے ہیں اور پھر اسے پانے کی دوڑ میں لگ جاتے ہیں۔ جذبہء شکر پیدا ہی نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے کسی کو زیادہ رزق دے دیا ہے کسی کو اس کے مقابلے پر کم دے دیا ہے۔ اس میں ہر ایک کی آزمائش ہے کہ وہ اللہ کی تقسیم پر راضی رہتا ہے یا ناجائز ذرائع کی راہ اپنا لیتا ہے۔

اسلام کے اصول کے مطابق تو یہ ہے کہ جس کو جو دیا ہے وہ اس میں اللہ کی اطاعت کرے۔ شکر ادا کرے تا کہ سکون سے زندہ رہ سکے۔ مولوی سعدیؒ کی حکایات میں سے یہ ایک حکایت ہے کہ وہ سفر کر رہے تھے۔ اُن کے جوتے ٹوٹ گئے اور وہ ننگے پاؤں چل رہے تھے۔ کسی مسجد میں نماز پڑھی، باہر نکلنے لگے تو دل میں خیال گزرا کہنے لگے کہ یا اللہ میں تو ایسا مجبور ہوں کہ سب لوگ تو جوتے پہن رہے ہیں اور میں ننگے پیر ہوں۔ میرے پاس تو جوتا بھی نہیں۔ اسی سوچ میں تھے کہ معاً ایک شخص پر نگاہ پڑی جس کا ایک پاؤں ہی نہیں تھا۔ کہتے ہیں، میں نے فوراً توبہ کی کہ یا اللہ! شکر ہے میرے پاس پاؤں تو ہیں۔

فرمایا: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ اور یقیناً ہم نے آپ سے پہلے بھی پیغمبر ان کی قوموں کی طرف بھیجے پس وہ ان کے پاس نشانیاں (معجزات) لے کر آئے سو ہم نے ان لوگوں سے انتقام لیا جو گناہ کرتے تھے اہلِ ایمان کا غالب کرنا ہمارے ذمہ تھا۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی دنیا پر بہت سے پیغمبرؑ بھیجے گئے وہ اللہ کی طرف سے بہت واضح دلائل اور معجزات لے کر آئے۔ انہوں نے انسانوں کے لیے اللہ کا دروازہ کھول دیا۔ اللہ کی طرف آنے کے لیے راہنمائی فرمائی۔ اللہ کے رسولؑ کی تعلیمات ہی سب سے بڑا معجزہ ہوتی ہیں کہ جب سارے عالم میں فساد پھیل جائے۔ سارا ماحول آلودہ ہو جائے۔ جب لکھنے پڑھنے میں بھی بدتہذیبی ہو۔ ذرائع ابلاغ میں فحاشی ڈیرہ ڈال لے۔ جب تعلقات میں خرابیاں آ جائیں۔ جب معاملات میں لوٹ مار عام ہو۔ جب عدالتوں میں رشوت کا بازار گرم ہو

جائے اور سارے معاملات بگڑ کر ہر طرف تاریکی ہو جائے۔ اُس تاریکی میں روشنی ہوتی ہے نبیؑ کی تعلیم۔ اس لیے انبیا کی تعلیمات ہی اُنؑ کا سب سے بڑا معجزہ تھا۔ واقعتاً یہ کتنا مشکل کام ہے کہ کفر و شرک، ظلم و جور بے انصافی جیسی غلاظتیں پھیل جائیں اور اس ساری غلاظت کو ہٹا کر وہاں سیدھا صاف راستہ اور راہیں روشن کر دینا ہی سب سے بڑا معجزہ ہے۔ جب انبیاؑ و رسلؑ آئے۔ ہر ایک کے لیے توبہ کا دروازہ کھول دیا۔ واضح اور روشن دلائل پیش کیے تو جو لوگ اس سب کے باوجود برائی پر جمے رہے تو اللہ نے ان سے انتقام لیا۔ ان کے گناہوں کے سبب ان سے بدلہ لیا۔ اور یہ اس لیے ضروری تھا کہ اللہ ایمان والوں کی مدد کرتے۔ فرمایا، ہم نے انبیاؑ کی زبانی جب مومنین سے وعدہ کیا تھا کہ ہم اُن کی مدد کریں گے تو ان کی مدد کرنا ہمارے ذمہ تھا۔ دو فریق تھے۔ ایک مومن دوسرے کافر۔ ایک فریق کی مدد کریں گے تو ظاہر ہے کہ دوسرے کو نقصان ہوگا۔ جب ہم نے مومنین کی مدد کی تو کفار کو تباہ ہونا پڑا۔ وہ برباد ہو گئے۔

وہ ایسی ذات ہے جو ہر چیز پر قادر ہے:

اللہ وہ ذات ہے جس کے ہاتھ میں نظامِ کائنات ہے۔ قدرتِ باری کے اس قدر مظاہر ہیں جو اس کی عظمت پر گواہ ہیں۔ انسان ان مظاہر کو دیکھتا ہے تو سمجھتا ہے کہ ہوا بادلوں کو اڑائے پھر رہی ہے۔ بادل بارش برسا رہے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے ہوا بھی اللہ ہی بھیجتا ہے۔ ہوا کا اختیار نہیں اور نہ بادل کے بس میں ہے کہ جہاں چاہے بارش برسا دے۔ ایک ایک قطرہ اللہ کے حکم کا پابند ہے۔ جہاں اللہ چاہے گا وہیں برسے گا۔

فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ كَیْفَ یَشَآءُ وَیَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ۔۔۔ اللہ وہ ہیں جو ہوائیں بھیجتے ہیں پھر وہ بادلوں کو اٹھا لیتی ہیں پھر اللہ ان کو جس طرح چاہتے ہیں آسمان میں پھیلا دیتے ہیں اور (پھر) اس کو تہہ بہ تہہ کر دیتے ہیں پھر تم مینہ کو دیکھتے ہو کہ اس کے اندر سے نکلتا ہے۔

بے شک وہی واحد و لاشریک ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے جو بادلوں کو اٹھا لیتی ہیں۔ انہیں آسمان میں پھیلا دیتی ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جدھر دیکھو بادل ہی بادل ہوتے ہیں سورج نظر نہیں آتا۔ کبھی خوب دھوپ چمک رہی ہوتی ہے لیکن آناً فاناً بادل آ جاتے ہیں۔ پتا نہیں چلتا کہ کہاں سے آ گئے۔ ہوا ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ یہ سارا کچھ بلا انتظام نہیں ہوتا۔ ہوا از خود کچھ نہیں کرتی نہ بادل ہی کرتے ہیں۔ سب اللہ کے حکم کے تحت ہوتا ہے۔ اللہ ہی ہیں جو بادلوں کو تہہ در تہہ بناتے ہیں۔ ایک تہہ سیاہ ہوتی ہے اس کے اوپر سفید۔ اس پر جب سورج کی کرنیں پڑتی ہیں تو وہ سرخ نظر آتی ہے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ پانی بھاپ بن کر سمندر سے اٹھا، بادل بنے۔ بادل ہواؤں کے دوش پر سوار ہوئے اور آسمان میں پھیل گئے لیکن وہی قطرہ برسے گا جسے اللہ حکم دے گا

اور وہیں برسے گا جہاں برسنے کا حکم اسے اللہ دے گا۔

فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ پھر جب وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں پہنچا دیتے ہیں تو بس وہ خوش ہو جاتے ہیں۔ بارش حیات کا سبب ہے۔ اللہ کریم جہاں چاہتے ہیں وہاں برسا کر لوگوں کے رزق کا سبب بنا دیتے ہیں۔ ان کی زمینیں سونا اُگلنے لگتی ہیں۔ وہ بہت خوش حال ہو جاتے ہیں۔ اللہ کے دیے پر بہت خوش ہوتے ہیں۔

وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿۴۹﴾ اور یہ لوگ اس سے پہلے کہ ان پر (مینہ) برسے (اس سے) مایوس تھے۔

انسان کا مزاج ہے کہ حالات سے جلد پریشان ہو جاتا ہے۔ جب بارشیں رک جاتی ہیں۔ سبزہ مرجھا جاتا ہے۔ جانوروں کے چارے کے لیے کچھ باقی نہیں رہتا۔ جب انسانوں کی غذائیں ناپید ہونے لگتی ہیں۔ مہنگی اور کمیاب ہو جاتی ہیں تو لوگ مایوس ہو جاتے ہیں کہ اب کیسے گزارہ ہوگا۔ پھر جب اللہ مہربانی کرتے ہیں۔ خوشخبری کی ہوائیں بھیج دیتے ہیں تو ہر طرف زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ بارش کے سبب شادابی ہو جاتی ہے پھر بھی ہم شکر نہیں کرتے۔

فرمایا: فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾ سو رحمتِ الٰہی کے آثار دیکھو! اللہ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد کیسے زندہ فرماتے ہیں بے شک وہی مردوں کو زندہ کرنے والے ہیں اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والے ہیں۔

فرمایا، اپنے پروردگار کی رحمت کے نمونے دیکھو! زمین مردہ ہو چکی تھی۔ اس کے ذرے خشک ہو کر بکھر رہے تھے۔ فضا میں ایک دھند چھائی ہوئی تھی۔ سبزہ نام کو نہیں تھا۔ ہر شے پر مُردنی چھائی ہوئی تھی۔ اللہ نے بارش برسا کر مردہ زمین کو ہرا بھرا کر دیا۔ یہی قادر، مالک حقیقی مُردوں کو بھی دوبارہ زندہ کرے گا۔ تمہارے سامنے ہزاروں پتے خشک ہو کر فنا ہو جاتے ہیں اور موسم آنے پر درخت پھر سے نئے پتوں سے ڈھک جاتے ہیں۔ تخلیق کا عمل بھی جاری ہے اور فنا کا عمل بھی جاری ہے۔ ہر چیز فنا بھی ہو رہی ہے اور تخلیق بھی ہو رہی ہے۔ یہ عمل مسلسل جاری ہے۔ تم بھی مر جاؤ گے۔ وہ پھر تمہیں زندہ کر دے گا۔ صرف وہی ایک ذات ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے اور تمہارے سامنے ہے کہ وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔

فرمایا: وَلَىِٕنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾

اور اگر ہم ان پر ہوا چلائیں تو یہ لوگ اس (کھیتی) کو (اس کے سبب) زرد ہوتا ہوا دیکھیں تو ضرور اس کے

بعد ناشکری کرنے لگیں۔

انسانی کمزوریوں کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ کمزور ایمان والے یا ایمان نہ رکھنے والے کا یہ حال ہے کہ اللہ کریم بارش برساتے ہیں اس کے سبب پر خوشحال ہو جاتے ہیں تو اپنی کھیتیوں اور باغوں کی شادابی سے بڑے خوش ہوتے ہیں لیکن اگر اس پر اللہ ایسی ہوا چلا دے جس سے کھیتیاں زرد ہو جائیں تو پھر اللہ کی ناشکری کرنے لگتے ہیں۔ گویا ایسے لوگوں کا اللہ سے تعلق دُنیوی نعمتوں کے حصول تک ہی ہوتا ہے۔

انسان کی اصل منزل تو عاقبت و آخرت ہے لیکن اس کے لیے ایمان شرط ہے۔ ایمان میں کمزوری ہو یا سرے سے ایمان ہی نہ ہو تو بندہ صرف دنیا کا ہی ہو کر رہ جاتا ہے۔ جب تک دنیا ملتی رہے خوش رہتا ہے۔ دُنیوی مال میں یا دُنیوی نعمتوں میں کمی آجائے تو اللہ کی ناشکری پر اتر آتا ہے۔

دنیا ایک راستہ ہے آخرت تک پہنچنے کے لیے ایک راہ گزر ہے۔ دنیا میں بھٹک گیا اخروی ناکامی سے دوچار ہوگا۔ دنیا میں ایمان پر ثابت قدم رہا تو اخروی کامیابی پالے گا۔ دنیا میں رہتے بستے ہوئے اپنے اصل مقصد، آخرت کی ابدی و دائمی زندگی کو پانے کے لیے صراط مستقیم پر گامزن رہنا ہی اصل کام ہے۔ لیکن کمزور ایمان والے یا بغیر ایمان کے لوگ تعلقاتِ باری کا مدار دُنیوی امور پر رکھتے ہیں۔ دُنیوی نعمتیں ملیں تو راضی ورنہ ناخوش حالانکہ دُنیوی امور کے بارے اللہ کا اپنا ایک طے شدہ نظام ہے۔ ہر شَے کا پروگرام طے شدہ ہے۔ اور یقیناً سارا نظام انسان کی بھلائی کے لیے ہے۔ اِلّا یہ کہ انسان اپنے کردار کی خرابی کی وجہ سے کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے۔

حق یہ ہے کہ اللہ کریم سے وہ تعلق چاہیے کہ بندہ ہر حال میں اللہ کو رحیم و کریم جانے کہ اس کے فیصلے حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔ ہر فیصلے میں رحمت ہوتی ہے۔ ہم پر جو بیماریاں یا دکھ آتے ہیں ان کے طفیل وہ ہم پر بہت مہربانی فرماتا ہے۔ بہت سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ بہت سی نیکیوں کا درجہ مل جاتا ہے لیکن ان باتوں کا اندازہ تب ہو جب بندے کا مقصد آخرت ہو۔

اللہ کریم نے انسانوں کی ہدایت کے لیے، اللہ کریم سے تعلق جوڑنے کے لیے سب سے اعلیٰ انتظام یہ فرمایا کہ اپنے انبیاؑ مبعوث فرمائے۔ اپنے اپنے وقت میں ہر نبیؑ نے نوعِ انسان کو اللہ کریم کی بارگاہ میں حاضری کی دعوت دی اور اس کے لیے مکمل راہنمائی فرمائی۔ آخر میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور اس شان سے مبعوث ہوئے کہ نبوت مکمل ہوگئی۔ کسی نبی کے آنے کی ضرورت باقی نہ رہی۔ یہ آخری دلیل تھی اللہ کریم کی طرف جو سارے عالم کے لیے بہت بڑی دلیل ہے یعنی کامل و اکمل ہستی صلی اللہ علیہ وسلم۔ لیکن بدنصیب

لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اللہ سے تعلق قائم ہی نہ کیا۔ وہ کون لوگ ہیں جو اللہ سے تعلق قائم نہیں کرتے؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کی روحیں مردہ ہیں۔

فرمایا: فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى ۔۔۔سو یقیناً آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ فرمایا، ان لوگوں کا مسئلہ یہ ہے کہ ان کی روحیں مردہ ہیں۔ میت کو آپ وعظ کرتے رہیں، اچھا، بُرا بتاتے رہیں اُسے کیا فائدہ ہوگا؟ اب وہ کچھ کر نہیں سکتا۔ اس کا عمل کا موقع ختم ہو گیا۔ ایسے لوگ مادّی زندگی گزارتے ہیں لیکن ان کے بدن ایک چلتی پھرتی قبر ہوتے ہیں۔ یہ چلتی پھرتی قبریں حق بات نہیں سنتی۔ اُن کو بتاتے رہیں کہ یہ بھلا ہے یہ بُرا ہے وہ مُردوں کی طرح سننے سے محروم رہتے ہیں۔ 'اسماع' سے مراد وہ سننا ہے جو نافع ہو۔ 'سماع' محض سننے کو کہتے ہیں۔ اسماع وہ سننا ہے جسے سن کر بندہ سمجھ لے اور بھلائی کے کام کر سکے۔ یہاں یہی فرمایا جا رہا ہے کہ آپ انہیں بھلائی، برائی کا فرق نہیں سمجھا سکتے اس لیے کہ ان کی روحیں مر چکی ہیں۔ میت کو آپ سمجھاتے رہیں کہ اس کام میں فائدہ ہے اور اس میں نقصان ہے تو وہ کیا سمجھے گی؟

زندہ انسان کے بدن کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں کہ کبھی بے ہوش ہوتا ہے کبھی اس کی عقل کام نہیں کرتی اور وہ بات صحیح طرح سمجھ نہیں سکتا لیکن اس میں حیات ہوتی ہے۔ حیات سے مراد یہ ہے کہ بندہ اپنا بھلا بُرا سوچ سکے۔ اپنے بھلے کے لیے کام کر سکے اپنے نقصان سے بچ سکے۔ اور جو اپنا بھلا بُرا نہ سوچ سکتا ہو نہ اس کے لیے کچھ کر سکے تو وہ مردہ ہوتا ہے۔ بدن بھی جب تک زندہ ہے اپنی حفاظت، اپنی بہتری کے لیے کوشش کرتا رہتا ہے۔ جب مردہ ہو جائے تو وہ کوئی خواہش کر سکتا ہے نہ کسی کو مشورہ دے سکتا ہے۔ اب اُسے دفن کر دیں یا محل میں رکھ دیں وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ جس طرح بدن کی مختلف حالتیں ہیں۔ اسی طرح روح کی بھی حالتیں ہیں۔ روح کی حیات کا انحصار نورِ ایمان پر ہے۔ ایمان کامل و مکمل ہوتا ہے تو اپنی بھلائی برائی کو خوب سمجھتا ہے اور خوب دیکھ بھال کر نقصان سے بچتا اور بھلائی حاصل کرتا ہے۔ جب ایمان میں کمی آجائے تو اس میں بھلائی برائی کا شعور کم ہو جاتا ہے۔ غفلت زیادہ ہو جائے تو بے ہوش شخص کی طرح بے سدھ ہو جاتا ہے اور بالآخر یہ خطرہ ہوتا ہے کہ مر ہی نہ جائے۔

فرمایا: وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۲﴾ اور نہ بہروں کو آواز سنا سکتے ہیں جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں۔ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِى الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۔۔۔اور آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے راہ پر نہیں لا سکتے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ جس کی قوتِ سماعت ہی ختم ہو جائے وہ کیا سُنے؟ یہاں بہروں سے مراد وہ ہیں جنہیں اللہ نے قوتِ سماعت دی لیکن انہوں نے اسے حق سننے سے بند کر دیا۔ ایک تو بہرہ ہو جائے پھر پیٹھ پھیر کر چل دے اور اسے آپ کی بات سننے میں کوئی دلچسپی بھی نہ ہو تو آپ اُسے کیا سنائیں گے؟

اس آیت میں سماعِ موتیٰ کی بات نہیں ہے۔ یہاں زندہ لوگوں کی بات ہورہی ہے۔ ایمان سے محروم لوگوں کی بات ہورہی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی بات بھی نہیں سنتے۔ ایک تو ان کی ارواح مردہ ہیں۔ سن کر، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی قوت سے محروم ہیں۔ پھر انہوں نے حق سننے سے اپنے کان بند کر رکھے ہیں یعنی بہرے ہیں پھر پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں۔ اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم) اس شخص کو راہِ راست پر نہیں لا سکتے جس نے اپنی نگاہ ہی ختم کر دی ہو۔ اندھا ہو چکا ہو۔

اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾ آپ تو بس ان کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں سو وہی فرماں بردار ہیں۔

ہاں! آپ اسے سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان رکھتا ہو۔ اللہ کریم کی عظمت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی صداقت کو قبول کرتا ہو۔ اس آیۂ مبارکہ میں جو تقابل کیا گیا ہے اس سے بھی یہ سمجھ آتی ہے کہ یہاں مُردے مراد نہیں غیر مسلم مراد ہیں کیونکہ اسلام کے بغیر روح مردے کی مانند ہوتی ہے کہ بدن کو زندہ رکھتی ہے لیکن اپنی خامی خوبی، نفع نقصان سے بے خبر ہوتی ہے۔ فرمایا، جس کی روح مردہ پڑی ہے جس نے اپنی قوتِ سماعت سے حق سننے کی استطاعت ہی ختم کر دی ہے۔ جو حق سننا چاہتا ہی نہیں پشت پھیر کر چل دیتا ہے۔ حق کی کسی دلیل کو دیکھنا ہی نہیں چاہتا اُسے آپ کیا سنائیں گے۔ اللہ کریم کا کمالِ احسان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت نے دلائل مکمل کر دیے۔ اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا جس سے یہ سن کر سمجھ سکیں اور یہ منکرین اللہ کریم کی اتنی بڑی نعمت سے خود کو محروم کیے ہوئے ہیں۔

یقیناً آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم) ان کو سنا سکتے ہیں جن میں نورِ ایمان ہو، جو مسلمان ہوں۔

سورۃ الروم رکوع 6 آیات 54 تا 60

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ﴿۵۴﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۚ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾

اللہ وہ ہیں جس نے تم کو (ابتداً) کمزور حالت میں پیدا فرمایا، پھر کمزوری کے بعد قوت عطا فرمائی پھر قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا وہ جو چاہتے ہیں پیدا فرماتے ہیں اور وہ جاننے والے (اور) قدرت (قوت) رکھنے والے ہیں ﴿۵۴﴾ اور جس روز قیامت قائم ہوگی مجرم لوگ قسمیں کھائیں گے کہ وہ (دنیا اور برزخ میں) گھڑی بھر سے زیادہ نہیں رہے۔ وہ اسی طرح الٹے چلا کرتے تھے ﴿۵۵﴾ اور جن لوگوں کو علم اور ایمان عطا ہوا ہے وہ کہیں گے کہ اللہ

کی کتاب کے مطابق یقیناً تم قیامت تک رہے ہو پس یہ قیامت کا دن ہے ولیکن تم کو تو (اس کا) یقین ہی نہیں تھا ﴿۵۶﴾ غرض ظالموں کو اُس دن ان کا عذر نفع نہ دے گا اور نہ اُن سے توبہ قبول کی جائے گی ﴿۵۷﴾ اور بے شک ہم نے لوگوں (کو سمجھانے) کے لیے اس قرآن میں ہر طرح کی مثال بیان فرما دی ہے اور اگر آپ ان کے پاس کوئی نشانی (معجزہ) لے آئیں تو کافر ضرور یہی کہیں گے کہ آپ غلط کہہ رہے ہیں ﴿۵۸﴾ جو لوگ یقین نہیں کرتے اللہ ان کے دلوں پر یونہی مہر کر دیا کرتے ہیں ﴿۵۹﴾ پس آپ صبر کریں بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ لوگ جو یقین نہیں لاتے آپ کو سبک (ہلکا) نہ کر دیں ﴿۶۰﴾

تفسیر و معارف

اللہ کی صنّاعی اس کی عظمت پر گواہ ہے:

فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَیْبَةً ۔۔۔ اللہ وہ ہیں جس نے تم کو (ابتداً) کمزور حالت میں پیدا فرمایا، پھر کمزوری کے بعد قوت عطا فرمائی پھر قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا۔

اللہ وہ قادر و کریم ہے جس نے تمہیں انتہائی ضعف کی حالت میں پیدا فرمایا۔ بڑے طویل مراحل سے تمہارے ذراتِ بدن کو گزارا۔ انہیں کہاں کہاں سے اکٹھا کیا۔ انہیں کیا کیا بنایا، کہیں غلّہ بنا کہیں پھل، کہیں سرسبز گھاس۔ جانوروں نے گھاس کھا کر دودھ دیا۔ اُن کا گوشت اور دودھ تم تک پہنچا۔ تمہارے وجود میں انتہائی باریک سیلز (Cells) جمع فرمائے۔ ان کا نطفہ بنایا، نطفے سے گوشت کا لوتھڑا بنایا پھر اس پر کھال چڑھائی، اس میں ہڈیاں پیدا کیں، انسانی جسم بنایا، اس میں روح ڈالی۔ جب وہ دنیا میں آیا تو بہت کمزور تھا۔ اپنا کوئی کام خود نہیں کر سکتا تھا۔ اللہ کریم نے دیکھ بھال کرنے، پالنے، پرورش کرنے کے لیے والدین عطا کر دیے۔ رزق پہنچاتا رہا، قوت دیتا رہا۔ رفتہ رفتہ وہ ننھا منا بچہ کڑیل جوان بن گیا۔ کہیں وہ جرنیل بنا، کہیں بادشاہ، کہیں جفاکش نوجوان، کہیں بھرپور جوان۔ پوری انسانی قوت دینے کے بعد اللہ نے تم پر کمزوری بھیج دی اور تم واپس کمزوری کی طرف لوٹنے لگے۔ تم پر بڑھاپا آ گیا، کھانا کم ہو گیا دوائیں زیادہ ہو گئیں اور مزاج بھی بچوں جیسا کر دیا۔

يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ﴿۵۴﴾ وہ جو چاہتے ہیں پیدا فرماتے ہیں اور وہ جاننے والے (اور) قدرت (قوت) رکھنے والے ہیں۔ فرمایا، وہ جو خالقِ کائنات ہے وہ ہر چیز کو سب سے بہتر جانتا ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں کہ کوئی اسے بتائے گا تو پتا چلے گا۔ اسے یہ بھی کوئی احتیاج نہیں کہ اسے کسی کو کام کرنے کے لیے کہنا پڑے۔ وہ خود قادر ہے، قدیر ہے۔ ہر کام اس کی قدرت سے ہوتا ہے۔ وہ قوت رکھنے والا، طاقتور ہے۔ جس طرح تمہارے اپنے بدن میں اس کا نظام جاری ہے اور تمہاری وہاں کوئی مداخلت نہیں اسی طرح تمہاری روزی، رزق اور کاروبارِ حیات میں بھی اُسی کا حکم چلتا ہے۔ کسی کو کم دیتا ہے تو اس کے لیے اس وقت یہی مناسب ہے۔ جہاں کشائش دیتا ہے وہاں دینا مناسب ہے لہٰذا اللہ سے ایسا رشتہ نہ رکھو کہ کچھ ملتا رہے تو کہو کہ اللہ بڑا کریم ہے اور ذرا سی رکاوٹ آجائے تو کفرو ناشکری کرنے لگو۔ وہ رحمان و رحیم کریم ہے اس پر بھروسہ اور اعتماد رکھو اور ہر حال میں اس کا شکر ادا کرو۔ ہر حال میں اس کا شکر کر کے ہی اس کے ساتھ تعلق قائم رکھ سکتے ہو۔ وہ قادر کریم ہر کام کی ابتدا، انتہا، اس کے ذرائع اور اس کے نتائج سب سے آگاہ ہے۔ وہ سب کچھ جانتا ہے۔ تم کچھ نہیں جانتے۔ تمہارا عالم تو یہ ہے کہ تمہارے جسم میں درد ہو تو تم ڈاکٹر کے پاس جا کر پوچھتے ہو کہ کیا مسئلہ ہے! وجود تمہارا ہے تو خود کیوں نہیں جان لیتے؟ جب تمہیں اپنے آپ کی پوری خبر نہیں تو تم کائنات کے معاملات میں مداخلت کیوں کرتے ہو کہ وہاں ایسا ہونا چاہیے۔ وہاں وہ نہیں ہونا چاہیے۔ وہ بہتر جانتا ہے اور جو وہ کرتا ہے وہی بہتر ہوتا ہے، وہی درست ہوتا ہے، تمہیں تو اپنے اس وقت کی تیاری کرنا چاہیے جو تمہارے سامنے آرہا ہے۔

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ۔۔۔ اور جس روز قیامت قائم ہوگی مجرم لوگ قسمیں کھائیں گے مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ۔۔۔ کہ وہ (دنیا اور برزخ میں) گھڑی بھر سے زیادہ نہیں رہے۔ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾ وہ اسی طرح اُلٹے چلا کرتے تھے۔

جرم کیا ہے؟ اللہ کی نافرمانی کا نام جرم ہے۔ اطاعتِ الٰہی کا نام عبادت ہے۔ جہاں جہاں کوئی دامنِ رسالت کو چھوڑے گا اللہ کی نافرمانی کرے گا یعنی جرم کرے گا وہ مجرم ہوگا۔ یہ مجرم لوگ کہیں گے ابھی آنکھ بند ہوئی، کل دنیا سے نکلے اور آج ہی قیامت قائم ہوگئی۔ اگرچہ برزخ میں بھی مجرم عذاب میں ہوں گے لیکن قیامت کی شدت اتنی ہوگی کہ انہیں برزخ کے عذاب بھول جائیں گے خواہ وہ صدیوں برزخ میں رہے ہوں۔ جس طرح آج وہ اُلٹا سوچ رہے ہیں اسی طرح وہ دنیا میں اُلٹا چلا کرتے تھے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۚ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ ۔۔۔اور جن لوگوں کو علم اور ایمان عطا ہوا ہے وہ کہیں گے کہ اللہ کی کتاب کے مطابق یقیناً تم قیامت تک رہے ہو۔

اہلِ ایمان ان لوگوں سے کہیں گے کہ اللہ نے تمہیں ایک معیّن عرصہ دنیا میں رکھا پھر مقررہ وقت تک برزخ میں رکھا۔ مدتیں گزر گئیں، صدیاں گزر گئیں اور اللہ کی کتاب کے مطابق، اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آن پہنچا۔ آج تم قیامت کے میدان میں پہنچ گئے ہو۔ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ ولیکن تم کو تو (اس کا) یقین ہی نہیں تھا۔ دارِ دنیا میں جہاں ان حقائق کو ماننے کا وقت تھا۔ جہاں آخرت کی تیاری کرنا تھی وہاں تم نے کسی کی بات ہی نہ سنی۔ آخرت کو مانا ہی نہیں۔ اس کی تیاری کا سوچا ہی نہیں۔ آج تمہیں ہر چیز عجیب لگ رہی ہے۔ یقیناً وہ بڑا سخت دن ہوگا۔ اس دن پکار پکار کر کہیں گے کہ ہم توبہ کرتے ہیں۔ تیری عظمت کو مانتے ہیں۔ تیرے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مانتے ہیں۔ تیری کتاب پر ایمان لاتے ہیں۔ آج ہمارے گناہ معاف کر دے۔ فرمایا: فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾ غرض ظالموں کو اس دن ان کا عذر نفع نہ دے گا اور نہ اُن سے توبہ قبول کی جائے گی۔

فرمایا، وہ ایسا دن ہوگا جس دن ظالموں کی کوئی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ جب تک وہ اس دنیا میں رہے اللہ کریم نے کوئی پابندی نہیں لگائی کہ جو گناہ تم کر چکے ہو اُن میں سے فلاں کی معافی نہیں ہو سکتی بلکہ فرمایا کہ جو گناہ بھی کر چکے ہو اُن کے لیے خلوصِ دل سے توبہ کر لو سب معاف ہو سکتا ہے۔ لیکن موت آئی تو دارِ عمل سے تعلق منقطع ہو گیا۔ قیامت میں توبہ و معذرت کا کون سا موقع ہے! وہ لوگ اس دن طرح طرح کے بہانے کریں گے کہ ہمیں تو لوگوں نے بھٹکا دیا۔ ہمارے حکام ہی ایسے تھے۔ ہم اُن کے پیچھے چلتے رہے لیکن اس دن ان کا کوئی بہانہ نہیں چلے گا اور نہ کوئی عذر معذرت قبول کی جائے گی۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ اور بے شک ہم نے لوگوں (کو سمجھانے) کے لیے اس قرآن میں ہر طرح کی مثال بیان فرما دی ہے۔

فرمایا، ہم نے قرآنِ حکیم عطا کر کے انسان کی راہ نمائی کے سارے اسباق مکمل کر دیے۔ اس میں مثالیں ہیں کہ کفر کا انجام دنیا میں کیا ہوا، آخرت میں کیا ہوگا۔ اس میں اوامر بھی ہیں اور نواہی بھی کہ یہاں نفع ہے اور وہاں سے بچو کہ وہ نقصان کی جگہ ہے۔ لیکن یہ ماننا ہی نہیں چاہتے فرمایا: وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ اور اگر آپ ان کے پاس کوئی نشانی (معجزہ) لے آئیں تو کافر

ضرور یہی کہیں گے کہ آپ غلط کہہ رہے ہیں۔

یہ ایسے بدنصیب ہیں کہ جب آپ ان کو کوئی دلیل دیتے ہیں تو یہ دلیل کا جواب دلیل سے نہیں دیتے۔ قرآن عظمتِ الٰہی کے دلائل دیتا ہے۔ زندگی کے انجام کی خبر دیتا ہے۔ قرآن صنعتِ باری پر غور وفکر کرنے کی دعوت دیتا ہے کہ ساری تخلیق کو دیکھ لو ہر چیز کا ایک نتیجہ ہے۔ کوئی تنکا بھی اُگتا ہے تو اس کا کوئی مصرف ہوتا ہے ہر جڑی بوٹی اپنی افادیت رکھتی ہے، کسی کی دوا بنتی ہے، کسی غذا کا حصہ بنتی ہے۔ فصل اُگتی ہے، پھل اُگتے ہیں تو اُن کا بھی ایک نتیجہ ہوتا ہے یعنی انسانوں کے استعمال میں آنا۔ جب ہر شئے کا ایک نتیجہ ہے تو کیا انسانی زندگی ہی بے نتیجہ ہے؟ جو سب سے قیمتی ہے۔ جس کی خدمت میں اللہ نے اپنی مخلوق کو لگا رکھا ہے۔ خود انسان کا بھی کوئی نتیجہ ہوگا تو اس کی خبر لو۔ قرآن نے تو دلائل سے ہر چیز کا ثبوت پیش کیا۔

جب یہ لاجواب ہو جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آپ غلط کہہ رہے ہیں۔ ان کا ایسا کہنا کوئی دلیل نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ان کے گناہ اتنے بڑھ گئے ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے: كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾ جو لوگ یقین نہیں کرتے اللہ ان کے دلوں پر یونہی مہر کر دیا کرتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں یہ سوال عرض کیا گیا کہ جب اللہ کسی پر مہر لگا دیں تو پھر وہ کفر پر رہا یا گناہ کرتا رہا تو اس کا کیا قصور ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مفہوم یہ ہے کہ مُہر ویسے ہی نہیں کر دی جاتی۔ فرمایا: إِذَا أَذْنَبَ الْعَبْدُ نُكِتَ فِي قَلْبِهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فَإِنْ تَابَ صُقِلَ مِنْهَا فَإِنْ عَادَ عَادَتْ حَتّٰى تَعْظُمَ فِي قَلْبِهِ (شعب الایمان)

فرمان نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مفہوم ہے کہ جب کوئی اللہ کی نافرمانی کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے، دین کے خلاف کام کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہی کا نقطہ بن جاتا ہے جسے صاف کرنے کے لیے توبہ ہے۔ اگر توبہ نہیں کرتا، مزید گناہ کرتا ہے تو ایک اور نکتہ بن جاتا ہے۔ یوں رفتہ رفتہ سارا دل سیاہ کر لیتا ہے تو اس پر اللہ مُہر کر دیتے ہیں کہ اب واپسی کا کوئی راستہ نہیں۔ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔ اس کی بھی ایک حد ہے کہ سارا قلب سیاہ ہونے سے پہلے پہلے توبہ کر لے۔ پورا دل سیاہ کر لینا ایسی ناشکری ہے کہ اللہ کریم اس پر مُہر کر دیتے ہیں۔

فرمایا: فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾ پس آپ صبر کریں بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ لوگ جو یقین نہیں لاتے آپ کو سبک (ہلکا) نہ کر دیں۔

یہاں بطفیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں سے خطاب ہے۔ فرمایا: فَاصْبِرْ ۔۔۔ پس آپ صبر

کریں۔ اردو میں صبر کا مکمل مفہوم ادا نہیں کیا جاتا۔ عموماً اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ کسی عزیز یا دوست کی وفات پر جزع فزع نہ کی جائے۔ شور شرابا نہ کیا جائے۔ صبر کے معنی ہیں رُک جانا۔ اصطلاحاً اس سے مراد یہ ہے کہ جس نے خود کو اللہ کی نافرمانی سے روک لیا اس نے صبر کیا۔ اس جگہ فَاصْبِرْ سے مراد ہے کہ صبر پر قائم رہو۔ دُنیوی نفع ونقصان کی پروانہ کرو۔ اخروی نقصان نہ ہونے دو اور ہر حال میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر جمے رہو۔

یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے کہ جو اطاعت پر قائم رہیں گے اللہ کریم انہیں بے پناہ نعمتوں سے نوازے گا۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے، سچا ہے لیکن انسانی روّیہ ہے کہ وہ دوسروں کی باتوں سے متاثر ہو جاتا ہے تو ارشاد ہو رہا ہے کہ اللہ پر ایمان نہ رکھنے والوں کی باتوں کی قطعاً پروانہ کریں۔

ہر شخص کو یہ فکر لاحق رہتی ہے کہ لوگ کیا کہیں گے۔ اس بات سے منع کیا جا رہا ہے کہ یہ نہ سوچو کہ لوگ کیا کہیں گے بلکہ یہ سوچو کہ جو بات میں نے کی ہے، جو کام میں نے کیا ہے اللہ کی بارگاہ میں اس کا نتیجہ پیش ہونا ہے۔ اس نتیجے کی فکر کرو۔ لوگوں کی باتوں میں نہ آؤ۔ لوگ تمہیں کہیں اللہ کی اطاعت سے دور نہ کر دیں۔ اپنی فکر کرو۔ اللہ کریم کا وعدہ برحق ہے، سچا ہے۔ آخرت قائم ہوگی۔ اللہ کے بندے نوازے جائیں گے۔ گناہ گاروں کو سزا ہوگی۔

سورۃ لقمٰن رکوع 1 آیات 1 تا 11

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳﴾
الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ
يُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ
عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۶﴾ وَاِذَا تُتْلٰى
عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ
فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ
جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ﴿۸﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ﴿۹﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ
اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَاۗبَّةٍ ۭ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً
فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۰﴾ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ
الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۱﴾

الٓمّٓ ﴿۱﴾ یہ حکمت سے بھری ہوئی کتاب کی آیتیں ہیں ﴿۲﴾ جو ہدایت اور رحمت ہیں خلوص سے نیکی کرنے والوں کے لیے ﴿۳﴾ جو نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ لوگ آخرت کا پورا یقین رکھتے ہیں ﴿۴﴾ یہ لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے سیدھے راستے پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے

ہیں ﴿۵﴾ اور لوگوں میں بعض ایسا (بھی) ہے جو بیہودہ باتیں خریدتا ہے تا کہ بے جانے بوجھے اللہ کی راہ سے گمراہ کرے اور اس کا مذاق اڑائے ایسے ہی لوگوں کو ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا ﴿۶﴾ اور جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ تکبر کرتے ہوئے منہ موڑ لیتا ہے جیسے اس نے ان کو سنا ہی نہیں جیسے اس کے کانوں میں بوجھ ہے سو اُسے دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجیے ﴿۷﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان کے لیے نعمت کے باغ ہیں ﴿۸﴾ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اور وہ غالب حکمت والے ہیں ﴿۹﴾ اس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے بنایا تم ان کو دیکھ رہے ہو اور زمین میں پہاڑ ڈال رکھے ہیں کہ وہ تم کو لے کر ڈولنے نہ لگے اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا رکھے ہیں۔ اور ہم نے آسمان سے پانی نازل فرمایا پھر زمین میں ہر قسم کے نفیس جوڑے اُگا دیے ﴿۱۰﴾ یہ تو اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں ہیں تو اب تم مجھے دکھاؤ کہ اس کے سوا جو (معبود) ہیں انہوں نے کیا کیا پیدا کیا ہے؟ بلکہ یہ ظالم لوگ صریح گمراہی میں ہیں ﴿۱۱﴾

تفسیر و معارف

سورۃ لقمٰن مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ مکی سورتوں کی خصوصیت ہے کہ ان میں زیادہ بحث عقائد پر ہے۔ مدنی سورتوں میں زیادہ بحث احکام اور اوامر و نواہی پر ہے۔

حضرت لقمان اللہ کے مقرب بندے تھے۔ یہ کوئی یقینی بات نہیں ہے کہ وہ اللہ کے نبیؑ تھے یا نہیں تھے۔ دونوں طرف کوئی حتمی بات نہیں ہے لیکن اس سورہ سے یہ ثابت ہے کہ یہ اللہ کے بزرگ بندے تھے اور انہیں الہام یا القاء ہوتا تھا۔ وحی تو نبیؑ پہ آتی ہے۔ اگر وحی نصیب تھی پھر تو یہ نبیؑ تھے لیکن اس کے بارے میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ یہ طے ہے کہ انہیں حکمت اور دانائی عطا کی گئی۔ قرآن نے کہا کہ انہیں حکمت عطا کی گئی جس سے ہمارے لوگوں نے سمجھ لیا کہ حضرت لقمان نبض دیکھنے اور دوا دینے والے حکیم تھے۔ حکمت سے قرآن کی مراد طبابت نہیں ہے بلکہ معرفتِ الٰہی کی حکمت ہے۔ حق یہ ہے کہ حضرت لقمان اللہ کے مقرب بندے تھے اور انہیں

علمِ لدُنّی عطا کیا گیا تھا جسے حکمت سے تعبیر کیا گیا۔

اس سورہ میں حضرت لقمان کے واقعات ہیں اسی نسبت سے اس کا نام سورۃ لقمٰن ہے۔

حکمتوں کا خزینہ، ہدایت ورحمت کی کتاب:

فرمایا: الٓمّٓ ① یہ حروفِ مقطعات ہیں جن کا بارہا تذکرہ ہو چکا ہے۔ یہ قرآن کے وہ حروف ہیں جن کے معانی اللہ کریم جانتے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں یا اللہ کے وہ مقرب بندے جنہیں اللہ بتا دیں جانتے ہیں۔ ان حروف کی تلاوت اتنی ہی ضروری ہے جتنی باقی قرآن کی اور ان کی تلاوت کا بھی وہی ثواب ہے جتنا باقی حروف کا ہے۔ ان کے پڑھنے سے بھی دل میں وہی نور آتا ہے جو باقی حروف کے پڑھنے سے آتا ہے۔

فرمایا: تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ② یہ حکمت ودانائی سے بھری ہوئی کتاب کی آیات ہیں۔ یعنی قرآن کریم کا کوئی جملہ حکمت سے خالی نہیں۔ ہر جملے میں دانائی کی بات ہے، بھلائی کی بات ہے سمجھنے اور اس پر عمل کی بات ہے۔ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ③ اور یہ هُدًى ہے سراپا ہدایت ہے۔ هُدًى کسی بھی کام کے کرنے کے صحیح طریقے کو کہتے ہیں اور جو صحیح طریقہ ہوتا ہے وہ سب سے آسان ہوتا ہے۔

فارسی میں دانا اور نادان کا فرق یہی بتایا گیا ہے کہ دانا جو کام صحیح طریقے سے آسانی سے کر لیتا ہے وہی کام بے وقوف بھی کرتا ہے لیکن بہت خوار ہونے کے بعد کرتا ہے۔

ہر چہ دانا کنند کنند ناداں
لیک بعد از خرابیٔ بسیار

جو کچھ دانا کرتا ہے، کرتا نادان بھی وہی ہے۔ اُسے بھی روزی کمانی ہے، کھانا کھانا ہے، لباس پہننا ہے لیکن نادان بڑی خرابی اور بڑا خوار ہو کر وہ کام کرتا ہے جبکہ دانا آرام سے سب کام کر لیتا ہے۔ فرمایا، یہ حکمت سے لبریز کتاب کی آیات ہیں اور ان آیات نے تو انسان کی ساری مشکلیں حل کر دیں۔ اس دنیا میں بیٹھ کر آخرت کی تعمیر کے ایسے طریقے بتائے جو انسان کے لیے آسان ترین ہیں۔ فرمایا یہی تو حکمت ہے یعنی قرآن دنیا کے کام کرنے کا وہ طریقہ بتاتا ہے جس سے دنیا کا کام بھی درست ہو اور آخرت کی تعمیر بھی ہو۔ کمال یہ ہے کہ جو بندہ آخرت سنوارتا ہے وہ روزی بھی کماتا ہے، کاروبار بھی کرتا ہے۔ اپنی زندگی عام لوگوں میں گزارتا ہے۔ اس کی اولاد بھی ہوتی ہے۔ اس کے پاس دُنیوی اسباب بھی ہوتے ہیں وہ گھر بھی بناتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ جو آخرت سنوارتا ہو اس کے لیے آسمان سے کھانا برستا ہو یا وہ گھاس کھا کر گزارہ کرتا ہو۔ اصل کمال ہی یہ ہے کہ وہ دنیا کے کام ایسے طریقے سے کرتا ہے کہ ساتھ

ساتھ تعمیرِ آخرت بھی ہوجاتی ہے۔قرآن نے اسے حکمت کہا ہے فرمایا: وَرَحْمَةً ۔۔۔اور یہ سراپا رحمت ہے۔قرآن بندے کو مشکلات میں نہیں ڈالتا۔رحمت میں تو آسانیاں ہیں، راحت ہے، آرام ہے۔

ایک محاورہ بن گیا ہے جو زبان زدِ عام ہے کہ جنت جانا بڑا مشکل ہے۔اللہ کریم فرماتے ہیں کہ یہ تو سراپا رحمت ہے۔ ہر کام کو انجام دینے کا صحیح اور آسان طریقہ بتاتا ہے۔دیکھا جائے تو مشکل تو دوزخ جانا ہے اس میں بڑی مشقت لگتی ہے۔کفر اختیار کرنا پڑتا ہے۔ بے حیائی کرنی پڑتی ہے۔ چوری، ڈاکے، غیبت کرنی پڑتی ہے، لوٹ مار کرنا پڑتی ہے، سود کھانا پڑتا ہے۔ان میں سے کون سا کام آسان ہے؟ مشکل تو دوزخ جانا ہے۔ ساری زندگی خطرات اور مشکلات میں گزار کر دوزخ جا پہنچتے ہیں۔جنت جانے میں کیا مشکل ہے؟ اللہ پر ایمان رکھو، حلال کھاؤ، سچ بولو، سب خیر ہے۔

فرمایا، یہ کتاب، ہدایت بھی ہے اور ہر کام میں صحیح راہنمائی بھی کرتی ہے۔یہ حق کی طرف راہنمائی کرتی ہے، اچھے نتائج کی طرف راہنمائی کرتی ہے اور سراپا رحمت ہے۔ یہ بندے کو مشکلات میں نہیں ڈالتی بلکہ آسانیاں عطا کرتی ہے۔

یہاں ایک لطیف نکتہ سمجھ لیا جائے کہ راہِ حق میں تو لوگ قتل بھی ہوجاتے ہیں۔اللہ کریم فرماتے ہیں کہ شہداء کے بارے یہ سوچنا بھی حرام ہے کہ وہ مر گئے انہوں نے تو موت کو شکست دے کر دائمی زندگی پالی، وہ زندہ ہیں اللہ کے حضور میں ہیں۔جو اس زندگی کے لباس کو اتار کر دائمی حیات میں چلا گیا وہ تو نفع میں رہا۔وہ خسارے میں تو نہ رہا تو پھر مشکل تو نہ ہوئی بلکہ اُسے تو مزید راحتیں مل گئیں۔

محسنین:

یہ رحمت ہے، لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۝ اُن لوگوں کے لیے جو خلوصِ دل سے نیکی کرتے ہیں۔جو نمائش کے لیے نیکی نہیں کرتے۔لوگوں کو دکھانے کے لیے نیکی نہیں کرتے بلکہ خلوصِ دل سے اللہ کی رضا پانے کے لیے نیکی کرتے ہیں۔یہ کون لوگ ہیں؟: اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ ۔۔۔وہ لوگ جو نماز کو قائم رکھتے ہیں۔نماز کیا ہے؟ بارگاہِ الوہیت کی حاضری ہے۔ یہ ایک بنیادی بات ہے کہ اللہ کریم دن میں پانچ مرتبہ اپنے بندوں کو حکم دیتے ہیں، وہ دوسروں کو بلاتے ہیں، اذان کہتے ہیں۔سب سے پہلے اللہ کی کبریائی سے بات شروع کرتے ہیں، 'اللہ اکبر'۔اللہ سب سے بڑا ہے۔اپنا عقیدہ بیان کرتے ہیں۔میں شہادت دیتا ہوں۔اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ گویا بلانے والا بندہ پہلے اللہ کی بڑائی بیان کرتا ہے۔پھر اپنا عقیدہ بیان کرتا ہے پھر کہتا ہے حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ۔ یہ

بہترین کام ہے، آؤ بھلائی کی طرف۔ پھر اُسے یاد دلاتا ہے کہ اللہ اکبر، اللہ سب سے بڑا ہے اور دنیا کا کوئی کام اتنا بڑا یا اہم نہیں ہے جس کے لیے نماز کو مؤخر کر دیا جائے۔ پھر اَللّٰہُ اَکْبَرُ پھر بتاتا ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ اور کوئی ایسی بارگاہ بھی نہیں جہاں تم جا کر حاضری دے سکو گے کہ کوئی دوسرا معبود نہیں ہے۔ اب جو بندہ یہ سارا اعلان سُن کر نہیں آتا، نماز ادا نہیں کرتا تو پھر اس کا اللہ سے کتنا تعلق رہ جاتا ہے؟

فرمایا کہ خلوص سے نیکی کرنے والے وہ لوگ ہیں: اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ ۔۔۔ جو نماز کو قائم رکھتے ہیں۔ اللہ کی بارگاہ سے بلاوا آتا ہے تو حاضر ہو جاتے ہیں۔

ہمارے ایک ساتھی تھے۔ بہت اعلیٰ پائے کے ڈاکٹر تھے۔ وہ بعد از دوپہر اپنا کلینک چلاتے تھے۔ عموماً کام کے دوران عصر کی اذان ہو جاتی تھی۔ وہ اگر نسخہ لکھ رہے ہوتے تو اللہ اکبر کی صدا سنتے ہی قلم رکھ دیتے خواہ آدھا نسخہ لکھا ہوتا۔ مریض کہتا ہی رہ جاتا کہ ڈاکٹر صاحب! آپ نے ایک دوا ہی لکھنی ہے یہ لکھ دیں تو کہتے کہ مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ اللہ کی طرف سے بلاوا آئے کہ آ جاؤ اور میں کہوں کہ میں یہ لکھ کر آتا ہوں چنانچہ نسخہ چھوڑ کر چل دیتے تھے۔ نماز پڑھ کر آتے اور نسخہ مکمل کرتے۔

ارشاد ہو رہا ہے کہ محسنین یعنی خلوص دل سے نیکی کرنے والوں کی پہلی نشانی یہ ہے کہ وہ نماز کو قائم کرتے ہیں اور: وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ ۔۔۔ اور زکوٰۃ دیتے ہیں یعنی دنیا کے مال و دولت کی محبت اُن کے دل میں اتنی نہیں ہوتی کہ اُسے پکڑ کر بیٹھے رہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہ کریں۔ وہ جانتے ہیں کہ اللہ نے مال دیا ہے، سارا اللہ ہی کا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ سال بھر جو مال زائد از ضرورت تمہارے پاس ہے اس میں سے ڈھائی فیصد میرے غریب بندوں کو دے دو۔ مال اُس کا، بندے اس کے تو میں کون ہوتا ہوں اُسے اپنے تک روکنے والا؟ اب جو مالِ دنیا کو اپنی دولت سمجھ کر قبضہ کر کے بیٹھ جائے، اللہ کے حکم کے مطابق زکوٰۃ نہ دے، بارگاہِ الٰہی میں حاضری بھی نہ دے، تو پھر وہ نیک کیسے ہو سکتا ہے اس کا آخرت پر ایمان کیونکر ہو سکتا ہے!

محسنین کے بارے فرمایا: وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ۝ وہ ''آخرت پر یقین رکھتے ہیں'' جنہیں آخرت کا یقین ہے بھلا وہ نماز چھوڑ سکتے ہیں؟ آخرت پر یقین رکھنے والے بھلا زکوٰۃ کا انکار کریں گے؟ جنہیں یقین ہے کہ دُنیوی زندگی محض ایک امتحان ہے، آزمائش ہے۔ ایک بازار ہے سجا ہوا اور ہمارے پاس سانسوں کا سرمایہ ہے۔ ہم سانسیں دے رہے ہیں اور چیزیں خرید رہے ہیں۔ جو کچھ کوئی خریدے گا وہی مال اس کے پاس ہوگا۔ جب وہ ابدی گھر جائے گا تو اُسی کو استعمال کرنا ہوگا۔ اگر کوئی نیکی خرید رہا ہے تو نیکی کام آئے گی۔ برائی خرید رہا ہے تو برائی کا نتیجہ بھگتے گا۔ اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ایسے لوگ اپنے پروردگار کی طرف

سے راہِ ہدایت پر ہیں، سیدھے راستے پر ہیں۔ یہی لوگ فلاح پانے والے، کامیاب ہونے والے ہیں۔

ہمارے ہاں تو نظریں محدود ہو گئیں ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ جس نے دولت کما لی وہ بڑا کامیاب انسان ہے۔ جسے عہدہ مل گیا وہ کامیاب ہے لیکن اللہ کریم فرماتے ہیں جس نے اس دنیا میں رہتے ہوئے خلوصِ دل سے اطاعت کر لی وہ کامیاب ہے۔

لَهْوَ الْحَدِيْث اور گانا بجانا:

ان کامیاب لوگوں کے علاوہ کچھ دوسرے لوگ ایسے بھی ہیں جو بے کار اور فضول کھیل تماشے اور قصے کہانیوں میں دلچسپی رکھتے ہیں اور ان پر پیسہ خرچ کرتے ہیں کیونکہ وہ جاہل ہیں۔ فرمایا: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝

اس آیۂ مبارکہ پر بہت غور اور توجہ کی ضرورت ہے اس کے نازل ہونے کا سبب یہ ہوا کہ نضر بن حارث ایک مشرک تھا۔ وہ فارس گیا تو کسریٰ کے خاندان اور جرنیلوں کے قصے، کہانیاں خرید لایا۔ اُن جرنیلوں کی جنگوں اور فتوحات پر مبنی کہانیاں اور نظموں کی کتابیں لے آیا۔ ساتھ ہی ایک لونڈی بھی خرید لایا جو ناچتی اور گا کر وہ قصے سناتی۔ اُس نے اہل مکہ سے کہا کہ قرآن میں بھی تو قصے کہانیاں ہی ہیں۔ میں تمہارے لیے بہت خوبصورت قصے کہانیاں بھی لے آیا ہوں اور ایک گا کر سنانے والی بھی لایا ہوں۔ تم اس کو سنو عیش کرو، چھوڑو قرآن کے قصوں کو۔ اس کے جواب میں یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو: مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ ۔۔۔ فضول، بے مقصد باتیں، لایعنی کہانیاں، فواحشات خرید کر لے آتے ہیں۔ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۔۔۔ ان میں کوئی علمی بات نہیں ہوتی، کوئی دلیل نہیں ہوتی صرف لوگوں کو اللہ سے گمراہ کرنے کا سبب ہوتی ہیں۔ علمائے حق فرماتے ہیں کہ لَهْوَ الْحَدِيْثِ ۔۔۔ وہ قصے کہانیاں، وہ ناول اور افسانے ہیں جن کے پڑھنے سے کوئی تعمیری پہلو سامنے نہ آتا ہو۔ اُن کے دو درجے ہیں۔ اگر اس نیت سے لکھے جائیں کہ لوگوں کو اسلام سے دور کیا جائے تو کفر ہے اور اگر محض حصولِ دولت یا شہرت کے لیے لکھے جائیں تو حرام ہیں۔ یعنی ایسے افسانے اگر اسلام سے بھٹکانے کے لیے لکھے جائیں تو لکھنا کفر ہے اور اگر دولت اور شہرت کمانے کے لیے لکھے جائیں جبکہ اُن میں انسانی اصلاح یا بہتری کا پہلو نہ ہو اس کی بنیاد جہالت پر ہے، علم پر نہیں۔ علم ہر اس بات کو کہتے ہیں جس میں نسلِ انسانی کا فائدہ ہو اور جس سے نوعِ انسانی کو کوئی فائدہ نہ ہو وہ علم نہیں جہالت ہے۔

دوسری بات علمائے حق لکھتے ہیں کہ جہاں تک گانے بجانے کا تعلق ہے تو اگر اس کا اہتمام اس طرح سے ہو جیسے نضر بن حارث لونڈی خرید کر لایا تھا تا کہ لوگوں کو اسلام سے روکا جائے اور برائی کی طرف لے جایا

جائے تو یہ گانا بجانا کفر ہے۔اس کے علاوہ محض وقت گزارنے کے لیے یا ذہنی تعیش کے لیے گانا بجانا، مزامیر بھی حرام ہیں۔ ساز وغیرہ بھی حرام ہیں اور گانا بھی حرام ہے، وقت کا ضیاع ہے۔ ہاں! ایسی مجلس جہاں صرف مرد ہوں، وہاں مرد اور عورتوں کی مجلس میں عورت اگر ایسے شعر، غزل یا نظم پڑھیں جس میں کوئی بھلائی کی بات ہو کوئی مفید بات ہو تو اس پر کوئی پابندی نہیں۔ خواتین کی مجلس میں خاتون پڑھ سکتی ہے لیکن بغیر ناچے اور اچھلے کودے۔ یاد رہے ستر پوشی کا اہتمام نہ کرنا، اُچھلنا کودنا، ناچنا یہ سب حرام ہے۔ پورے لباس میں آرام سے بیٹھ کر اگر کوئی خاتون، خواتین کی محفل میں نعت پڑھتی ہے یا غزل پڑھتی ہے جس میں انسانوں کی بھلائی کا کوئی پہلو نکلتا ہے تو یہ منع نہیں ہے لیکن مردوں کی محفل میں عورت کے لیے یہ سب منع ہے۔ ہمارے ٹی وی پر عورتوں سے درود اور نعتیں پڑھوائی جاتی ہیں یہ جائز نہیں ہے۔ مردوں کی مجلس میں اگر مرد بغیر ساز و مزامیر کے نعت یا اشعار پڑھتا ہے تو اچھی بات ہے لیکن اگر وہ اشعار اسلام سے بے زار کرنے والے ہوں تو کفر ہے اور اگر بے فائدہ ہوں تو حرام ہیں۔ بات میں مقصدیت ہونی چاہیے۔ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا۔۔۔اور یہ گانا بجانا، اسلام سے دور کرنا لوگوں کو بہکانا، بغیر علم اور دلیل کے یہ تمسخر اڑانا، یہ لوگ دین کا اور دینداروں کا محض مذاق اڑانا چاہتے ہیں کہ اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکا جائے اور فواحشات کی طرف لگایا جائے۔ ایسے لوگوں کے لیے فرمایا، أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝٦ ذلت کا عذاب بھی ہوگا۔ جو لوگ یہ کوشش کرتے ہیں کہ اسلام کی مخالفت کی جائے، بے حیائی پھیلائی جائے اُن کو صرف عذاب نہیں ہوگا بلکہ عذاب کے ساتھ تذلیل بھی ہوگی، ذلت بھی ہوگی۔

یہ ایسے بدنصیب لوگ ہوتے ہیں کہ: وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا وَلَّىٰ مُسْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا۔۔۔جب ان پر اللہ کی آیات بھی پیش کی جائیں تو یہ اکڑ کر اُلٹے منہ چل دیتے ہیں، تکبر کرتے ہیں۔ ان کا رویہ ایسا ہوتا ہے جیسے انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں۔ یعنی اُن پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا پرواہی نہیں کرتے، اُلٹا مذاق اڑاتے ہیں: كَأَنَّ فِي أُذُنَيْهِ وَقْرًا۔۔۔گویا ان کے کان بہرے ہو گئے ہیں۔ اُن میں ثقل آ گیا ہے، سماعت خراب ہو گئی ہے یعنی بہت ہی بے رُخی سے پیش آتے ہیں۔ ایک بندہ ہوتا ہے کہ اچھی بات سن لیتا ہے خواہ عمل نہیں کرتا لیکن ایک بندہ اللہ کی بات سننا ہی نہیں چاہتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سننا ہی نہیں چاہتا۔ اس کا رویہ ایسا ہوتا ہے گویا اس کے کان بند ہیں، اُس نے آپ کی بات سنی ہی نہیں اور متکبرانہ انداز میں اکڑ کر واپس پلٹ جاتا ہے۔ بات سُنی ان سُنی کر دیتا ہے۔ پرواہی نہیں کرتا تو فرمایا: فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝٧ ایسا کرنے والوں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سُنا دیجیے کہ جو کچھ تم کر رہے ہو تمہیں مبارک ہو لیکن اس پر بڑا دردناک عذاب ہوگا، بہت تکلیف دہ عذاب ہوگا۔

ایمان اور عمل صالح پر انعام:

فرمایا: اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ جَنّٰتُ النَّعِیۡمِ ۙ﴿۸﴾ جن لوگوں نے اللہ کی آیات سنیں، اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلّم) کے ارشادات سُنے اور اُنہیں مان لیا۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۔۔۔ جو ایمان لے آئے، اُن باتوں کو مان لیا۔

یہ ماننا کیا ہے؟ کیا صرف یہ کہہ دینا ہے کہ پروردگار! ہم نے مان لیا یہ ماننا ہے؟ فرمایا، نہیں، ماننا یہ ہے کہ پھر: وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۔۔۔ نیکی پر عمل بھی کیا۔

ایک مثال ہے کہ ہم کسی کو کہتے ہیں کہ ہمیں پانی لا دو۔ وہ کہتا ہے، ٹھیک ہے آپ کی بات سن لی، مان بھی لی، پانی لاتا ہوں لیکن پانی لا کر دیتا نہیں ہے۔ کیا اُس نے آپ کے حکم کو مانا؟ اس نے نہیں مانا۔ اسی طرح اللہ کریم فرماتے ہیں کہ جو لوگ ایمان لاتے ہیں پھر اس پر عمل کرتے ہیں، نیکی پر عمل کرتے ہیں اُن کے لیے: لَهُمۡ جَنّٰتُ النَّعِیۡمِ ۙ﴿۸﴾ بے پناہ خوبصورت باغات اور بے شمار نعمتیں ہیں: خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ۔۔۔ جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ جہاں سے وہ کبھی نکالے نہیں جائیں گے۔ وہاں موت آئے گی نہ بیماری اور نہ کسی قسم کا دکھ یا تکلیف ہوگی۔ ہمیشہ ہمیشہ وہاں موج کریں گے: وَعۡدَ اللّٰهِ حَقًّا ۔۔۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے اور یقینی اور سچا وعدہ ہے: وَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ ﴿۹﴾ اور وہ غالب ہے جو چاہے کر سکتا ہے۔ لوگوں کو خیال آتا ہے کہ فوراً کیوں نہیں ہو جاتا کہ گناہگار دوزخ میں گر جائے اور نیک فوراً جنت میں چلا جائے۔ فرمایا، وہ حکیم ہے اس کی اپنی حکمت ہے، دانائی ہے، اس کے مطابق وہ فیصلے فرماتا ہے وہ اپنی حکمت سے جب، جو چاہتا ہے فیصلے کرتا ہے۔ ہر چیز کا وقت معین ہے۔ ہر چیز میں وقت اور کام کی مہلت ہے اور تدریج ہے چنانچہ درجہ بدرجہ اپنے کمال کو پہنچتی ہے۔ اللہ کا وعدہ کھرا اور سچا ہے۔

تخلیقِ ارض وسما:

فرمایا: خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَیۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَهَا ۔۔۔ اُس نے آسمانوں کو پیدا فرمایا جو سارے عالم کی چھت بنے ہوئے ہیں مگر کوئی دیوار یا ستون نہیں جس پر یہ چھت دھری ہو۔ کہیں کوئی ستون یا دیوار کا سہارا نہیں ہے۔ آسمان کی تعمیر کس چیز سے ہوئی، وہ سامان کہاں سے آیا؟ آسمان کس چیز کے بنے ہوئے ہیں، اُن میں کتنی مخلوق ہے، اُن میں کتنے کام ہو رہے ہیں یہ اندازہ کوئی نہیں لگا سکتا۔ آسمان کی وسعت ایسی ہے کہ زمین، سورج، چاند، ستاروں اور تمام فضائی کرّوں کو آسمان محیط ہیں لیکن کسی جگہ بھی اُن کے لیے سہارا نہیں بنایا گیا کہ کہیں کوئی ستون یا دیوار ہو۔

وَاَلۡقٰی فِی الۡاَرۡضِ رَوَاسِیَ اَنۡ تَمِیۡدَ بِكُمۡ ۔۔۔ اور زمین کے فرش پر بڑے بڑے پہاڑ ایسے

اندازے سے جما دیے، اُن کا بوجھ زمین پر رکھ دیا تا کہ وہ کہیں ڈولنے نہ لگے اور مخلوق کے لیے مشکل نہ کھڑی کر دے یا اُن کے لیے تکلیف کا باعث نہ ہو۔ زمین کو ایسا متوازن بنایا اور اس پر اس اندازے سے پہاڑوں کے بوجھ رکھے کہ وہ برابر اور ساکن رہے۔ ایسا نہ ہو کہ ایک طرف سے ہلکی ہو کر ڈھلک جائے یا نیچی ہو جائے بلکہ ہمیشہ متوازن رہے۔ عجیب بات ہے کہ قرآن اور سائنس بھی کہتی ہے کہ یہ بیضوی، انڈے کی طرح ہے لیکن قدرت کا کمال یہ ہے کہ جہاں چلے جائیں وہاں زمین بچھی ہوئی نظر آتی ہے گویا بالکل ہموار ہے۔ وَالۡاَرۡضَ بَعۡدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ؀ (النّٰزعٰت:30) اگر کرۂ ارض بیضوی ہے تو کچھ لوگ اوپر ہوں گے تو کچھ نیچے کی طرف بھی ہوں گے۔ اگر اس کی ایک طرف اوپر ہے تو مخالف سمت نیچے کی طرف ہونی چاہیے تو پھر وہاں تو انسان الٹے لٹکے ہوں گے لیکن ایسا نہیں ہے۔ جہاں جائیں وہیں فرش کی طرح بچھی ہوئی ہے۔ اب یہ اللہ کی قدرت ہے کہ انسان نے زمین کے گرد بھی چکر لگا کر دیکھ لیا ہے۔ یہ بیضوی کرہ ہے، لیکن بچھونے کی طرح ہر جگہ بچھی ہوئی ہے: وَبَثَّ فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ۔۔۔ اور اُن پہاڑوں میں، زمین میں، بے شمار مخلوق پیدا کر دی۔ ان پہاڑوں پر پانی کے ذخیرے بنا دیے۔ ان پہاڑوں کے اندر زر و جواہر اور سونے تک کے ذخیرے بنا دیے۔ ان میں بے شمار نباتات اُگتی ہیں اور اُس کی قدرتِ کاملہ کی عجیب شان ہے کہ پہاڑوں کی ایک سطح پر ایک قسم کے پودے، درخت اور جڑی بوٹیاں ہیں۔ اگر تھوڑا بلندی پر چلیں تو ان کی اقسام بدل جاتی ہیں۔ درخت بھی اور قسم کے ملتے ہیں، جڑی بوٹیاں اور پودے سب مختلف ہوں گے۔ ذرا اور اوپر چلیں تو ایک اور قسم کی نباتات دیکھنے کو ملیں گی۔ زمین کی سطحِ سمندر سے اونچائی کا اندازہ پودوں کو دیکھ کر ہوتا رہتا ہے۔

اللہ کریم نے پہاڑوں اور زمین پر بے شمار جاندار پیدا فرما دیے۔ ایک ادنیٰ سے ادنیٰ کیڑا بھی اس کی مخلوق ہے۔ اُس کے بنانے میں بھی اُسی طرح کے Cells درکار ہیں۔ ہر شے میں خصوصیات رکھ دیں ہیں۔ اللہ کی مخلوق میں کوئی شے بے کار نہیں ہے اور ہر چیز اس عالم کے لیے ضروری ہے۔ اس نے عجیب و غریب جانور بنا دیے اور جہاں جہاں انہیں رہائش دی انہیں وہاں سارا سامان دے دیا۔

شمالی علاقوں میں بلند چوٹیوں پر چونکہ آکسیجن کم ہوتی ہے تو دس قدم چلنا بھی دشوار ہو جاتا ہے، انسان کے لیے حرکت کرنا مشکل ہو جاتا ہے لیکن وہاں کے جانور بھاگتے پھرتے ہیں۔ اُن کے لیے کوئی دشواری نہیں ہے، پتا نہیں اللہ کریم نے اُن کے لیے آکسیجن کا کیسا ذخیرہ مہیا فرما رکھا ہے، اُن کے پھیپھڑوں میں کیا کمال رکھ دیا ہے۔ بھاگ دوڑ رہے ہیں پہاڑ پر چڑھ رہے ہیں۔ اتر رہے ہیں انہیں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ ہر جگہ کے موسم اور فضائیں الگ ہیں، گھاس پھوس جڑی بوٹیاں الگ ہیں۔ اللہ کریم نے ایسا انتظام فرما دیا ہے کہ جو جانور جس موسم، جس جگہ پر پیدا فرمایا ہے اس کے مطابق برداشت کی قوت اُسے عطا فرما دی۔ اُس کی کھال، اُس کا وجود ایسا بنا دیا کہ وہ اُس ماحول

میں خوش ہے۔ وَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً۔۔ اور وہ آسمانوں سے، بلندیوں پر لے جا کر پانی کو برساتا ہے۔ سطح سمندر سے پانی کو اٹھاتا ہے، کن بلندیوں پر لے جا کر بادل بناتا ہے اور کیسے اپنی قدرتِ کاملہ سے بادلوں کو کہاں کہاں پہنچاتا ہے۔ اُنہی بادلوں سے پھر کہیں برف گرتی ہے کہیں اولے برستے ہیں تو کہیں بارش، جب چاہتا ہے بارش کو باعثِ حیات بنا دیتا ہے جب چاہتا ہے بربادی کا سبب بنا دیتا ہے۔ پانی زندگی کی بنیادی ضرورت ہے۔ ارشادِ باری ہے: وَجَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ كُلَّ شَيۡءٍ حَيٍّ (الانبیآ:30) ہر چیز کو پانی سے زندگی دی ہے۔ یہ زندگی کی علامت ہے لیکن جب وہ چاہتا ہے تو یہی پانی موت کی علامت بن جاتا ہے۔ کہیں لوگ بوند بوند کو ترس رہے ہوتے ہیں اور کہیں سیلاب میں غرق ہو رہے ہوتے ہیں۔ یہ اللہ کا اپنا نظام۔

یہ سارے نظام، ان کے تمام اسباب و وسائل اور اُن کے حصول کا طریقۂ کار کون بناتا ہے؟ کیا ایسا کوئی دوسرا ہے جس کی ان معاملات میں اللہ کے ساتھ شراکت ہو؟ کوئی نہیں ہے۔ وہی واحد ولاشریک مالک ہے اور یہ نظام چلا رہا ہے: فَاَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ زَوۡجٍ كَرِيۡمٍ ۝۱۰ اور کیا عجیب کمال ہے کہ زمین پر اُس نے بے شمار نباتات پیدا کیے اور ہر چیز کو اُس نے جوڑا جوڑا بنایا ہے۔ گھاس کے تنکے سے لے کر، پھولوں جھاڑیوں اور پھل دار درختوں تک ہر چیز کا جوڑا جوڑا پیدا کیا۔ اُن کی بقا آپس میں ملنے سے ہے اور ان کے میل سے آگے حیات ترقی کرتی ہے۔

اس میں بھی انسانوں کے لیے درسِ عبرت ہے کہ ایک دوسرے سے بچھڑنے میں، لڑنے اور مرنے مارنے میں زندگی نہیں ہے بلکہ تباہی ہے۔ الگ الگ ہونے میں آبادی نہیں، بربادی ہے۔

زندگی احترامِ آدمیت میں ہے۔ بقامل کر رہنے میں ہے ایک دوسرے کا دکھ سکھ بانٹنے میں ہے۔ اللہ کریم نے زمین کے سینے سے بھی کتنی نباتات اُگائی اور کوئی ایک تنکا بھی ایسا نہیں جو تنہا ہو۔ ہر چیز کا جوڑا جوڑا ہے۔

خالق صرف اللہ ہے:

یہ ساری کائنات، آسمان اور آسمانی مخلوق، زمینیں، دریا، جنگل، پہاڑ، اُن میں روئیدگی بے شمار قسموں کی نباتات اور ان میں بے پناہ قسموں کے جانور ہیں هٰذَا خَلۡقُ اللّٰهِ۔۔۔ یہ سب تو اُس اللہ نے بنایا ہے۔ یہ ساری تو اُس کی تخلیق ہے تو اللہ کے علاوہ جن سے تم اُمیدیں وابستہ کرتے ہو: فَاَرُوۡنِيۡ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ۔۔۔ ذرا یہ تو دکھاؤ کہ انہوں نے کیا پیدا کیا ہے۔ کیا غیر اللہ کی کوئی تخلیق کائنات میں ملتی ہے؟ غیر اللہ تو خود مخلوق ہے وہ تخلیق کیسے کرسکتی ہے؟

ہمارے ہاں ایک رواج ہو گیا ہے کہ کوئی الٹا سیدھا شعر لکھ دے تو وہ چاہتا ہے اُسے اُس شعر کا خالق کہا جائے۔ کوئی نظم یا نثر لکھ دے، کتاب لکھ دے تو اُسے کتاب کا خالق بنا دیا جاتا ہے حالانکہ خالق تو وہ ہے جو عدم سے وجود دیتا ہے کچھ نہیں سے سب کچھ بنا دیتا ہے۔ جو الفاظ وضع شدہ ہیں، جو چیزیں بنی ہوئی ہیں، اینٹ، گارا پتھر وغیرہ، انہیں جوڑ کر، استعمال کر کے اگر کوئی کچھ بناتا ہے تو وہ کاری گر تو ہو سکتا ہے، خالق نہیں بن سکتا۔ جو خود مخلوق ہے وہ خالق کیسے ہوگا؟ خالق صرف اللہ ہے جو واحد ہے لاشریک ہے۔ اللہ کے سوا اگر کسی کی کوئی تخلیق ہے تو دکھاؤ، ہرگز نہیں ہے۔ فرمایا: بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۱﴾ یہ لوگ بڑے ظالم ہیں اور بہت واضح گمراہی میں ہیں یعنی اُن کی گمراہی ظاہر ہے۔ یہ ظالم محض گمراہی میں بھٹک رہے ہیں۔

ہمارا المیہ:

آج کے دور میں ہمارے مزاج عجیب ہو گئے ہیں اور یہ عجیب بات ہے کہ ہم سارا دن موبائل فون کے ساتھ مشغول رہیں گے۔ اس پر Games کھیلتے رہیں گے یا پھر باقاعدگی سے کوئی رسالہ یا اخبار روزانہ پڑھیں گے۔ باوجود اس کے کہ ہم جانتے ہیں کہ خبروں میں سچ کم اور مبالغہ زیادہ ہوتا ہے۔ اخباروں کا ایک اور مسئلہ بھی ہے کہ اخباروں میں ہر برائی تو ضرور شائع کی جاتی ہے لیکن نیکی اُن کے نزدیک خبر ہی نہیں بنتی۔ ہم اخبار اُٹھا کر دیکھیں تو ایسا لگتا ہے کہ پوری دنیا میں سوائے ظلم و جور، گناہ، برائی، چوری ڈکیتی کے اور کچھ ہو ہی نہیں رہا۔ آخر یہ جو دنیا آباد ہے۔ جہاں اتنے مظالم ہوتے ہیں، برائیاں ہوتی ہیں وہاں اتنی نیکیاں بھی ہوتی ہیں لیکن وہ کبھی خبر نہیں بنتیں یہ سب جانتے ہوئے بھی ہم خبریں ضرور پڑھتے ہیں۔ کیا ہم اتنی باقاعدگی سے قرآنِ کریم پڑھتے ہیں؟

قرآن کریم اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر پر نازل ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابی شکل میں جمع فرما کر اُمت کے سپرد کیا۔ قرآن کے بہت سے پہلو ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ اللہ کریم کا ذاتی کلام ہے اور قانون یہ ہے کہ کلام میں متکلم کی ذات کا پرتو ہوتا ہے، کیفیات ہوتی ہیں تو پھر سوچیے کہ اللہ کریم کے کلام میں کس قدر پرتوِ جمال ہوگا؟ دوسری بات یہ کہ کلامِ باری قلبِ اطہر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ حق ترجمان اور لب ہائے مبارک سے ادا ہوا۔ اس کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ قرآن ہمیں ہدایت اور نور عطا فرماتا ہے، تاریکیوں سے نکال کر تجلیاتِ باری کی طرف لے آتا ہے۔ گناہ کی ظلمت سے، کفر و شرک کی ظلمت سے نجات دلاتا ہے۔ چوتھا کمال اس میں یہ ہے کہ ہمیں جینے کا وہ انداز سکھاتا ہے جس میں بے پناہ فوائد ہیں کہ دنیا بھی سنورتی ہیں اور تعمیرِ آخرت بھی ہوتی ہے اتنا نفع بخش کام ہم دن میں کتنا کرتے ہیں؟

میرے خیال میں یہ کام مساجد کے آئمہ یا حفاظِ کرام یا قرآن پڑھانے اور پڑھنے والوں کا ہی روزانہ معمول ہے اور یہ بڑے خوش نصیب ہیں جنہیں یہ شعبہ اللہ نے نصیب فرمایا ہے۔ عمومی طور پر بات کریں تو ہم لوگ جو کاشتکار ہیں، کاروباری ہیں یا دفاتر میں ملازمت کرتے ہیں، مزدوری کرتے ہیں ان میں کتنے لوگ ہیں جو قرآن کو پڑھتے ہیں یا سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں؟ جو تلاوت کرتے ہیں وہ کم ہیں اور پھر جو معانی سمجھنے والے ہیں وہ اس سے بھی کم ہیں۔ اُن معانی میں، اُن کی لطافتوں اور نزاکتوں پر، اُن کی حقیقتوں پر غور کرنے والے ملتے ہی نہیں۔ غور کریں! کتنے لوگ ہیں جو کلامِ الٰہی سے روزانہ اپنے قلوب کو روشن کرتے ہیں؟ کیا ہم چوبیس گھنٹوں میں چوبیس منٹ بھی مختص کرتے ہیں کہ اس وقت صرف دین پڑھیں گے تلاوت کریں گے یا معانی سیکھیں گے یا حدیث سیکھیں گے۔ کیا اس کے لیے ہمیں کبھی فرصت ہے؟

سب کو پتا ہے کہ ایک دن ہم سب کچھ چھوڑ کر چلے جائیں گے پھر بھی ہر کوئی دنیا دنیا ہی کر رہا ہے۔ سوتے، جاگتے دنیا ہی سوچتے رہتے ہیں۔ یہ دنیا بھی عجیب شے ہے۔ غریب کو زیادہ ضرورتِ دنیا ہے لیکن امیر غریب سے زیادہ حریصِ دنیا ہوتا ہے۔ اُسے مزید دنیا چاہیے ہوتی ہے اور وہ اسی میں لگا ہوا ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ایک دن دنیا چھوڑ کر چلے جانا ہے اور ساتھ صرف اللہ کا کلام اور اطاعتِ الٰہی میں کیے گئے اعمال ہی جائیں گے۔

بخاری شریف میں ایک حدیث مبارکہ میں ملتا ہے جس کا مفہوم ہے کہ جب صور پھونکا جائے گا، لوگ اٹھیں گے اور حشر قائم ہوگا تو ایک اللہ کا بندہ اُٹھے گا۔ وہ دیکھے گا کہ اس کے سرہانے ایک خوبصورت نازک اندام عورت کھڑی ہے۔ وہ مبہوت ہو جائے گا تو وہ اُسے کہے گی کہ گھبراؤ نہیں میں تمہاری نماز ہوں۔ تم نے زندگی بھر میرا بوجھ اُٹھایا، میرا ساتھ نبھایا تو آج اللہ نے مجھے بھیجا ہے کہ میں تجھے گود میں اُٹھا کر لے جاؤں اور اللہ کی بارگاہ میں پیش کر دوں۔

ایک دوسرا شخص اُٹھے گا تو دیکھے گا کہ اس کے سرہانے ایک انتہائی بدصورت، کریہہ ڈراؤنی، سیاہ بھوتنی سی کھڑی ہے۔ وہ حیران ہو جائے گا کہ یہ کیا بلا ہے تو وہ کہے گی کہ میں تیرے گناہ ہوں۔ جو کام تو خلافِ شریعت کرتا تھا اور دنیا میں لذتیں اٹھاتا تھا، مجھ پر سواری کرتا تھا۔ آج میری باری ہے، مجھے اُٹھا اور بارگاہِ الٰہی میں چل۔

یہ کتنی نازک، کتنی باریک تر حقیقتیں ہیں جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں آگاہ فرمایا۔ اللہ کی کروڑوں رحمتیں ہوں اُن علمائے حق پر جو پندرھویں صدی تک ان امانتوں کو سنبھالتے اور آگے پہنچاتے آ رہے ہیں۔ جن کی عمریں اس میں بسر ہو گئیں۔ اللہ اُن پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائیں۔ کیا ہمارے پاس فرصت ہے کہ ہم دن کا ایک گھنٹہ، آدھا گھنٹہ ہی دین کے مطالعہ کو دیں؟

سورۃ لقمٰن رکوع 2 آیات 12 تا 19

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۱۲﴾ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۱۴﴾ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ لا فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۪ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۶﴾ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿۱۹﴾

اور ہم نے لقمٰن کو دانشمندی عطا فرمائی کہ اللہ کا شکر ادا کرتے رہو اور جو (اللہ) کا شکر ادا کرے تو وہ بے شک اپنے (نفع کے) لیے کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو بے شک اللہ بے نیاز (اور) خوبیوں کے مالک ہیں ﴿۱۲﴾ اور جب لقمٰن نے اپنے

بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرانا کہ بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے ﴿۱۳﴾ اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق تاکید فرمائی ہے۔ اس کی ماں نے تکلیف پر تکلیف اٹھا کر اُسے پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے کہ میرا شکر ادا کرو اور اپنے ماں باپ کا (احسان بھی مانو اور) میرے ہی پاس پلٹ کر آنا ہے ﴿۱۴﴾ اور اگر وہ دونوں تم سے اس بات کی کوشش کریں کہ میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کا تمہارے پاس کوئی علم نہیں تو اُن کا کہنا مت مانو اور اُن کے ساتھ دنیا میں اچھے طریقے سے بسر کرو اور اس کے راستے پر چلنا جو میری طرف رجوع (متوجہ) ہو پھر تمہیں میری طرف ہی پلٹ کر آنا ہے پھر میں تمہیں تمہارے اعمال کی خبر دوں گا ﴿۱۵﴾ اے میرے بیٹے! اگر کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر ہو پھر وہ کسی چٹان کے اندر ہو یا آسمانوں کے اندر ہو یا زمین کے اندر ہو (تب بھی) اللہ اُس کو حاضر کر دیں گے بے شک اللہ بڑے باریک بین (اور) باخبر ہیں ﴿۱۶﴾ اے میرے بیٹے! نماز کی پابندی کرو اور بھلائی کا حکم کرو اور برائی سے منع کرو اور تم پر جو مصیبت واقع ہو اُس پر صبر کرو۔ بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں ﴿۱۷﴾ اور (غرور کرتے ہوئے) لوگوں سے اپنے گال نہ پُھلانا اور زمین میں اکڑ کر نہ چلنا۔ بے شک اللہ کسی تکبر کرنے والے، فخر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتے ﴿۱۸﴾ اور اپنی چال میں اعتدال اختیار کرو اور (بات کرتے وقت) اپنی آواز کو پست رکھو بے شک آوازوں میں سب سے بُری آواز گدھے کی آواز ہے ﴿۱۹﴾

تفسیر و معارف

گزشتہ آیات میں یہ بات چل رہی تھی کہ جو لوگ حقائق سے محروم ہیں اور غیر اللہ سے اُمیدیں وابستہ کیے بیٹھے ہیں، بہت ظالم ہیں۔ وہ اپنے آپ پر ظلم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں۔ وہ لوگ واضح گمراہی میں ہیں۔ یہ کوئی مُبہم ڈھکی چھپی بات نہیں بلکہ سامنے نظر آ رہا ہے کہ عبادت کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے۔ باقی سب مخلوق ہے اور مخلوق کے

ساتھ تعلقات کا توازن اللہ نے دین میں عطا فرما دیا ہے۔ کس کے ساتھ کیسا تعلق رکھنا ہے۔ والدین کے ساتھ، بیوی کے ساتھ، اولاد کے ساتھ، بہن بھائیوں اور رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات کیسے ہوں۔ اہلِ وطن سے لے کر بین الاقوامی تعلقات کے بارے میں بھی ہدایت عطا فرمائی۔ اللہ کریم نے پوری زندگی کا نصاب دے دیا کہ اس توازن کو قائم رکھو تو زندگی میں بھی سُکھی رہو گے اور آخرت میں بھی کامیابی نصیب ہوگی۔

جب اس سلسلے میں ایسے لوگوں کا تذکرہ آیا جو اللہ کی بارگاہ سے وابستہ ہو جاتے ہیں اور ان حقائق کو تسلیم کر لیتے ہیں اور ہدایت کا ذریعہ بنا لیتے ہیں تو حضرت لقمٰن کا ذکر آتا ہے۔

حکمت کا حاصل، شکر:

فرمایا: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ۔۔۔ اور ہم نے لقمان کو دانش عطا فرمائی۔ ہمارے ہاں عمومی سطح پر یہ سمجھا گیا ہے کہ حضرت لقمان بہت حاذق طبیب تھے، حکیم تھے۔ یاد رہے یہاں حکمت سے مراد طِبّ نہیں ہے۔ طبیب تو غیر مسلم بھی بہت اعلیٰ پائے کے گزرے ہیں۔ طبیب ہونا تو دماغی صلاحیت، عقل و خرد سے متعلق ہے اور مادّی معاملات کو غیر مسلم بھی اپنی عقل سے، دماغ سے سلجھا لیتا ہے۔ وہ بھی علاج اور اس کے طریقے تلاش کر لیتا ہے۔ فرمایا، لقمٰن علیہ السلام کو دانش دی اور یہ کیا تھی: اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ۔۔۔ جس سے اللہ کا شکر ادا ہو سکے۔ وہ دانش دی تا کہ اللہ کا شکر کرو۔

اللہ کریم کا شکر کیا ہے؟ اس موضوع پر بڑی طویل بحثیں کی گئیں اور بہت لکھا گیا ہے۔ مختلف حضرات نے مختلف شعبوں کو اللہ کا شکر قرار دیا ہے لیکن اگر اس ساری تفصیل کو اجمالاً، ایک جملے میں سمو یا جائے تو شکر سے مراد خلوصِ دل سے اللہ کی اطاعت کرنا ہے۔ جس نے خلوصِ دل سے اللہ کی اطاعت کی وہ اللہ کا شکر گزار بندہ ہے۔ اس اطاعت کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ فرمانبرداری کیا ہے اور نافرمانی کیا ہے؟ اس کو جاننے کے لیے ایک ہی ذریعہ ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لہٰذا یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی جانا جائے گا۔ اگر کوئی کلامِ الٰہی کی اپنی مرضی سے تفسیر کرے گا تو وہ تفسیر مردود ہے۔ قابلِ اعتنا نہیں ہم اللہ کے کلام سے بھی وہ بات سمجھیں گے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھائی ہے کہ اس آیت سے کیا مراد ہے۔ اس دائرے کے اندر رہتے ہوئے ہم تفسیر کر سکتے ہیں لیکن اس کے خلاف نہیں۔

مسلمانوں میں فرقہ بندی کا یہی سبب ہے کہ ہر فرقہ اپنی پسند کی تفسیر کرتا ہے۔ اگر سارے ہی اس تفسیر پر اکٹھے ہو جائیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سنی، سمجھی اور

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس پر عمل کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے عمل کو قبول فرمایا کہ یہ درست ہے۔ اگر آج سب لوگ اسے مان لیں تو فرقہ بندی ختم ہو جائے گی۔ اسلام میں تو فرقہ بندی نہیں ہے۔ اسلام تو ایک ہی فرقہ ہے البتہ کفر کی بے شمار قسمیں ہیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کفر کی بے شمار قسمیں ہیں لیکن بنیادی طور پر سارا کفر ایک ہے۔ اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ (رواہ ابی عبداللہ) اَوْ كَمَا قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ کفر بھی ایک واحد مِلّت ہے۔ اسلام اس کے مقابلے میں ایک مِلّت ہے۔ دنیا میں دو ہی قومیں ہیں، دو ہی مِلّتیں ہیں۔ جسے عرفِ عام میں ہم دو قومی نظریہ کہتے ہیں۔ پھر یہ اسلام میں کیسے فرقہ بندی آ گئی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر فرقے کے ہاتھ میں قرآن ہی ہے لیکن قرآن کے معانی اپنی پسند سے کرتا ہے۔ یہ منصب تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ ارشاد باری ہے: لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (النحل:44) تا کہ آپ لوگوں سے کھول کر بیان فرما دیں جو ان کی طرف (احکام و مضامین) اتارے گئے ہیں۔ عرب اہلِ زبان تھے اور باقی دنیا کو 'عجم' یعنی گونگا کہتے۔ وہ کہتے تھے کہ زبان دانی تو ہمارا کام ہے۔ بعض اوقات جب قرآن کی آیت نازل ہوتی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سناتے اور استفسار فرماتے کہ اس کا مفہوم کیا ہے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، باوجود اس کے کہ وہ خوبصورت عام فہم عربی ہوتی، کبھی جرأت نہ کرتے بلکہ عرض کرتے کہ اللہ و رسولہ اعلم یعنی اللہ بہتر جانتا ہے اور اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتا ہے پھر جو مفہوم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بتاتے، صحابہ کرامؓ اُسے قبول کرتے، اُس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عمل کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تصدیق فرماتے کہ یہی درست ہے۔

فرمایا، ہم نے لقمان کو دانش و حکمت دی کہ وہ ہمارا شکر ادا کریں یعنی شکر ادا کرنے کے طریقے، سلیقے، انداز اور نکتے عطا کیے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُنہیں علم لدُنّی عطا فرمایا۔ اُن کا سینہ اُن علوم کے لیے کھول دیا جو براہِ راست اللہ کی طرف سے اُن کے سینے میں القا کیے گئے اور اس کا حاصل یہ تھا کہ وہ اللہ کا شکر ادا کریں۔ خلوصِ دل سے کمالِ اطاعت کریں۔

فرمایا: وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ۔۔۔ اور جو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، پورے خلوصِ دل سے جانفشانی سے اللہ کی اطاعت کرتا ہے وہ اپنے لیے کر رہا ہے۔ اس کا اجر اسے بے پناہ ملے گا۔ اللہ کسی کی تعریف کا محتاج نہیں ہے۔ ساری دنیا ولی اللہ ہو جائے تو اُس کی شان بڑھ نہیں جاتی اور اللہ نہ کرے اگر ساری دنیا اس کی ذات سے منہ موڑ لے تو اس کی شان میں کمی نہیں آتی۔ وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ ہاں! جو خلوصِ دل سے پوری محنت سے اللہ کی اطاعت کرتا ہے وہ اپنے لیے محنت کر رہا ہے، اس کا اجر پائے گا۔ انعاماتِ باری پائے گا، قربِ الٰہی سے نوازا جائے گا: وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۱۲﴾ اور جو ناشکری کرتا ہے۔ اللہ کی اطاعت سے روگردانی کرتا ہے تو اللہ اس کی

اطاعت کا محتاج نہیں ہے۔ اللہ تو غنی ہے، بے نیاز ہے کسی طرح ضرورتمند نہیں ہے۔ وہ حمید ہے، تعریف کیا گیا۔ تمام تعریفیں، تمام کمالات اُسی کی ذات کے لیے ہیں۔

حضرت لقمان کی بیٹے کو نصیحت:

فرمایا: وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾

اور جب لقمٰن نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرانا کہ بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

جو علوم اللہ کریم عطا فرماتے ہیں وہ ایک خزانہ ہے اور بندہ اُن پر عمل کرتا ہے اور ان کو پھیلاتا بھی ہے۔ یہ ضروری ہے کہ جو چیز اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہو اُسے پھیلائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً اَوْ كَمَا قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (عن عبداللہ بن عمرو بن العاص) کہ میرا ایک مبارک جملہ بھی کسی تک پہنچے اس کی ذمہ داری ہے کہ اُسے خلوصِ دل سے قبول کرے، اُس پر عمل کرے اور دوسروں تک آگے پہنچائے حضرت لقمان نے بیٹے سے بات کی، جو علومِ قلبی اُن کو عطا ہوئے تھے وہ اُسے سنا رہے تھے اُسے نصیحت کر رہے تھے۔ سب سے پہلے اور سب سے اہم بات جو آپ نے سنائی وہ تھی: لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾ اے میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ کبھی شرک نہ کرنا۔ اللہ کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک نہ کرنا۔ دنیا میں سب سے بڑا ظلم جو بندے سے ہو سکتا ہے وہ شرک ہے۔ انسان بڑے بڑے مظالم ڈھاتا ہے لیکن سب سے بڑا ظلم جو بندہ کرتا ہے وہ اللہ کے ساتھ شرک ہے۔ اے بیٹے! کبھی اس کے قریب بھی مت جانا کہ یہ بہت ہی بڑا ظلم ہے یعنی صحتِ عقیدہ سب بھلائیوں کی بنیاد ہے۔ اگر عقیدہ درست نہ ہو تو اصلاحِ عمل کی امید فضول ہے۔

والدین کے ساتھ احسان:

فرمایا: وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۱۴﴾ ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا۔ اُس کی ماں نے اُسے مصیبتوں پر مصیبتیں جھیل کر پیٹ میں پالا اور پھر اسے اپنے سینے سے دودھ پلاتی رہی۔ جب وہ کسی قابل نہ تھا، خود کو سنبھال سکتا تھا نہ ہی غذا لے سکتا تھا۔ اُسے کپڑے کا ہوش تھا نہ ہی رفع حاجت کی سمجھ تھی۔ یہ ماں ہی تھی جس نے اُسے ہر حال میں سنبھالا، صاف ستھرا رکھا، نہلایا دُھلایا، کھلایا پلایا، علاج معالجہ کیا۔ ہر ماں نے ہر بچے کے ساتھ اسی طرح محنت کی کہ بڑی مشکلوں سے مصیبتیں اُٹھا کر اُسے اپنے پیٹ میں پالا اور دو سال اس کی غذا کا اہتمام اللہ کریم نے

ماں کے سینے سے کر دیا تو ماں بچے کے لیے اپنے کھانے میں بھی پرہیز کرتی رہتی ہے۔

کچھ عرصہ پہلے تک دیہات کی زندگی میں بڑی سادگی ہوتی تھی، پرسکون زندگی تھی۔ اُس دور کی خواتین، ہماری نانیاں دادیاں، مائیں، بچوں کی شیر خواری کے زمانے میں اپنے کھانے میں بہت احتیاط برتتی تھیں۔ حتیٰ کہ چپاتی تک میں احتیاط برتی جاتی۔ وہ کہتی تھیں جس کا شیر خوار بچہ ہے اُسے سخت چپاتی نہ دو کہ سخت چپاتی بچے کے پیٹ میں چبھتی ہے۔ اب چپاتی تو ماں کھائے گی اور بچہ تو دودھ پیئے گا لیکن شاید اُس کا اثر یہ ہوتا ہوگا کہ بچے کے پیٹ میں مروڑ یا درد اُٹھتا ہو۔ ماں اتنی احتیاط اپنی خوراک میں اپنے بچے کے لیے کرتی ہے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ تمہارا والد محنت، مشقت کرتا ہے، تمہاری والدہ کا بھی بوجھ اُٹھاتا ہے اور تمہارا بوجھ بھی اُٹھاتا ہے۔ تمہیں آرام دینے کے لیے اپنی جان کو مشقت میں ڈالتا ہے۔ ماں باپ دونوں مشقت اٹھاتے ہیں تو اولاد پلتی ہے۔ اب اگر اولاد ہی ماں باپ کا لحاظ چھوڑ دے تو پھر دنیا میں کون کس کا لحاظ کرے گا! کون کس سے حیا کرے گا، کون کس سے تعلق درست رکھے گا؟ اگر اولاد ہی والدین سے اپنا تعلق درست نہ رکھے تو پھر دنیا میں تعلقات کا معیار ہی نہ رہا۔ یہ یاد رکھو کہ یہ زندگی یونہی ختم نہیں ہو جائے گی بلکہ اِلَیَّ الۡمَصِیۡرُ ﴿۱۴﴾ تمہیں ہمارے پاس واپس آنا ہے۔ بات بات کا حساب ہوگا۔ بات بات پر انعام بھی ہوگا اور بات بات پر عذاب بھی ہوگا۔ جس طرح کا برتاؤ ہوگا اُس طرح کے نتائج ہوں گے لیکن یاد رکھو والدین کے حقوق کی بھی ایک حد ہے۔ والدین اگر مشرک و کافر بھی ہوں تو بھی بحیثیتِ والدین اُن کی عزت کی جائے گی۔ اُن سے پیار سے بات کی جائے گی۔ اُن کی ضروریات کا اہتمام کیا جائے گا۔ غذا اور دوا مہیا کی جائے گی اور اُن کی خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جائے گی۔

فرمایا: وَاِنۡ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنۡ تُشۡرِكَ بِىۡ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ۔۔۔ لیکن والدین کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف حکم دیں۔ اگر ایسا کوئی حکم دیں گے تو وہ نہیں مانا جائے گا۔ والدین کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ کسی کو نماز سے روک دیں یا شریعت کے کسی عمل کو کرنے سے روکیں۔ یہ اجازت نہیں ہے۔ اس معاملے میں والدین کی نہیں مانی جائے گی بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مانی جائے گی۔

آج کل یہ بھی مسئلہ ہے کہ شوہر ذکر اللہ سے منع کرتے ہیں۔ شوہر کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اللہ کا ذکر کرنے سے منع کرے۔ شوہر اور والدین کی اطاعت کی ایک حد ہے، وہ اللہ کے احکام میں مداخلت نہیں کر سکتے۔ قرآنِ حکیم میں ذکر اللہ کا حکم کثرت سے ملتا ہے۔ اب شوہر کون ہوتا ہے کہ یہ کہے کہ ذکر نہ کرو۔ اسی طرح والدین بہن بھائی، کوئی رشتہ دار شریعت کے کسی حکم سے روک نہیں سکتا۔ اللہ کے حکم کی اطاعت مقدم ہوگی۔ اگر والدین کوئی ایسا حکم

دیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بناؤ یا اللہ کی نافرمانی کرو تو دین کے معاملے میں اُن کی بات نہیں مانی جائے گی۔ عمل اللہ کے حکم پر کرنا ہوگا۔ ہاں یہ لحاظ رکھنا پڑے گا کہ والدین کو کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے نہ ہی اُن سے تلخ کلامی کی جائے گی لیکن فَلَا تُطِعْهُمَا۔۔۔ خلافِ شرع کوئی حکم نہ مانا جائے گا: وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا۔۔۔ دنیا کے معاملات میں اُن کے ساتھ بہت خوبصورتی سے نباہ کرو۔ غزوۂ بدر میں ایک صحابیؓ جن کے والد مشرکین کے ساتھ تھے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ وہ اپنے والد سے مقابلہ کریں اور قتل کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر اجازت نہیں دی کہ وہ تیرے لیے دنیا میں آنے کا سبب بنا ہے، تو اس کے لیے دنیا سے جانے کا سبب نہ بن۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور کو مقابلے کے لیے بھیجا غرضیکہ دُنیوی معاملات میں والدین کا لحاظ، احترام اور اچھے طریقے سے نباہ کرنا ہوگا۔

معاملات میں کس کا اتباع کیا جائے؟

فرمایا: وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ۔۔۔ اُن لوگوں کا راستہ اختیار کرو، اتباع کرو جن کے دل میری بارگاہ میں جھکے ہوئے ہیں۔ جو تمہیں میری بارگاہ میں لے کر آئیں۔ وہ لوگ جو تمہاری راہنمائی کر کے تمہیں اللہ کی بارگاہ میں سرخرو کریں۔ تمہیں اطاعتِ الٰہی کی طرف بلائیں، اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلائیں، اتباعِ شریعت کی طرف بلائیں ایسے لوگوں کا راستہ اور اتباع اختیار کرو: مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ۔۔۔ دل کی انتہائی گہرائی میں پیدا ہونے والی خواہش سے اگر اللہ کی طرف رجوع کرے تو اُسے انابت کہتے ہیں۔ جب دل کی گہرائی میں یہ خواہش پیدا ہو جائے کہ اللہ کی بارگاہ میں سرخرو ہونا چاہیے، اللہ کریم کی اطاعت کرنی چاہیے، اللہ کریم کا شکر کرنا چاہیے تو جو لوگ اللہ کی طرف لے کر آتے ہیں اُن کا ساتھ دو، اُن کے ساتھ چلو۔ یاد رکھو: ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ۔۔۔ تمہیں میری طرف تو لوٹ کر آنا ہی ہے۔ موت بھی تو تمہیں میری بارگاہ میں پہنچا دے گی تو پھر کیوں نہ جیتے جی اپنے فیصلے سے میری طرف آجاؤ؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک ارشاد ہے، فرماتے ہیں اگر آج قیامت قائم ہو جائے تو مجھے کوئی حیرت نہیں ہوگی کیونکہ میرا ایمان و یقین پختہ ہے۔ مجھے اُن تمام باتوں پر جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت سے متعلق ارشاد فرمائی ہیں قطعی یقین ہے۔ جب پتا ہو کہ ایسا ہونے والا ہے تو وہ واقعہ ہو جانے پر پھر حیرت نہیں ہوتی۔ ہم یہ سنتے ہیں کہ قیامت کو لوگ مبہوت ہو جائیں گے پریشان ہو جائیں گے کہ یہ کیا ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ مجھے کوئی حیرت نہیں ہوگی۔

فرمایا! اُن کا راستہ اختیار کرو جو تمہیں، تمہارے دل کی گہرائیوں سے میری بارگاہ سے وابستہ کر دیں۔ پھر تم نے آنا تو میری بارگاہ میں ہی ہے۔ جو ساری عمر دور بھاگتے رہتے ہیں کفر و شرک کرتے ہیں نافرمانی

کرتے ہیں، آنا تو اُن کو بھی پڑے گا۔

اللہ کریم سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں:

فرمایا: فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴿۱۵﴾ میری عدالت میں لوگوں کو بتایا جائے کہ وہ کیا کرتے رہے۔ دنیا کی عدالتیں تو ثبوت مانگتی ہیں۔ جب اُن کے سامنے کوئی ملزم یا حوالاتی آئے تو عدالتیں اس کے خلاف ثبوت مانگتی ہیں۔ اللہ کریم کی عدالت میں انسان کو کھڑا کر کے ثبوت سنائے جائیں گے کہ تُو نے فلاں وقت یہ کہا، یہ کیا اس لیے کہ وہ اللہ کریم کی عدالت ہے جو کسی کے ثبوتوں کا محتاج نہیں ہے بلکہ بندہ بے شمار خطائیں کر کے خود بھول چکا ہوگا۔ اللہ کریم اُسے بتائیں گے کہ تم نے یہ کیا۔ اس کے سارے کرتوت جو وہ کرتا رہا، اُسے بتائے جائیں گے۔

فرمایا: يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ﴿۱۶﴾ اے میرے بیٹے! کوئی بات اللہ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی خواہ کوئی رائی کے دانے کے برابر یا چھوٹے سے چھوٹا ذرّہ ہو۔ وہ ذرّہ کہیں کسی چٹان کے اندر چھپا ہو، کسی ہزاروں فٹ بلند پہاڑ کی کسی چٹان کے اندر ہو۔ وہ ذرّہ زمین کی پنہائیوں میں گم ہو گیا ہو یا آسمانوں کی وسعتوں میں گم ہو اللہ کریم اُسے حاضر کر دیں گے۔ اس سے مراد ہے کہ کوئی چیز بچ نہیں سکے گی کہ ہر چیز اس ذرّے سے تو بڑی ہے۔ شجر و حجر نباتات و جمادات، چرند پرند، حیوانات، انسان، جن، فرشتے آسمان زمینیں ہر چیز کو حساب دینا ہوگا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ﴿۱۶﴾ اللہ کریم بہت باریک بین ہیں۔ اُن سے کوئی بات، کوئی چیز چھپ نہیں سکتی اور وہ بہت باخبر ہیں۔ کوئی بات اُن کے علم سے باہر نہیں۔

ایٹم کا تذکرہ:

یہ بات قابلِ غور ہے کہ قرآن کریم نے ایک چھوٹے سے ذرّے کی بات ارشاد فرمائی ہے۔ آج کی جدید سائنس نے بتایا ہے کہ زمین میں ایٹم (Atom) بھی ہوتا ہے۔ ایٹم (Atom) کیا ہے؟ ایٹم اس چھوٹے سے ذرّے کو کہتے ہیں جو غیر منقسم ہو، مزید تقسیم نہ ہو سکتا ہو۔ ایسا ذرّہ جو ٹوٹتے ٹوٹتے اتنا چھوٹا ہو جائے کہ مزید تقسیم نہ ہو سکے لیکن اسی ایٹم میں ایک جہاں آباد ہے۔ اس میں منفی اور مثبت بجلی کا نظام ہے۔ جب اس ایٹم کو توڑتے ہیں اس کو خراب کرتے ہیں تو وہ تباہی لاتا ہے۔ ایٹم کی دریافت نے بڑا انقلاب پیدا کر دیا اور انسان نے ایٹم سے ایٹم بم بنایا جس نے لمحات میں لاکھوں انسانوں کو موت کی نیند سُلا دیا۔ ایٹم بم کی ساری سائنس یہ ہے کہ جس ذرّے کو توڑا نہیں جا سکتا تھا اُسے توڑ دیا جاتا ہے اور اس سے اتنی تباہی آتی ہے کہ میلوں دور تک پھیل جاتی ہے اور برسوں تک اثر رکھتی ہے۔

اس ایٹم میں ایک کائنات ہے جسے خراب کریں، توڑیں تو تباہی لاتی ہے لیکن اگر آپ اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو انسانی صحت سے لے کر بجلی تک کی ساری سہولیات فراہم کر دیتا ہے۔ آپ اس سے ایٹمی بجلی گھر بنا لیتے ہیں۔ اس سے علاج بھی کرتے ہیں۔ سائنس دانوں نے ایٹمی شعاعوں سے پتھر سے ہیرے بنا لیے ہیں۔ ہمارے ملک کے سائنسدانوں نے بھی پتھر کو ایٹمی شعاع سے ہیرا بنانے کا تجربہ کیا ہے۔ امریکہ میں تو ایسے ہیرے بازار میں فروخت ہو رہے ہیں اور کم قیمت ہوتے ہیں جبکہ زمین سے نکلنے والے ہیرے کروڑوں میں ملتے ہیں یہ ہیرے چند ہزار میں مل جاتے ہیں۔

ہمارے سائنسدانوں نے گندم کے خوشوں کو بھی ان ایٹمی شعاعوں میں پالنے کا تجربہ کیا ہے۔ ایک خاص مقدار سے ان خوشوں کو شعاعیں دیتے رہے تو وہ خوشے عام خوشوں سے کئی گنا بڑے ہو گئے۔

قرآن صدیوں پہلے اس ذرّے کا تذکرہ فرما رہا ہے کہ ایک حقیر سا ذرّہ تمہارے لیے ہیرے موتی بھی پیدا کر رہا ہے، تمہاری بیماریوں کا علاج بھی پیدا کر رہا ہے۔ تمہاری غذا کو بڑھا رہا ہے۔ تمہارے شہروں کو چکا چوند کر رہا ہے۔ وہ ایک ذرّہ ہے کہ جسے غلط استعمال کرتے ہیں توڑتے ہیں تو آبادیوں کی آبادیوں کو نیست و نابود کر دیتا ہے۔ اس کا تذکرہ بھی یوں سمجھ آتا ہے کہ انسانو! یاد کرو کہ اس ذرّے کا تذکرہ بھی قرآن نے کیا تھا کہ وہ ایٹم جس کا پتا تمہیں صدیوں بعد ملے گا اُس کے برابر ذرہ بھی اللہ کی بارگاہ میں معلوم ہے۔ اللہ اُسے بھی میدانِ حشر میں حاضر کرے گا خواہ وہ کسی چٹان کے اندر چھپا ہوا ہے یا آسمان و زمین کی وسعتوں میں کہیں گم ہے اللہ کریم بہت باریک بین ہیں اور کوئی بات اس کے علم سے باہر نہیں ہے۔

نماز کی تلقین:

فرمایا: یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ ۔۔۔ اے بیٹے! نماز کو نہ جانے دینا۔ نماز کو ہر حال میں قائم رکھنا کہ یہ وہ لمحہ نہیں ہے جو چھوڑ دیا جائے۔ یہ وہ لمحہ ہے جس سے ہر حال میں بھرپور انداز میں مستفید ہوا جائے۔ نماز کا حق یہ ہے کہ جو بندہ نماز ادا کر لے وہ پھر اگلی نماز کا منتظر ہو جائے کہ کب وہ لمحہ پھر آئے گا۔ کب میں اپنے ربّ کو پکاروں گا۔ کب میں اپنے دکھ سکھ اس کی بارگاہ میں پیش کروں گا۔ کب میری پیشانی اس کے سجدوں سے منور ہو گی۔ کب میرا دل اس کی یادوں کو بسائے گا۔ کب مجھے یہ سعادت پھر نصیب ہو گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کا مفہوم ہے کہ جو نماز ادا کر کے اگلی نماز کے انتظار میں ہوتا ہے اللہ کریم اُسے دائمی نمازی کا درجہ دیتے ہیں، اسے نماز سے خارج نہیں کرتے۔ وہ ہمیشہ نماز ہی پڑھتا ہے۔ عشاء کی نماز پڑھ کر فجر کے انتظار میں سو گیا تو وہ تو سو رہا ہے لیکن اللہ کریم اُسے نماز میں شمار کر رہے ہیں۔ فجر ادا کر کے اپنے دُنیوی کاموں میں نکل گیا لیکن اُسے ظہر کا انتظار ہے تو اللہ کریم اُس کے اُن کاموں میں بھی برکت دیتے ہیں گویا جو نماز کا منتظر رہا اس

کا دن رات، ہر لمحہ نماز بن جاتا ہے۔

نماز کو قائم کرنے میں ایک یہ بات بھی ہے کہ یہ صرف اُٹھک بیٹھک نہیں ہے۔ یہ وہ لمحات ہیں جب بندہ ذاتی طور پر اللہ سے ہمکلام ہوتا ہے۔ نماز مومن کی معراج ہے۔ ایک تکبیر 'اللہ اکبر' کائنات سے اُسے کاٹ دیتی ہے اور وہ سیدھا اللہ کے حضور کھڑا ہو جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نمازی کے آگے سے نہ گزرو اس لیے کہ فَاِنَّهٗ يُنَاجِيْ رَبَّهٗ (صحیح بخاری) او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کہ وہ اپنے پروردگار سے سرگوشیاں کر رہا ہے۔ اسے پریشان نہ کرو، اس کی باتوں میں مُخل نہ ہو۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر:

فرمایا: وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔۔۔ اے میرے بیٹے! نماز کی پابندی کرو اور بھلائی کا حکم کرو اور برائی سے منع کرو۔ قرآنِ کریم کی یہ بہت خوبصورت منطق ہے، بہت ہی خوبصورت دلیل ہے۔ اب یہ تو ممکن نہیں ہے کہ ایک بندہ سب لوگوں کو تو یہ سمجھا رہا ہو کہ جھوٹ نہ بولو اور خود اُسی لمحے ان سے جھوٹ بولے تو اُسے خود بھی جھوٹ سے پرہیز کرنا ہوگی۔ جب گھڑا بھر جاتا ہے تو پانی تقسیم کرتا ہے، خالی گھڑے سے پانی نہیں آتا۔ بندہ جب خود اپنا کردار بنا لیتا ہے تو دوسروں کو تلقین کرتا ہے کہ اس طرح عمل کرو۔ قرآنِ کریم نے وہاں سے بات پر گرفت کی کہ دوسروں کو بھلائی کا حکم دو یعنی خود تو بھلائی کرنی ہی کرنی ہے۔ ہر شعبہ زندگی میں ہر حال میں بھلائی کرو۔

بھلائی کیا ہے؟ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے۔ جہاں سو جانے کا حکم دیں وہاں سو جانا بھلائی ہے۔ جہاں جاگنے کا حکم دیں وہاں جاگنا بھلائی ہے۔ جس چیز کو جائز اور حلال فرمایا اس کا حاصل کرنا، کھانا بھلائی ہے اور جس چیز کو حرام کر دیں اس کو ترک کرنا بھلائی ہے۔

فرمایا بھلائی کا یعنی اطاعت کا مشورہ لوگوں کو دیا کرو۔ اُن تک بات پہنچایا کرو۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بعض حضرات شکایت کرتے کہ ہم میں فلاں عادت خراب ہے، اُس سے کیونکر چھٹکارا پائیں؟ آپؒ فرمایا کرتے اس پر وعظ کیا کرو۔ لوگوں کو اس سے روکا کرو۔ پوچھا گیا کہ ایسا کرنے سے کیا ہوگا؟ فرمایا، جب وعظ سے لوگوں کو اس برائی سے روکو گے تو اللہ تمہیں بھی توفیق دے گا تم خود بھی اس سے رک جاؤ گے۔

فرمایا، اے بیٹے! ہمیشہ لوگوں کو برائی سے منع کرو۔ یہ قابلِ غور بات ہے کہ یہاں یہ نہیں فرمایا کہ خود پرہیز کرو۔ یہ نہیں فرمایا کہ خود نیکی کرو۔ یہ فرمایا کہ لوگوں کو نیکی کی تلقین کرو اور لوگوں کو برائی سے روکو یعنی تمہارا کردار اتنا اعلیٰ ہو جائے، تمہارا سینہ اتنا روشن ہو جائے۔ تمہیں اتنا اتباعِ شریعت نصیب ہو جائے کہ دوسروں کے لیے ہدایت کا سبب بن جائے۔

اگر ہم غور کریں تو سمجھ آتی ہے کہ کتنا بدنصیب ہے وہ شخص جو دوسروں کو تو بھلی بھلی باتیں بتاتا ہے اور خود عمل نہیں کرتا۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی دودھ پی کر مر جائے حالانکہ دودھ غذا بھی ہے دوا بھی ہے۔ حیات بخشتا ہے۔ کسی بھی کام میں محض اداکاری یا نقالی کرنا صحیح نہیں ہے۔ خلوصِ دل سے کام کیا جائے۔

دوسروں کو بھلائی کا حکم دینے سے یہ مراد ہے کہ خود بھی ہر بھلائی پر عمل کیا جائے دوسروں کو برائی سے روکنے سے مراد ہے خود بھی ہر برائی سے روکنے سے مراد ہے خود بھی ہر برائی سے بچا جائے۔

اولوالعزمی:

یاد رہے یہ دنیا ہے جب تم نیکی کرو گے اور لوگوں کو برائی سے روکو گے تو برے لوگ تمہارے لیے مسائل پیدا کریں گے۔ جب تم روشنی پھیلانا چاہو گے تو اندھیروں کے باسی تمہاری روشنیاں بجھانے کی کوشش بھی کریں گے۔ یہ دنیا ہے اس میں ناگوار حالات بھی آئیں گے، رکاوٹیں بھی آئیں گی تو فرمایا: وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ۔۔۔ اس معاملے میں تم پر جو مصیبتیں آئیں اُن پر تم صبر کرو۔ اللہ پر بھروسہ کر کے برداشت کرو۔ تمہیں اس صبر کا، ان مصیبتوں کو سہنے کا بھی بہت بڑا اجر دیا جائے گا۔ تم آخرت میں کہو گے کہ یہ تو بہت کم مصیبتیں آئیں۔ کاش! کچھ اور آئی ہوتیں تو مزید انعامات ملتے لہٰذا ان مشکلات میں حوصلہ رکھو اور صبر کرو: اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾ بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔ دنیا سے سرخرو ہو کر جانے کا ذریعہ یہی عظیم کام ہے۔ کام یہی ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ خود نیکی پر عمل کرنا اور دوسروں کو نیکی کی طرف بلانا، خود برائی سے بچنا اور دوسروں کو برائی سے روکنا اور پھر اس راہ میں مشکلات آئیں ان پر صبر کرنا یہ بہت اولوالعزمی کے کام ہیں۔ تم اس پر کاربند رہو، صبر کرو اللہ پر بھروسہ رکھو وہ تمہاری محنت ضائع نہیں فرمائے گا۔ تمہیں بہت سے انعامات سے نوازے گا کہ یہ بہت بڑا کام ہے۔

ہمیشہ عاجزی اپناؤ:

فرمایا: وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ۔۔۔ اگر اللہ تمہیں کوئی کمالات عطا کریں، تمہیں نیکی پر عمل کی توفیق دیں تو اپنی پارسائی کے زعم میں مبتلا مت ہو جانا اور اس پر پھول نہ جانا۔ لوگوں میں منہ پھلا کر نہ چلنا کہ میں تو بڑی مقدس ہستی بن گیا ہوں یہ لوگ تو غلیظ ہیں، کیڑے مکوڑے ہیں۔ فرمایا، ایسا نہ کرو وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ۔۔۔ لوگوں پر اپنے گال نہ پھلانا کہ خود کو بڑا پارسا سمجھنے لگو، فرشتہ سمجھنے لگو اور دوسروں کو گھٹیا سمجھو۔ انسان ہونے میں سب برابر ہیں۔ جو نیک ہے وہ تمہارا بھائی ہے، اُس سے تم نیکی حاصل کر سکتے ہو یا وہ تم سے نیکی حاصل کرتا ہے۔ جو بدکار ہے وہ بھی اللہ کی مخلوق ہے تم سے ہو سکے تو اس تک اللہ کا پیغام پہنچاؤ کہ عین ممکن ہے وہ سدھر جائے۔ اگر نہیں سدھرے گا تو تمہارا حق تو ادا ہو گیا۔ اس لیے عام لوگوں میں رہو۔ صوفیا کرام نے اسی لیے ارشاد فرمایا ہے کہ کسی

صوفی کو یہ زیبا نہیں ہے کہ اپنی خاندانی بود و باش چھوڑ کر خاص کپڑا پہن لے۔ کسی نے بال لمبے رکھ لیے یا سر پر خاص قسم کی ٹوپی یا پگڑی باندھ لی یا عجیب طرح کا چوغہ پہن لیا۔ بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ ایک ٹوپی پہن لی اس کے اوپر ایک پگڑی پہن لی اور اس کے اوپر دوپٹہ سا رکھ لیا۔ یہ ساری چیزیں بناوٹی ہیں اور ان کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اہلِ تصوف ان سب تصنعات سے منع فرماتے ہیں۔ جیسے تمہاری عمومی زندگی ہے، جیسی بود و باش ہے ویسے ہی رہو۔ وہی لباس رکھو، لوگوں سے میل جول رکھو کہ تم کوئی الگ مخلوق نہیں بن گئے ہو ویسے ہی بندے ہو جیسے سب ہیں۔ لوگوں میں منہ پھلا کر نہ بیٹھو کہ تم تو بڑی اعلیٰ مخلوق بن گئے ہو اور وہ بُرے ہیں۔

فرمایا: وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا۔۔۔ اور زمین پر اکڑ کر نہ چلو یعنی تکبر نہ کرو۔ اپنی بڑائی کے وہم میں مبتلا نہ ہو جاؤ کہ یقیناً: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾ اللہ ہر متکبر سے، فخر کرنے والے سے نفرت فرماتے ہیں، انہیں پسند نہیں فرماتے۔ جو اللہ کی پسند سے گر گیا پھر اس کے پاس کوئی نیکی نہیں رہتی لہٰذا حلیے بنا کر، گلے میں دس دس تسبیحیں ڈال کر، طرح طرح کی انگوٹھیاں پہن کر بال بنا کر، لمبے چوغے پہن کر حلیے بنا کر لوگوں کو نہ دکھاؤ۔ جو خاندانی بود و باش ہے جیسے باپ دادا لباس پہنتے تھے، صاف ستھرا لباس پہنو۔ اگر اللہ نے دولت دی ہے تو قیمتی لباس پہنو لیکن رہو عام انسانوں کی طرح، اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھنا کہ ایسا سمجھنے والوں کو اللہ کریم پسند نہیں فرماتے۔

اعتدال:

فرمایا: وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ۔۔۔ اپنی رفتار میں اعتدال اختیار کرو، زمین پر اکڑ اکڑ کر نہ چلو۔ عام زندگی گزارو، بول چال میں میل جول میں بالکل عام زندگی گزارو۔ گفتگو میں اکڑ کر، متکبرانہ انداز میں فرعون کی طرح بات نہ کرو۔ ہر لحاظ سے ایک عمومی انداز میں رہو۔ یاد رکھو: اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿۱۹﴾ اگر چیخنا چلانا شور مچانا ہی مقصود ہو تو بُری آواز تو گدھے کی بھی ہوتی ہے۔ وہ بھی زور لگا کر شور تو مچا ہی لیتا ہے تو یہ کون سا کمال ہے؟

حاصلِ کلام:

ان ساری باتوں کا گویا حاصل یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کو بندہ ہی بن کر رہنا چاہیے اور جو اُن کا عمومی طرزِ حیات ہے اُسی میں رہنا چاہیے۔ کسی خاص مقصد کے لیے کوئی خاص حلیہ بنائے نہ ہی کوئی خاص اندازِ گفتگو یا چال اپنائے بلکہ عام آدمیوں کی طرح رہے۔ یہ اللہ کی طرف سے بہت بڑی عنایت ہے کہ کوئی صاحبِ کمال ہوتے ہوئے عام انسانوں کی طرح رہے۔ یہ بہت بڑا کمال ہے اور اللہ کریم کا بہت بڑا احسان ہے۔

سورۃ لقمٰن رکوع 3 آیات 20 تا 30

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿۲۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۲۱﴾ وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۲۴﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۙ كُلٌّ يَّجْرِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۳۰﴾

کیا تم لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ اللہ نے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے تمام چیزوں کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے اور اُس نے تم پر اپنی نعمتیں ظاہری اور باطنی، پوری کر رکھی ہیں۔ اور لوگوں میں تو کچھ ایسے (بھی) ہیں جو اللہ کے بارے جھگڑتے ہیں (حالانکہ) نہ علم رکھتے ہیں اور نہ ہدایت اور نہ روشن کتاب ﴿۲۰﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اُس چیز کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل فرمائی ہے تو کہتے ہیں بلکہ ہم اُس چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا۔ اگرچہ شیطان اُن (کے بڑوں) کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو ﴿۲۱﴾ اور جو شخص اپنا رُخ اللہ کی طرف جھکا دے اور وہ خلوص والا بھی ہو تو اُس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا۔ اور سب کاموں کا انجام اللہ کی طرف ہی پہنچے گا ﴿۲۲﴾ اور جو شخص کفر کرے تو اُس کا کفر آپ کو دُکھی نہ کرے۔ اُن سب کو ہمارے پاس ہی لوٹنا ہے۔ پھر جو وہ کیا کرتے تھے ہم اُن کو بتائیں گے۔ بے شک اللہ دلوں کی باتوں کو جانتے ہیں ﴿۲۳﴾ ہم اُن کو چند روزہ عیش دیے ہوئے ہیں پھر اُن کو مجبور کر کے سخت عذاب کی طرف لے جائیں گے ﴿۲۴﴾ اور اگر آپ اُن سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا فرمایا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔ آپ فرمایئے کہ تمام خوبیاں اللہ کے لیے ہیں بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے ﴿۲۵﴾ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ کا ہے۔ بے شک اللہ بے نیاز سب خوبیوں کے مالک ہیں ﴿۲۶﴾ اور زمین بھر میں جتنے درخت ہیں اگر وہ قلم بن جائیں اور یہ جو سمندر ہے اس کے علاوہ اس میں سات سمندر اور شامل ہو جائیں (اور سیاہی بن جائیں) تو اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں۔ بے شک اللہ غالب (اور) حکمت والے ہیں ﴿۲۷﴾ تم سب کا پیدا کرنا اور (دوبارہ) زندہ کر دینا ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص کا۔ بے شک اللہ سب کچھ سنتے سب کچھ دیکھتے ہیں ﴿۲۸﴾ (اے مخاطب!) کیا تُو نہیں دیکھتا کہ اللہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل فرما دیتے ہیں اور سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے کہ ہر ایک مقررہ وقت تک چلتا رہے گا اور یہ کہ اللہ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتے

ہیں ﴿۲۹﴾ یہ اس لیے کہ اللہ کی ذات ہی برحق ہے اور یہ کہ جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا
پکارتے ہیں وہ باطل ہیں اور یہ کہ اللہ ہی عالی شان، بڑے ہیں ﴿۳۰﴾

تفسیر ومعارف

ظاہری وباطنی نعمتیں:

فرمایا: اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً۔۔۔

کیا انسان دیکھتا نہیں ہے، سوچتا نہیں ہے، اس بات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا کہ اللہ کریم کے کتنے احسانات ہیں اُس پر؟ اللہ کریم نے آسمانوں اور زمینوں پر جو کچھ تخلیق فرمایا ہے، سارا انسان ہی کی خدمت پر لگا دیا ہے۔ سائنس نے جو کچھ دریافت کیا ہے، ان علوم کے ماہرین جو جان سکے ہیں، سب کا نتیجہ یہ ہے کہ ستاروں اور سیاروں کی حرکات سب زمین کو متاثر کرتی ہیں۔ سورج، چاند ستاروں کے اثرات تو عام آدمی بھی جانتا ہے کہ رات اور دن کے تغیر وتبدل سے، موسموں کے تغیر وتبدل، برسات اور خشکی کے تغیر وتبدل سے یہ سارا نظامِ ارضی قائم ہے۔ یہ موسم ان کے اثرات قائم ہیں۔ زمین پر روئیدگی قائم ہے۔ ایک ایک ذرّہ انسان کی خدمت میں لگا ہوا ہے۔

اللہ کی بے شمار آسمانی مخلوق فرشتے ایسے ہیں جو انسانوں کے رزق کی تیاری کے امور انجام دے رہے ہیں۔ بعض فرشتے چیزیں اُگانے پر مامور ہیں تو بعض پکانے اور غذا بنانے پر مامور ہیں۔ اللہ کی بے شمار مخلوق آسمانوں میں بنی نوع آدم کے لیے اور بالخصوص ایمان والوں کے دست بدعا رہتی ہے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ نظام کائنات کو انسان کے لیے مسخر کر دیا یعنی اس کی خدمت پر مامور کر دیا ہے۔ انسان کو کبھی اس نظام میں کسی مرمت کی ضرورت یا اسے چلانے کے لیے کسی طرح کی کوشش کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ اللہ کریم نے ان سب کو (اے انسانو!) تمہارے تابع کر دیا ہے، جیسی تمہاری ضرورت ہوتی ہے ویسی خدمت یہ کرۂ ارض واجرام سماوی بجالاتے ہیں، تمہیں کوئی تکلیف نہیں کرنا پڑتی۔ بارش ہوتی ہے تو نظامِ قدرت کے تابع ہوتی ہے، دھوپ نکلتی ہے تو تمہیں کوئی محنت نہیں کرنی پڑتی اور نہ ہی رات لانے کے لیے کوئی معاوضہ دینا پڑتا ہے۔ سارا نظام تمہاری کسی محنت وکاوش کے بغیر تمہاری خدمت میں لگا ہوا ہے۔ مزید براں: وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً۔۔۔ اللہ کریم نے تم پر ظاہری اور باطنی نعمتیں اس قدر عطا فرما رکھی ہیں کہ اگر تم چاہو بھی تو اس

کی ظاہری نعمتوں کو ہی شمار نہیں کر سکتے۔ ایک لمحے میں انسان کتنی نعمتیں استعمال کر لیتا ہے اور اس چیز کا اسے ادراک ہی نہیں ہوتا۔ اگر سانس لینے پر ہی معاوضے کی پابندی لگا دی جاتی کہ جو پیسے جمع کرائے گا وہی سانس لے سکے گا تو کون اس شرط پر پورا اتر سکتا؟ تھا گرگرمی، سردی لانے کے لیے خود اہتمام کرنا پڑتا تو انسان کبھی نہ کر پاتا۔ یہ ساری ظاہری نعمتیں تو اللہ کریم ہر آن عطا فرما رہے ہیں۔ جس کا انسان کو احساس ہی نہیں ہوتا۔ اسے سوچنا چاہیے کہ اگر یہ سب خود اسے اپنے لیے کرنا پڑتا تو کیا یہ کر پاتا؟

اسی طرح اللہ کریم کی باطنی نعمتیں بھی بے پناہ ہیں۔ اس ظاہری عالم کے مقابلے میں عالم باطن کی نعمتیں بے پناہ اعلیٰ وارفع ہیں۔ انسان کو اس کے لیے بھی کوئی اہتمام نہیں کرنا پڑا کہ اللہ کریم نے انبیا کرامؑ کو مبعوث فرمایا۔ اللہ کریم نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور باطنی نعمتوں کا ناپیدا کنار سمندر قلبِ اطہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجزن کر دیا۔ انسان نے صرف ایمان ہی تو لانا ہے اور اُس کے دل کا تعلق اُس خزینے سے جُڑ جانا ہے۔ پھر جب ایمان کامل ہو تو اگلی راہ آسان ہو جاتی ہے۔ اگلی راہ کیا ہے؟ دنیا میں رہنے بسنے کے لیے لائحہ عمل۔ دنیا میں بے پناہ نعمتیں ہیں۔ فرمایا، سب کھاؤ پیو لیکن جن چیزوں سے روکا گیا ہے وہ تمہارے لیے مضر ہیں، موت کا سبب ہیں۔ شادی کرو، اچھا لباس پہنو، کوئی پابندی نہیں ہے۔ پابندی صرف یہ ہے کہ اپنا حق جائز ذرائع سے حاصل کرو۔ دوسرے کا نہ چھینو۔ اب یہ کون سا مشکل کام ہے؟ بلکہ یہی تو کرنے کا کام اور یہی تو انسانی زندگی ہے۔ انسان اور حیوان میں بنیادی تمیز یہی ہے کہ انسان اپنے حقوق کو سمجھتا ہے، اپنے حقوق کی حفاظت کرتا ہے اور دوسرے کے حقوق میں مداخلت نہیں کرتا بلکہ اس کی بھی حفاظت کرتا ہے۔ حیوان کو یہ تمیز نہیں ہوتی کہ یہ اُس کا حق ہے یا کسی دوسرے کا حق ہے۔ اگر انسان بھی حیوان کی طرح دوسروں کا حق لوٹنے لگ جائے تو پھر وہ انسان تو نہ رہا، گر کر حیوانوں کے درجہ میں چلا گیا۔ یعنی باطنی نعمتوں کے لیے، انعامات کے لیے کوئی ایسی تکلیف نہیں دی گئی جو مشکل ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ عالی ہے 'اَلدِّیْنُ یُسْرٌ' (امام احمد) دین سب سے آسان زندگی ہے سب سے آرام دہ چیز ہے۔ جتنے کام دین کے خلاف ہوتے ہیں، وہ کرنے مشکل ہیں لیکن ہم کرتے ہیں۔ جتنے کام کرنے کا دین حکم دیتا ہے، آسان ہوتے ہیں، سیدھے سادے ہوتے ہیں۔ فرمایا اُس نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر برسا دیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت پر جاہل لوگ جھگڑتے ہیں:

فرمایا: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝۲۰ پھر بھی ایسے بدنصیب لوگ ہیں جو اللہ کی عظمت میں جھگڑا کرتے ہیں۔ ان کے پاس کوئی علمی دلیل نہیں ہوتی۔ اُن کے پاس

کوئی ہدایت کا راستہ ہوتا ہے نہ اُن کے پاس کوئی روشن کتاب ہوتی ہے۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو بغیر علم کے اللہ کی ذات کو ماننے میں تامل ہی نہیں بلکہ جھگڑا کرتے ہیں اور ایمان لانے سے انکار کرتے ہیں۔

جب انسان کوئی بات کرتا ہے تو اس کے لیے دلیل پیش کرتا ہے وہ یا تو اپنی ذاتی معلومات میں سے کسی بات کو بطورِ دلیل پیش کرتا ہے یا اس کے پاس علم ہوتا ہے جو اگلوں سے لکھا لکھایا ملتا ہے۔ یہ از قسم منقول ہے۔ علم نقل ہو کر آتا ہے لہٰذا بات کرنے والے کے پاس کوئی عقلی یا نقلی دلیل ہوتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ بات کرنے والا خود صحیح راستے پر ہوتا ہے تو پھر بات کرتا ہے۔ وہ دوسروں کو بتایا ہے کہ جس راہ پر میں چل رہا ہوں اس میں یہ بہتری ہے اور جس راہ پر تم چل رہے ہو اس میں یہ کمی یا کمزوری ہے، یہ غلطی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ بات کرنے والے کے پاس اللہ کی طرف سے نازل شدہ کوئی روشن کتاب ہوتی ہے جو اس کی راہنمائی کرتی ہے۔ وہ دوسروں کو بتاتا ہے کہ یہ مجھے اللہ کی کتاب نے بتایا ہے۔

فرمایا، ان کے پاس کچھ بھی نہیں ہوتا، علم سے بات کرتے ہیں نہ صحیح راستے پر ہوتے ہیں اور نہ روشن کتاب (کتابِ الٰہی) سے بات کرتے ہیں بلکہ محض جھگڑا کرتے ہیں۔

یہ رویہ عہدِ حاضر میں ایک عام رواج بن گیا ہے آج لوگ اس حد تک گر گئے ہیں کہ عظمتِ باری میں جھگڑا کرتے ہیں اور ایک عام آدمی بھی کہہ اٹھتا ہے کہ ہمیں اللہ نے دیا ہی کیا ہے۔ ہمارے لیے اللہ کیا کر رہا ہے۔

انسان یہ غور نہیں کرتا کہ ہر فرد کے وجود میں دس کھرب سیل (Cells) ہیں۔ ساری دنیا کی آبادی تقریباً چھ ارب ہے اور ایک انسانی وجود میں دس کھرب کی آبادی ہے۔ آج سائنس دان بتا رہے ہیں کسی سیل (Cells) کی عمر چھ ماہ سے زائد نہیں یعنی یہ دس کھرب سیل چھ ماہ میں مر جاتے ہیں اور ان کی جگہ نئے آجاتے ہیں۔ اس دس کھرب کی آبادی کو منظم رکھنا، چھ ماہ کے قلیل عرصے میں دس کھرب اموات کا ہونا دس کھرب پیدائشوں کا ہونا، کیسی عجیب بات ہے۔ اتنی بڑی آبادی ہے اور ہر نیا سیل مرنے والے سیل کی جگہ لے لیتا ہے۔ ان نئے Cells کو کون پیدا کر رہا ہے، کون سنبھال رہا ہے، ان Cells کو کس نے استعدادِ کار کی توفیق دے رکھی ہے؟ دنیا میں کتنے گھروں میں بچے ہوتے ہیں لیکن کیا سارے ٹھیک ہوتے ہیں؟ بعض کمزور ہوتے ہیں، بعض کی عقل درست نہیں ہوتی، اعضائے بدن درست نہیں ہوتے، بہت سی خامیاں رہ جاتی ہیں۔ کتنے ایسے ہوتے ہیں جو باشعور نہیں ہوتے، پڑھ لکھ کر کام کے آدمی نہیں بن سکتے۔ یہ دس کھرب Cells کی آبادی کو کون پیدا کر رہا ہے اس کو سنبھال رہا ہے۔ کس نے ان کا نظامِ حیات بنا رکھا ہے؟ پھر کہتے ہیں کہ اللہ نے ہمارا کیا کیا ہے؟ درحقیقت یہ شکوہ لوگ اس لیے کرتے ہیں کہ

ان کی بے جا خواہشاتِ نفس پوری نہیں ہو رہی ہوتیں۔ خود ناروا، ناجائز سوچتے ہیں، غلطی اپنی ہوتی ہے۔ جھگڑا عظمتِ الٰہی میں کرتے ہیں۔

دین کے مقابلے میں رسومات کو اہمیت دینا:

فرمایا: وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا۔۔۔ جو لوگ بغیر کسی علم کے، بغیر کسی صحیح دلیل کے، کتاب اللہ کی رہنمائی کے، اللہ کی عظمت میں جھگڑا شروع کر دیتے ہیں ایسے بد بخت ہیں کہ جب انہیں کہا جائے کہ جو اللہ کریم نے نازل فرمایا ہے اس پر قائم ہو جاؤ۔ اُس کو مانو اور اُس پر عمل کرو تو کہتے ہیں کہ ہمیں اس سے غرض نہیں ہے ہم تو وہی کریں گے جیسا ہمارے باپ دادا کرتے تھے۔

فرمایا، لوگوں میں یہ خرابی آجاتی ہے کہ عظمتِ الٰہی کو فراموش کر دیتے ہیں اور اپنے باپ دادا کی رسومات پر جم جاتے ہیں۔ کفار کے پاس باپ دادا کی رسومات یہی تھیں کہ غیر اللہ کو پکارنا، بتوں کی پوجا کرنا، ناجائز کھانا، ظلم کرنا تو یہ بد بخت لوگ ان رسومات کو اللہ کے دین کے مقابلے میں ترجیح دیتے ہیں۔

اگر باپ دادا اللہ کے اطاعت گزار مومن ہوں، نیک ہوں تو اُن کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہوگی۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے: مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ۔۔۔ (النسآء:80) جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی چونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہی حکم دیتے ہیں جو اللہ نے دیا ہے۔ دین ہمیں وراثت میں ملا ہے۔ اس میں توارث ہے۔ اب نیک باپ دادا کے ہاں بھی یہی توارث ہے۔ ہم نے اپنے باپ دادا سے حاصل کیا انہوں نے اپنے باپ دادا سے حتیٰ کہ تبع تابعین، تابعین اور صحابہ کرامؓ تک بات پہنچی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وہ ہستیاں ہیں جنہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست دین حاصل کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عمل کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تائید و تصدیق فرمائی کہ یہی صحیح طریقہ ہے۔

نیک باپ دادا کے ہاں بھی یہی توارث ہے تو یہ مبارک ہے اور در حقیقت یہ کسی باپ دادا کا توارث نہیں بلکہ یہ ہمیں ورثے میں ملی ہوئی اطاعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت ہے۔ بدنصیب ہیں وہ لوگ جو گمراہ ہو گئے، ایمان نصیب نہیں ہوا اور رسومات کے سہارے زندگی بسر کر گئے۔ اُن کا اتباع کرنا، اللہ کے دین کے مقابلے میں خاندانی رسومات پر جمے رہنا کتنی بڑی جرأت اور گستاخی ہے! کفار کے پاس جو باپ دادا کی رسومات ہیں وہ تو سارے ایسے کام ہیں جن کے ذریعے شیطان: أَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطَانُ يَدْعُوهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ﴿٢١﴾ اُنہیں دوزخ کی طرف دعوت دے رہا ہو۔ جتنے امور دین کے

خلاف ہیں وہ سارے شیطان کی چالیں ہیں اور اُن کا انجام جہنم ہے۔ شیطان تو کوشش کرتا ہے کہ لوگوں کو سُنت کی بجائے رسومات میں لگائے، دین کی بجائے بے دینی میں لگائے، ایمان کی بجائے کفر میں لے جائے تا کہ یہ سارے جہنم میں پہنچیں۔

لمحۂ فکریہ:

یہ بہت عجیب بات ہے کہ یہ خامیاں یہ کمزوریاں مسلمانوں میں بھی آ گئی ہیں کہ رسومات کو دین پر فوقیت دی جاتی ہے۔ باپ دادا کے رسوم ورواج، علاقائی اور قبائلی رسوم ورواج بن جاتے ہیں۔ اگر کوئی رواج دین سے نہ ٹکرائے تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن اکثر دین کے خلاف ہی ہوتے ہیں۔ شادی میں کتنی رسمیں دین کے خلاف پائی جاتی ہیں۔ شادی میں تو خوشی کا اظہار اچھل کود کے کر لیتے ہیں اب تو مرنے والے کے جنازے پر بھی بہت سی رسمیں بن گئی ہیں لوگ سنّت کے مطابق جنازہ یا تدفین کرنے کو بھی اب اچھا نہیں سمجھتے بلکہ اپنے رواج پورے کرنے ضروری سمجھتے ہیں۔ وہی مرنے والا جب بیمار ہوتا ہے تو کوئی اس کی پروا نہیں کرتا۔ دوا لا کر دینا تو دور کی بات وہ درد سے تڑپتا رہے پانی مانگتا رہے تو بے زاری کا اظہار کرتے ہیں کہ یہ مرتا بھی نہیں، جان نہیں چھوڑتا۔ جب مر جاتا ہے تو سارے گاؤں کی دعوت کی جاتی ہے۔ مال مرنے والے کا ہے، لوگ کھا رہے ہیں۔ چاہیے تو یہ کہ پہلے ورثاء کو مال تقسیم کیا جائے پھر وہ اس میں سے خرچ کرنے کو دیں تو ٹھیک ہیں یا کوئی رشتہ دار لوگوں کے لیے کھانے کا بندوبست کر دے۔ جب مرنے پر اتنی رسومات بن گئی ہیں تو شادی میں پھر کتنی زیادہ داخل ہو جائیں گی؟ جب لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ یہ کام سنّت کے مطابق کرو تو کہتے ہیں کہ اگر رسومات نہ کریں تو ناک کٹتی ہے۔ کمال ہے! اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کرنے سے ناک کٹتی ہے! اگر کٹتی ہے تو کٹ جائے! ایسی ناک کا کیا فائدہ؟ اس کا کٹ جانا ہی بہتر ہے۔

اللہ کی طرف رُخ کرنے سے کیا مراد ہے؟

فرمایا: وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۔۔۔ ''اور جو شخص اپنا رُخ اللہ کی طرف جھکا دے یا جس نے اپنا رُخ اللہ کی طرف کر لیا''۔ بندے کا رخ یعنی چہرہ مراد ہو تو جو اللہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو جائے۔ قرآن میں ارشاد ہے: فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۔۔۔ (البقرہ:115) جدھر منہ کرو اللہ موجود ہے۔ اللہ تو ہر حال ہر جگہ موجود ہے تو بندہ کہاں کہاں کھڑا ہو گا؟ دراصل اللہ کی طرف رُخ کرنے سے مراد ہے کہ اپنی تمنائیں اپنی خواہشات اللہ کے تابع کر لے۔ زندگی کی ضروریات جو اللہ نے بنائی ہیں اُن کو اللہ کے حکم کے مطابق پورا کیا جائے۔ کھانا، پینا، نیند ضرورت ہے، گھر بنانا ضرورت ہے، ماں باپ، اولاد ضرورت ہیں۔ ماں باپ کی خدمت بندے کی ضرورت ہے۔

بندہ یہ سوچے کہ یہ ضرورتیں مجھے کس نے دی ہیں۔ اللہ کریم نے عطا فرمائی ہیں اور وہ یہ طے کرے کہ وہ یہ ساری ضرورتیں پوری کرے گا لیکن اُس طرح کرے گا جیسا اللہ نے کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ ہوگا: وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ بندے کا رخ اللہ کی طرف ہوگیا۔ عمر تو اُس نے وہی بسر کرنی ہے جو اللہ کریم نے اسے عطا فرمائی ہے۔ اُس نے کھانا بھی ہے، پینا بھی ہے۔ اُس کا گھر بھی ہے، والدین اور اولاد بھی ہے۔ اُس کے پڑوسی بھی ہیں، دوست احباب بھی ہیں۔ اس کے دشمن بھی ہیں۔ اس کا ایک ملک بھی ہے، قوم بھی ہے۔ ایک بین الاقوامی انسانی برادری کا حصّہ بھی ہے۔ اس سارے نظام کو ایک بندہ کیسے Face کرے فرمایا اُسی طرح جس طرح اللہ کریم حکم دیتے ہیں۔ یوں اُس کا رخ اللہ کی طرف ہوگیا۔ اگر اللہ کے سوا غیر اللہ کے حکم کو مانے گا تو اُس کا رُخ اُدھر ہو جائے گا۔ فرمایا، سارے انسان تباہی کی طرف نہیں جا رہے بلکہ اللہ کے ایسے بندے بھی ہیں جنہوں نے اپنا رُخ اللہ کی طرف کر لیا ہے۔

مُحسن:

فرمایا: وَهُوَ مُحْسِنٌ۔۔۔ پھر یہ قید لگا دی کہ اداکاری نہیں چلے گی بلکہ اللہ کی بارگاہ میں جو اطاعت کرے وہ دل کی گہرائی سے کرے۔ حدیث پاک کے مطابق احسان یہ ہے: اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ۔۔۔ (رواہ مسلم) تم اللہ کی عبادت ایسے کرو گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو۔ یہاں یہ بہت دلچسپ بحث پیدا ہوتی ہے کہ اس دنیا میں ان ظاہری آنکھوں سے اللہ کریم کو دیکھنا ممکن نہیں ہے اور جو چیز ممکن نہیں ہوتی اس کا تصوّر بھی ممکن نہیں ہوتا۔ اب انسان پرندے کی طرح اڑ نہیں سکتا۔ بغیر کسی مشین کے خود سے پرواز کی قوت نہیں رکھتا تو وہ تصوّر میں بھی نہیں اُڑ سکتا۔ انسان آبی جانوروں کی طرح زیرِ آب زندگی نہیں گزار سکتا تو اُس طرح تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔ جو کام بندہ کر نہ سکتا ہو اُس کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔ یہاں قرآنِ کریم نے فرمایا: وَهُوَ مُحْسِنٌ۔۔۔ وہ احسان والا ہو اور احسان کی شرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرما دی کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا کہ تو اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ اللہ کا ارشاد حق ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد حق ہے یہ تصوّر کیسے پیدا ہو؟ یاد رہے کہ اُخروی زندگی دائمی ہے، اصل ہے جبکہ دنیا وقتی ہے اور آخرت کا سایہ ہے۔ ایک وقت آئے گا جب ہم میدانِ حشر میں جمع ہوں گے اور جتنے مومن نجات پائیں گے اُن سب کو دیدارِ باری نصیب ہوگا۔ گویا ایک وقت آ رہا ہے جب اللہ کی رحمت اور انعام سے بندۂ مومن حشر میں سرخرو ہو جائے گا، اُس کی نجات ہو جائے گی تو اُسے اللہ کا دیدار بھی نصیب ہوگا۔ مومن کے لیے دنیوی زندگی سے زیادہ یقینی اُخروی زندگی ہے۔ جب مومن اپنی حقیقی زندگی سے آشنا ہوتا ہے تو چونکہ اُس زندگی میں دیدارِ باری کی نعمت کا بھی اس

سے وعدہ ہے تو اگر یہ کیفیت مضبوط ہو جائے تو پھر یہاں بھی مومن تصور کر سکتا ہے کہ مجھے دیدارِ باری ہو رہا ہے۔ یہ اللہ کا حکم یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح عبث نہیں ہے، بے معنی نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم دنیا کی زندگی میں اتنے الجھے ہوئے ہیں کہ ہمیں آخرت یاد نہیں۔ اگر ہم آخرت میں اتنے محو ہو جائیں کہ یہ دنیا اُس کے تابع ہو جائے تو پھر یہ تصور بالکل آسان ہے۔

فرمایا! جو اپنا رُخ اللہ کی طرف کر لے، اپنے کام، اپنے امور، عقائد، نظریات اپنی سوچیں، اللہ کے حکم کے تابع کر لے اور اُسے اُخروی زندگی کا اتنا پختہ یقین ہو تو جیسے قیامت میں اللہ کو دیکھے گا یہاں بھی جب اللہ کی اطاعت کرتا ہے تو گویا اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی یہ نہ کر سکے تو اُسے کم از کم یہ یقین تو ہو: فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ (رواہ مسلم) کہ اللہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ تیرے ہر عمل میں، اٹھنا، بیٹھنا، بولنا، رکوع، سجدہ اُس میں وہ ادب آ جائے کہ میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ یہ ہوتا ہے محسن۔

جس نے اللہ کی اطاعت اختیار کی اور خلوصِ دل سے اختیار کی، جسے ہر لمحہ حضوری حاصل ہو کہ میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں تو یہ بہت بلند مقام ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رعایت فرمائی کہ سارے بندے یہاں نہیں پہنچ پائیں گے، عام بندے پھر کیا کریں کہ یہ تو خاص بندوں کا کام ہے تو فرمایا کہ وہ یہ یقین تو رکھ لیں کہ میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اس میں تو کوئی مشکل نہیں اور یہ یقین تو عام مومن کو بھی ہونا چاہیے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ جس نے یہ مقام پا لیا، فرمایا: فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى۔۔۔ تو اُس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا۔ کسی نے کیا خوب کہا تھا:

ہمہ شیرانِ جہاں بستہ اند

یہ جو ذکر اللہ کی، اللہ کی یاد اور اللہ کو دل میں بسانے کی جو زنجیر ہے دنیا کے سارے شیر اسی زنجیر میں قید ہیں۔ انبیاؑ اسی میں ہیں، صلحا اسی میں ہیں۔ صدیقین اور شہدا بھی اسی میں ہیں۔ اولیا اور علمائے حق اسی میں ہیں۔ جس نے اس حلقے میں ہاتھ ڈال دیا اُسی نے بہت مضبوط چیز کو تھاما یعنی وہ بہت ہی مضبوط جماعت میں شامل ہو گیا۔ فرمایا: وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾ ہر کام کا انجام تو اللہ کریم کے دستِ قدرت میں ہے یعنی دنیا کی کوئی طاقت اس جماعت کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ جو جھگڑا کرتے ہیں اُنہیں بھی اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اور جنہوں نے اللہ کی رسی کو تھام لیا ہے انہیں بھی وہیں حاضر ہونا ہے۔ وہاں حق اور باطل کا فیصلہ ہو گا اور سامنے آ جائے گا۔

رحمتِ مجسم:

فرمایا: وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ۔۔۔جو شخص کفر کرے تو اُس کا کفر آپ کو دکھی نہ کرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں۔ اللہ کریم الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ہیں اور فرماتے ہیں: رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً (المومن:7) میری رحمت ہر چیز پر حاوی ہے، سب سے زیادہ ہے، وسیع تر ہے۔ اس کی کوئی حد نہیں ہے۔ اُسی پَرتوِ جمال کا پرتو ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سراپا رحمت، مجسم رحمت ہیں۔ کائنات کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ اللعالمین ہیں۔ اللہ کی ذات کے علاوہ ساری مخلوق عالمین میں شامل ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب کے لیے رحمت ہیں۔ اب جب لوگ اپنی جہالت سے کم علمی سے اور خواہشاتِ نفس کی پیروی میں اطاعتِ الٰہی کی طرف نہیں آتے بلکہ شیطان کی بات مانتے ہیں جہنم کی طرف بھاگتے ہیں تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ رحمتِ مجسم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ نہ ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ ہوتا ہے۔ گناہ ہم کرتے ہیں دکھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوتا ہے۔ برائی کافر کرتا ہے دکھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم محسوس کرتے ہیں کہ یہ بھی نوعِ انسان ہے، بنی آدم ہے یہ کیوں دوزخ جا رہا ہے۔ اللہ کریم یہاں تسلی فرما رہے ہیں کہ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم جو لوگ اپنی پسند سے کفر اختیار کرتے ہیں آپ اُن کا دکھ نہ کریں۔ ہم نے انہیں راستہ چُن لینے کا حق دیا ہے۔ اُن کے سامنے حق اور باطل کو واضح کر دیا ہے۔ حق سورج کی طرح واضح اور روشن ہے اور باطل ایک تاریک راستہ ہے۔ اب ان کے پاس اختیار ہے کہ یہ کون سا راستہ اپناتے ہیں۔ اگر اپنی پسند سے باطل کا راستہ چُنتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دکھ نہ کیا کریں، آپ غم نہ کھائیں اس لیے کہ انہیں انتخاب کا حق دیا گیا ہے۔

جہاں اللہ کریم نے بے پناہ ظاہری نعمتیں عطا فرمائیں جو شمار ہی نہیں کی جا سکتی وہاں بعثتِ انبیاؑ سے انسانوں پر باطنی نعمتوں کے خزانے بھی لُٹا دیے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر وہ سب عظمتیں یکجا کر دیں جو انسان پا سکتا ہے۔ یہ تمام عظمتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ اطہر میں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بانٹتے نہیں لُٹاتے ہیں۔ اب اس سب کے باوجود اگر کوئی ان سب کو ٹھکرا کر پھر کفر کی طرف جائے تو اے میرے حبیب، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کا دکھ نہ کریں۔ اس لیے کہ: اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ۔۔۔اس نے میرے پاس آنا ہے میں اس کا محاسبہ کروں گا۔

اُخروی محاسبہ:

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ میرا بندہ اگر اپنی پسند سے برائی اختیار کرتا ہے تو اُسے لوٹ کر میرے پاس آنا ہے اور اُس کی ہر سوچ، فکر، ہر عمل میرے پاس محفوظ ہے: فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۔۔۔ میں اُسے بتاؤں گا کہ تو کیا کرتا رہا۔ جب میرے پاس ایسے لوگ آئیں گے تو مجھے تفتیش کی ضرورت نہیں ہوگی بلکہ ان کی ہر حرکت، ہر سوچ، ہر خیال کی خبر میرے پاس موجود ہوگی۔ یہ لوگ تو کتنے ہی جرائم کر کے بھول چکے ہوں گے میں انہیں سارے یاد دلاؤں گا کہ تم نے یہ کیا، یہ بھی کیا۔ اُن کی تمام کرتوتوں سے اُنہیں آگاہ کروں گا۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾ بے شک اللہ دلوں کی باتوں کو جانتے ہیں۔ یقیناً اللہ کریم اُن باتوں سے بھی واقف ہیں جو دل کی انتہائی گہرائی میں چھپا کر رکھی جاتی ہیں۔ اللہ کریم کے سامنے ان کی ہر سوچ، ہر فکر، ہر عمل ظاہر ہے، جب پلٹ کر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو اللہ سے کچھ بھی چھپا نہ سکیں گے کہ اللہ تو دلوں کے اندر چھپے بھیدوں سے بھی واقف ہے۔

چند روزہ زندگی:

نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ۔۔۔ انہیں یہ چند روزہ فرصت نصیب ہے جس میں اللہ کی نعمتوں سے دنیا میں مستفید ہو رہے ہیں۔ یہ جو دنیا میں مزے کر رہے ہیں اور اس عیش کے پردے میں ہمیں بھولے ہوئے ہیں، عظمتِ الٰہی کو، ارشاداتِ پیغمبر کو بھولے ہوئے ہیں یہ بہت تھوڑا سا وقت ہے۔ انہیں جو نعمتوں سے استفادہ کرنے کا موقع ملا ہے یہ بہت کم ہے جبکہ اُخروی زندگی کبھی ختم نہ ہونے والی مدت ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ کوئی دنیا میں کتنا رہ پاتا ہے، گنتی کے دن ہیں۔ پچاس سال، ساٹھ سال، سو سال یا بعض استثنائی معاملات ہیں کہ کئی سو سال بھی لوگوں کی زندگی ہوئی لیکن ختم ہوگئی۔ ایک چیز جس کا عرصہ معین ہو جس نے ختم ہو جانا ہو اور ایک چیز جو لامحدود ہو، جس میں خلود ہو، ہمیشہ رہنے والی ہو، اُن دونوں کا آپس میں مقابلہ کیسے کیا جا سکتا ہے۔ فرمایا، یہ بھولے ہوئے ہیں یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ جو گناہ کر رہے ہیں، دین کے خلاف جا کر عیش کر رہے ہیں۔ اللہ کا اور اللہ کے دین کا مذاق اڑاتے ہیں، سنّتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نہیں کرتے تو بڑے مزے اور عیش کر رہے ہیں۔ یہ تو محض چند روزہ زندگی ہے۔ یہ لوگ تو چند روز ہیں پھر میّت بن کر زمین کے پیٹ میں اُتر جائیں گے اور جو زندگی وہاں ملے گی وہ کبھی ختم نہ ہوگی۔ یہ زندگی تو اگر کسی کی مشکل گزری تو اس کی بھی گزر جاتی ہے۔ بادشاہ کی بھی گزر جاتی ہے، ختم ہو جاتی ہے البتہ اُخروی زندگی تو شروع ہی موت سے ہوتی ہے۔

موت کو سمجھا ہے غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی، صبحِ دوام زندگی

فرمایا، یہ تھوڑا سا وقت ہے ان کے پاس عیش کرلیں پھر ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۲۴﴾ ہم انہیں سخت غلیظ عذاب کی طرف لے کر جائیں گے۔ یہ لوگ جنہوں نے اللہ کی رسی کو چھوڑ دیا، اللہ کے دین اور اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر یہ سمجھا کہ ہم بڑی عیش کر رہے ہیں تو کرلیں لیکن آخر کب تک کریں گے۔ یہ گنتی کے دن ہیں، ختم ہو جائیں گے لیکن ان کا دین کو، اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دینا کفر اختیار کرنا انہیں بہت غلیظ بہت شدید عذاب کی طرف لے جائے گا۔

اللہ کریم کو ویسا ماننا ضروری ہے جیسا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم منواتے ہیں:

فرمایا: وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ۔۔۔

ایک عجیب مزے کی بات ہے کہ اللہ کریم فرماتے ہیں۔ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم اگر آپ ان کافروں سے یہ پوچھیں کہ ان آسمانوں اور زمینوں کو ان تمام تر خوبیوں کے ساتھ کس نے پیدا کیا تو ناچار ان کے پاس یہی جواب ہوگا کہ اللہ نے پیدا کیا۔ اس لیے کوئی اور جواب بن ہی نہیں پڑتا۔

یہ بہت عجیب بات ہے اور ہم اس معاملے میں بھی کوتاہی کرتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں لیکن کبھی غور و فکر نہیں کرتے کہ ہم اللہ کو کیسا مانتے ہیں۔ اللہ کو ماننا وہ ہے جیسا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم منواتے ہیں۔ اللہ کی ذات اور صفات کے بارے وہ یقین رکھنا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے تعلیم فرمایا ہے، ایمان ہے ورنہ تو اللہ کو ہر کوئی مانتا ہے لیکن مانتا اپنے طور پر ہے۔ قرآنِ کریم میں بہت مرتبہ یہ ارشاد ہوتا ہے کہ انبیاؑ نے جب تبلیغ کی تو کفار نے کہا کہ یہ اللہ پر جھوٹ بول رہے ہیں، ان پر کوئی وحی نہیں آئی۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ کفار و مشرکین اللہ کو تو مانتے تھے لیکن مانتے اپنی خواہش کے مطابق تھے۔ اللہ کی ذات اور صفات کے بارے اُن کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی محض اپنی خواہشات کے مطابق مانتے ہیں۔

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے جب حضرت صالح علیہ السلام اور اُن کے خاندان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو یہ منصوبہ بنایا کہ ہر قبیلے کے لوگ اکٹھے ہو کر رات کے اندھیرے میں حضرت صالح علیہ السلام پر حملہ آور ہوں۔ انہوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ واردات سے دو روز پہلے کہیں باہر چلے جائیں اور بعد میں واپس آ کر کہیں گے کہ ہم تو اس قتل کے وقت بستی میں موجود ہی نہیں تھے۔ ہمیں تو خبر ہی نہیں کہ کس نے مارا کیسے مارا۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ اُن

لوگوں نے کہا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ۔۔۔اللہ کی قسمیں کھاؤ کہ اس پر قائم رہو گے۔ اللہ کے نبیؑ کو شہید کرنے پر اللہ ہی کی قسم کھاؤ کہ قائم رہو گے یعنی اپنے طور پر اللہ کو آخری طاقت ماننا بنی آدم کی مجبوری ہے۔ یہ لوگ اللہ کو ویسا نہیں مانتے تھے جیسا صالح علیہ السلام منواتے تھے مگر اپنے طور پر مانتے تھے۔

عقل کو مجبوراً تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اللہ آخری طاقت ہے، جو خود ہے، اس کو کسی نے نہیں بنایا، اُس نے سب کو بنایا ہے ورنہ تو تکرار ہے کہ سورج کو کس نے بنایا، اللہ کو کس نے بنایا جو کبھی ختم نہ ہونے والی تکرار ہے۔ اس لیے اللہ پر جا کر ہر طبقہ فکر رک جاتا ہے لیکن اللہ کو ویسا ماننا شرط ہے جیسا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم منواتے ہیں۔ جب ایسا مانا جائے تو نافرمانی مشکل ہو جاتی ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ جب ہم اللہ کو ایسا مانیں جیسا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منواتے ہیں کہ اس سارے نظام کا خالق بھی اللہ ہے اسے چلانے والا بھی وہی ہے۔

صرف تمہارے ایک بدن میں دس کھرب سیلوں کو پیدا فرما رہا ہے، مار رہا ہے تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہو رہی تھی بصارت و سماعت دی، دماغ دیا، عقل و شعور عطا کیا اور سب سے بڑی نعمت کہ تمہیں عظمتِ الٰہی، معرفتِ الٰہی کا شعور دیا جو صرف بنی نوع انسان کو عطا ہوا۔ اس عظمت کے ساتھ وہ ہر وقت، ہر حال میں تمہارے ساتھ ہے، تم سوتے ہو یا جاگتے ہو، خوش ہو یا افسردہ ہو، بھوکے ہو یا شکم سیر ہو، ہر حال میں وہ تمہارے ساتھ ہے۔ اب اگر یہ سب مانا جائے تو کیا ہمارے لیے گناہ کا کوئی موقع نکلتا ہے؟ ہم بندوں سے تو چھپ کر گناہ کرتے ہیں لیکن اللہ کے روبرو کر لیتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ ہمارے ماننے میں کمی ہے۔ جب ہمیں یقین ہو کہ کوئی بندہ نہیں ہے تو ہم گناہ کر لیتے ہیں لیکن اگر سامنے ہو تو ہم حیا کرتے ہیں یا ڈرتے ہیں گناہ نہیں کرتے۔ اگر اللہ کو موجود مانیں تو پھر نافرمانی کا تصور بھی نہیں رہتا تو یہ کمی وہاں ہے کہ ہم اللہ کو ویسا نہیں مانتے جیسا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم منواتے ہیں۔ ہم سُن سُنا کر اپنی طرف سے مان لیتے ہیں اُس کا عملی زندگی پر اثر نہیں پڑتا۔ فرمایا، اگر ان سے بھی آپ پوچھیں یہ زمین اور آسمان کا اتنا وسیع نظام جو اتنا مربوط ہے کس نے بنایا ہے تو مجبوراً کہیں گے کہ اللہ نے بنایا ہے۔ اس وسیع نظام کا تعلق بھی سورج کی روشنی، چاند کی چاندنی اور سیاروں کی حرکات سے ہے۔ اتنا باریک نظام کس نے بنایا تو کہیں گے اللہ نے بنایا ہے تو فرمایے:

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ تم میں سے اکثریت کہتی تو ہے، زبان سے تو کہتی ہے کہ اللہ ہی نے سب کچھ کیا ہے، اللہ ہر جگہ ہے لیکن اپنے عمل سے ثابت نہیں کرتے کہ اللہ کے روبرو ہیں، اللہ اُن کے ساتھ ہے۔ یہ جانتے تو ہیں لیکن مانتے نہیں ہیں، محض سنی سنائی بات کر دیتے ہیں۔

اللہ کریم کی شان:

فرمایا: لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۶﴾ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ کا ہے۔ بے شک اللہ بے نیاز سب خوبیوں کا مالک ہے۔

یہ جتنی وسعتِ سماوی ہے، ان میں کتنے سیارے، ستارے ہیں اور زمین کے چھوٹے سے کُرّے میں اللہ نے کتنی نعمتیں دی ہیں کوئی نہیں جانتا۔ سائنسدان کہتے ہیں کہ کرّہ ارض سورج سے کروڑوں گنا چھوٹا ہے اور بہت سے سیاروں سے چھوٹا ہے۔ اگر سوچا جائے تو کرّہ ارض تو چھوٹا سا ہے لیکن جب سے اس معمورۂ عالم پر انسان آکر بسا ہے کتنی سبزی، پھل اور کتنا غلّہ انسان کھا چکا ہے لیکن زمین ہے کہ پھر اُگل رہی ہے، اس میں کمی نہیں آئی ہے۔ کرّہ ارض تو وہی ہے، چھوٹا سا ہے اور اس پر اربوں کی آبادی ہے اور صدیاں بیت گئی ہیں۔ ہم ایک کھیت سے ہر سال سبزیاں، غلّہ، پھل لیے جا رہے ہیں اور وہ زمین ہے کہ دیے جا رہی ہے ختم نہیں ہوتی۔ ہر سال ہر موسم کا پھل آجاتا ہے تو آخر اس کے نیچے کون سا خزانہ دفن ہے؟ زمین کو پھاڑ کر دیکھو تو کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ وہی جانتا ہے جس کے خزانے ہیں۔ اب تو سائنس نے ساری زمین تحقیق سے کھول رکھی ہے کہ کہاں سے لاوا اُل رہا ہے، کہاں چٹانیں ہیں، کہاں لوہا ہے، کہاں تیل ہے، کہاں سونا ہے۔ کیا یہ چیزیں کہیں کسی گودام میں رکھی ہوئی ہیں، کہاں سے آتی ہیں؟ یہ ساری نعمتیں جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہیں سب اللہ کی ہیں، اُس کی ملکیت ہیں۔ ان سب چیزوں کو، ایک ایک ذرّے کو اللہ کی ضرورت ہے کہ وہ اللہ کے قائم رکھنے سے ہی قائم ہے ہر چیز اللہ کی تخلیق ہے، کسی کا اُس میں کوئی حصّہ نہیں ہے سب اللہ کی ذاتی ملکیت ہے۔

اور اللہ وہ ذات ہے، اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۶﴾ وہ ان سب چیزوں سے بے نیاز ہے۔ اُسے کسی کی ضروت نہیں۔ وہ کسی کا محتاج نہیں جبکہ کائنات کا ایک ایک ذرّہ اُس کا محتاج ہے۔ اُسی کی ذات قابلِ تعریف ہے جو کسی کی محتاج نہیں۔ ایسی ہستی جو کسی کی محتاج نہیں، جس کے سب محتاج ہیں تب ذہن میں آتا ہے کہ اس کی شان کتنی ارفع و اعلیٰ ہے؟ یا اللہ! آپ کی تعریف، آپ کی صفات کتنی ہیں کیسی ہیں؟ فرمایا: وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ۔۔۔ روئے زمین پر جتنے درخت ہیں اگر وہ سارے قلم بن جائیں اور جتنے سمندر ہیں وہ سات گنا اور بڑھ جائیں۔ سائنسدانوں کے مطابق زمین پر ایک چوتھائی حصّہ خشکی ہے اور تین چوتھائی حصّے سمندر ہیں۔ فرمایا! یہ سارے سمندر سات گنا بڑھ جائیں، سیاہی کے سمندر ہوں اور لکھنے والے لکھنا شروع کر دیں اللہ کی صفات، اس کی عظمتیں اور کلمات تو یہ سیاہی کے سمندر ختم ہو

جائیں گے، قلم گھس کر ختم ہو جائیں گے، لکھنے والے مٹ جائیں گے لیکن اللہ کے کمالات ضبطِ تحریر میں نہیں آسکیں گے۔تم نے تو آسان سا سوال کیا تھا کہ اُس کی ذات اور عظمت کیسی ہے، اُس کی صفات کتنی ہیں! وہ کسی کا محتاج نہیں ہے جبکہ کائنات کا ہر ذرّہ اس کا محتاج ہے۔اُس کی ہستی کو تم سمجھ نہیں سکتے۔تم اُس پر ایمان لا سکتے ہو کہ سب سے بہتر وہ ہے، سب سے اعلیٰ وہی ہے یعنی اجمالی طور پر کہہ سکتے ہو۔اگر ایک ایک صفت گننا شروع کر دو تو روئے زمین کا ہر درخت اگر قلم بن جائے اور سمندر سات گنا مزید بڑھ کر سیاہی بن جائیں اور لکھنے والے لکھتے جائیں تو سیاہی ختم ہو جائے، قلم گھس جائیں مگر اللہ کے کلمات، اس کی صفات اور عظمتیں ختم ہونے والی نہیں ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾ وہ ہر چیز کو سننے اور دیکھنے والا ہے۔وہ ہر شے کو جانتا ہے ہر شے کو دیکھتا ہے۔مرنے کے بعد بھی انسانی وجود کے ذرّات جہاں بکھرتے ہیں، سب اُس کے علم میں ہے، وہ جانتا ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ انسانی پیدائش پر اگر غور کیا جائے تو پیدا ہونے سے پہلے اس کے بدن کے خاکی ذرّات جس انداز سے زمین پر پھیلے ہوئے ہیں، مرنے کے بعد اتنے نہیں پھیل سکتے۔کہاں کہاں سے کیا کیا غذا، کیا کیا دوا کیا کیا پھل آتے ہیں کون کون کھاتا ہے، وجود کس کا بنتا ہے کہ ایک ایک ذرّہ اتفاقاً نہیں آتا بلکہ جو جس وجود کا حصّہ ہے وہ اُس تک پہنچایا جاتا ہے تو مرنے کے بعد کہاں چلے جائیں گے! فرمایا، وہ جانتا ہے، دیکھتا ہے، سنتا ہے، اُس کی قدرتِ کاملہ کے اختیار میں ہوں گے۔

فرمایا! کیا تم روز موت اور زندگی کا تماشہ نہیں دیکھتے، کتنی چیزیں روئے زمین پر پیدا ہوتی ہیں، کتنی مرتی ہیں۔ایک درخت کے پتے گن لو جب پت جھڑ آتا ہے درخت بالکل ٹنڈ منڈ ہو کر رہ جاتا ہے۔جب بہار آتی ہے پھر سے ہرا بھرا ہو جاتا ہے، سارے پتے آجاتے ہیں۔کہاں سے آتے ہیں، کون لاتا ہے؟ نئے پتوں میں بھی وہی اجزا ہیں، وہی نمکیات و معدنیات ہیں وہی Cells ہیں جو پہلے پتوں میں تھے۔پہلے پتے تو خاک میں مل گئے پھر یہ کہاں سے آگئے؟ یہ اُس کی عظمت اور قدرت کاملہ ہے۔

اُس کی شان یہ ہے کہ: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ۔۔۔کیا تم دیکھتے نہیں کہ وہ رات کو دن میں داخل کرنا شروع کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرنا شروع کر دیتا ہے۔سردیاں آتی ہیں تو دن کے اوقات رات میں ڈھل جاتے ہیں، رات لمبی ہو جاتی ہے۔گرمیاں آتی ہیں تو رات کے اوقات کو دن میں ڈھالنا شروع کر دیتا ہے تو رات مختصر ہو جاتی ہے دن لمبا ہو جاتا ہے۔ہر بار ایسا ہی ہوتا ہے حتیٰ کہ حساب دانوں نے ہر رات کے سیکنڈ اور اجزا بھی مقرر کر رکھے ہیں کہ اتنے سیکنڈ آج رات کم ہوئی اور اتنے سیکنڈ دن زیادہ ہوا۔یہ حساب بھی رکھتے ہیں کہ ایسا کس موسم میں، کس تاریخ کو ہوگا۔یعنی اس نظام میں

اتنی باقاعدگی ہے کہ سائنسدانوں نے حساب لگا رکھے ہیں کہ کس سال کے کس مہینے میں رات دن کتنے لمبے ہوں گے۔

اللہ کریم نے سورج چاند اور سیاروں کو ڈیوٹی پر لگا دیا ہے، مسخر کر دیا ہے، پابند کر دیا ہے کہ تمہیں یہ کرنا ہے اور: كُلٌّ يَّجْرِيْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۔۔۔ جب تک کرنے کا حکم اللہ نے دیا ہے تب تک سب کیے جا رہے ہیں۔ سورج اور چاند چونکہ عوام کے مشاہدے میں ہوتے ہیں اس لیے ان کی مثال دے کر فرمایا کہ اگر سورج اور چاند ہی اپنا راستہ بدل دیتے، اپنے اوقات بدل دیتے تو کائنات کب کی تباہ ہو چکی ہوتی۔ سورج اگر ایک ایک منٹ کی تاخیر سے آنا شروع کر دیتا یا اپنی روشنی سمیٹنا شروع کر دیتا تو دنیا منجمد ہو چکی ہوتی۔ اگر سورج گرمی بڑھانا شروع کر دیتا تو دنیا تباہ ہو چکی ہوتی۔ ہر چیز جسے جو حکم دیا گیا ہے، اُسے اس کا پابند کیا گیا ہے اور وہ اس حکم کو بجا لا رہی ہے۔ اسی لیے یہ نظامِ عالم قائم ہے اور جب تک اللہ کریم نے قائم رکھنا ہے، جب تک قائم رہنے کا حکم دیا ہے ہر چیز اُسی طرح حکم بجا لاتی رہے گی۔ وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۹﴾ اللہ کریم تمہارے سب اعمال سے باخبر ہیں، سب کی پوری خبر رکھتے ہیں۔ جو ہستی سورج کی حرکت سے، چاند کی رفتار سے، ستاروں اور سیاروں کی چالوں سے، ہواؤں کے بننے اور چلنے سے، بارشوں کے ایک ایک قطرے سے، ہر ذرّے سے واقف ہے وہ تمہارے ہر عمل سے بھی واقف ہے۔ جو تم سوچتے ہو، جو بولتے ہو، جو تم کرتے ہو وہ سب سے واقف ہے اور یہ اس لیے ہے کہ: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ ۔۔۔ کہ یقیناً اللہ حق ہے۔ صرف اللہ ہی حق ہے لہٰذا اسی کی اطاعت کرو، اُسی کی عبادت کرو، اُسی سے مدد چاہو، اُسی کو پکارو۔ اُسی سے حاجات طلب کرو، اُسی سے صحت مانگو، اُسی سے دولت اور عزت مانگو اُسی سے نیکی اور توفیق عمل مانگو۔ اُسی سے دنیا دولت اور عزت مانگو اُسی سے نیکی اور توفیق عمل مانگو۔ اُسی سے دنیا مانگو، اُسی سے آخرت مانگو کہ وہی واحد ولاشریک سب مسئلوں کا حل کرنے والا ہے۔ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۔۔۔ اور اللہ کو چھوڑ کر جب تم مخلوق کو مدد کے لیے بلاتے ہو تو یہ باطل ہے۔ جب تم اپنی امیدیں غیر اللہ سے وابستہ کر لیتے ہو، جب بتوں کے سامنے جھک جاتے ہو، جب خواہش نفس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے ہو تو یہ سب باطل ہے۔ صرف اس کی ذات حق ہے۔ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۳۰﴾ اور یقیناً اللہ کی شان اتنی بلند ہے کہ کسی غیر اللہ کے بارے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ اللہ کبیر ہے بہت بڑی شان والا ہے۔ بہت بڑا ہے تمہاری سوچیں تھک کر گر جائیں گی اُس کی عظمتیں لامحدود ہیں۔

سورۃ لقمٰن رکوع 4 آیات 31 تا 34

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۫ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾

(اے مخاطب!) کیا تُو نہیں دیکھتا کہ اللہ ہی کے فضل سے کشتی (سمندر کی سواری) سمندر میں چلتی ہے تاکہ تم کو اپنی نشانیاں دکھائیں اس میں ہر ایسے شخص کے لیے دلائل ہیں جو صبر (اور) شکر کرنے والا ہو ﴿۳۱﴾ اور جب ان پر (سمندر کی) لہریں سائبانوں کی طرح چھا جاتی ہیں تو وہ خالص اعتقاد کر کے صرف اللہ کو پکارتے ہیں پھر جب ان کو بچا کر خشکی کی طرف لے آتے ہیں تو کچھ لوگ ان میں سے اعتدال پر رہتے ہیں اور ہماری آیتوں کا (ضِد سے) انکار وہی لوگ کرتے ہیں جو بدعہد (اور) ناشکرے ہیں ﴿۳۲﴾ اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو اور اُس دن کا خوف کرو کہ جس دن باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام نہ آئے اور نہ بیٹا اپنے

باپ کے کچھ کام آسکے۔ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے پس تم کو دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ فریب دینے والا (شیطان) تمہیں اللہ کے بارے کسی قسم کا فریب دے ﴿۳۳﴾ بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور وہی مینہ برساتے ہیں اور جانتے ہیں جو رحموں میں ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا۔ اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔ بے شک اللہ (ان باتوں کے) جاننے والے باخبر ہیں ﴿۳۴﴾

تفسیر ومعارف

سمندروں کا انسان کے لیے مسخر کیے جانا بھی قدرتِ باری کی نشانی ہے:

فرمایا: اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ ۔۔۔(اے مخاطب!) کیا تُو نہیں دیکھتا کہ اللہ ہی کے فضل سے کشتی (سمندر کی ہر سواری) سمندر میں چلتی ہے ایک اندازے کے مطابق زمین کا ایک چوتھائی حصّہ خشکی ہے اور تین چوتھائی حصّہ سمندر ہے اور یہ سمندر میلوں گہرے ہیں۔ اللہ کریم نے ان سمندروں کو بھی انسان کے لیے مسخر کر دیا ہے۔ انسان جب چاہیں، جہاں سے چاہیں ان سمندروں کو عبور کر لیتے ہیں، ان میں غوطہ زن ہوتے ہیں۔ ان میں سے بے شمار نعمتیں، جواہر و موتی نکالتے ہیں، بے شمار مقامات پر سمندر کا سینہ چیر کر تیل نکال رہے ہیں۔ اللہ کریم کی کتنی نعمتوں سے متمتع ہو رہے ہیں لیکن اس سب کے باوجود انسان بے بس اور مجبور ہے۔ کیا انسان کبھی غور نہیں کرتا کہ سمندروں پر جو بڑے بڑے جہاز تیرتے پھرتے ہیں انہیں اللہ کریم محفوظ رکھتے ہیں۔

انسان بڑے بڑے جہاز، کشتیاں اور بحری بیڑے بناتے ہیں تو یہ سب اللہ کی نعمت ہیں کہ اللہ نے پانی کو لکڑی کا بوجھ اٹھانے کی طاقت عطا کی۔ پانی لکڑی کو اٹھاتا ہے ڈبوتا نہیں۔ انسان لکڑی کا جہاز بناتے ہیں تو اس کے ساتھ بے حساب لوہا بھی لگ جاتا ہے۔ مختلف پُرزوں کی صورت میں ایک خاص تناسب سے لکڑی اور لوہا موجود ہوتا ہے اور لوہا بھی تیرتا رہتا ہے۔ پھر اس جہاز میں بہت سے انسان سوار ہو جاتے ہیں، جن کے ساتھ بہت سا سامان بھی لاد دیا جاتا ہے۔ یہ اللہ کریم کے انعامات میں سے ایک انعام ہے۔ اللہ کریم مسبب الاسباب ہے۔ اسباب بھی وہی پیدا فرماتا ہے اور اسباب میں تاثیر بھی وہ رکھتا ہے۔ نتائج بھی اُسی کے دستِ قدرت میں ہیں۔ اُس نے پانی کو سبب بنا دیا تو وہ جہاز کو اٹھائے پھرتا ہے، جہاز کو سبب بنا دیا تمہیں اٹھانے کا تو تم سمندروں کو طے کر لیتے ہو۔ تم سمندروں سے

تیل اور خزانے نکال رہے ہو مچھلیاں پکڑتے ہو، بے شمار نعمتیں حاصل کر رہے ہو تو یہ اس لیے ہے کہ اللہ کریم نے پانی کو قدرت دی ہے اور لکڑی کو تیرنا سکھایا ہے۔

گزشتہ صدی میں ایک بہت بڑا بحری جہاز بنایا گیا تھا جو Titanic کے نام سے مشہور ہے۔ یہ جہاز ایک محل کی طرح تھا۔ اس میں خوبصورت کمرے بنائے گئے تھے اُس جہاز کو جب سمندر میں اتارا گیا تو یہ کہا گیا کہ اب اگر خدا بھی چاہے Titanic کو ڈبو نہیں سکتا۔ اس کی تعمیر اس طرز پر کی گئی تھی کہ اس کی بیرونی سطح پر ربڑ کی ایسی چیزیں لگائی گئی تھیں کہ اس پر اگر بم یا گولے بھی برسائے جائیں تو واپس جا کر پھٹیں جہاز کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔ وہ سواری کا جہاز تھا لیکن اگر جنگ کے حالات سے بھی گزرنا پڑتا تو محفوظ تر تھا۔ ایسا عجیب وغریب اور منفرد جہاز تھا اسی لیے جب اسے سمندر میں اتارا گیا تو یہ جملہ ساتھ کہا گیا کہ اب اگر خدا بھی چاہے تو اسے ڈبو نہیں سکتا۔ وہ جہاز بندرگاہ سے نکلا اور اُسی رات برفانی تودے سے ٹکرا کر دو ٹکڑے ہو کر غرق ہو گیا۔ بے شمار مسافر غرق ہو کر مرے، بہت کم لوگ بمشکل بچ سکے۔

انسان کو غور کرنا چاہیے کہ اللہ کریم کا احسان ہے انسان کو اللہ کریم کے اس احسانِ عظیم کا احساس اور پاس ہونا چاہیے کہ وہ اس کے جہازوں کو محفوظ رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کی نعمتیں ہیں اور اس لیے ہیں کہ تم ان پر غور کرو لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ۔۔۔ وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھانا چاہتا ہے۔ تمہیں بتانا چاہتا ہے کہ تم پر اللہ کے کیسے کیسے احسانات ہیں۔ ایک انسان کو دنیا میں آرام دہ زندگی بسر کرنے کے لیے اُس نے کتنے اسباب عطا کیے ہیں، کتنی نعمتیں عطا کی ہیں۔

فلاسفہ کا ایک اصول ہے کہ اگر بندہ یہ سوچے کہ دنیا میں وہ اکیلا ہے تو بھی اس اکیلے کے لیے ساری کارگہہ حیات چل رہی ہے۔ سورج طلوع وغروب ہو رہا ہے، دن اور رات کی گردش جاری ہے۔ بارشیں برس رہی ہیں، کھیتیاں اُگ رہی ہیں، غذائیں اور دوائیں بن رہی ہیں۔ ہوائیں چلتی ہیں۔ یہ سارا نظامِ حیات ایک ایک فرد کے لیے چل رہا ہے۔ فرمایا، اللہ تمہیں یہ نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم ان پر غور کر سکو۔

اللہ کی نشانیوں پر غور کرنے والوں کے اوصاف:

اللہ کی نشانیوں پر صرف وہ لوگ غور کرتے ہیں جن میں دو اوصاف ہوں: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾ ان میں ہر ایسے شخص کے لیے دلائل ہیں جو صبر اور شکر کرنے والا ہو۔ صرف دو قسم کے لوگ اللہ کی نشانیوں کو دیکھ کر غور کرتے ہیں، پہلا وہ جو صبر کر سکتا ہو۔ دوسرا جو شکر گزار ہو۔ انسان جلد باز ہوتا ہے۔ صبر سے مراد ہے اپنے آپ کو ایک جگہ روک لینا، اللہ کی اطاعت پر جم جانا۔ کوئی بادشاہ ہو یا فقیر، صحت مند ہو یا بیمار ہو ہر شخص اللہ کی

بے شمار نعمتوں سے مستفید ہو رہا ہے تو اگر کوئی اپنی بیماری، کمزوری یا غربت ہی کو نہ دیکھے بلکہ یہ بھی دیکھے کہ اس غریبی میں بھی اُسے کتنی نعمتیں مل رہی ہیں تو اسے صبر آجائے گا۔ اُس میں حوصلہ آجائے گا۔ وہ جب صبر کرے گا تو اُس احساس سے کرے گا کہ اس بیماری یا غربت کے باوجود اس پر اللہ کی کتنی نعمتیں ہر لمحہ نچھاور ہو رہی ہیں جنہیں وہ شمار کر ہی نہیں سکتا تو اس میں جذبہء تشکر پیدا ہوگا گویا شکر وہ لوگ کریں گے جو صبر کرنے والے ہیں۔

انسان ایسا عجیب ہے، اس کے مزاج میں جلد بازی ہے۔ بنی اسرائیل کو اللہ کریم کی طرف سے نمکین اور میٹھے کھانے صبح شام عطا ہوتے رہتے تھے۔ انہیں اس کے لیے کوئی محنت نہ کرنی پڑتی، اللہ کریم نے ایسا انتظام کر دیا کہ صبح و شام تازہ کھانے، من و سلویٰ عطا ہوتے رہتے۔ بنیادی طور پر انسان کی غذا کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، میٹھا اور نمکین۔ ہمارے ہاں اکثر تراجم اور تشریحات میں یہ لکھا جاتا ہے کہ مَنّ ایک قسم کا حلوہ تھا اور 'سلویٰ' بٹیریں تھیں جنہیں وہ بھون کر کھاتے تھے۔ یہ سب تشریحیں انسانی سوچ اور فکر کے انداز ہیں۔ دراصل کھانے کی جتنی بھی نعمتیں ہیں یا میٹھی ہیں یا نمکین ہیں لہٰذا انہیں میٹھے کھانے بھی دیے جاتے تھے اور نمکین بھی عطا ہوتے تھے۔ بنی اسرائیل کو جب صبح شام مفت مل جاتے تھے تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی کہ اپنے پروردگار سے کہیے کہ جو زمین سے کھیتیاں فصلیں اُگتی ہیں، ہمیں وہ دے۔ ہم دال کھائیں، پیاز کھائیں، تھوم اور ترکاریاں کھائیں، کھیتیاں اُگائیں، ہل چلائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم عجیب قوم ہو کہ بہترین کو چھوڑ کر ادنیٰ کی طرف جا رہے ہو!

انسان ایسا عجیب ہے کہ جب وہی چیزیں بنی بنائی مل رہی تھیں تو اپنے لیے مشقت طلب کر لی۔ اس مزاج کے لوگ کبھی شکر نہیں کر سکتے۔ شکر وہی کر سکتے ہیں جو صبر کرنے والے ہوتے ہیں۔

ہمارے ہاں صبر کی بہت کمی ہے۔ آپ کسی سے پوچھیں تو ہر بندہ اللہ کریم سے ناراض ہی نظر آتا ہے، گلے شکوے لیے پھرتا ہے۔ کوئی کہتا ہے میرا کوئی کام نہیں ہوا۔ میرے کاروبار میں نقصان ہو گیا، میری صحت خراب ہو گئی، میری بیوی بیمار ہو گئی، میرے بچے کا مسئلہ ہو گیا۔ میرا یہ کام نہیں ہو سکا، وہ کام نہیں ہوا۔ الغرض جو کام نہیں ہوا وہ ہر ایک نے شمار کر رکھا ہے لیکن جو ہو رہا ہے وہ کسی کو یاد ہی نہیں ہے۔ کوئی شمار ہی نہیں کرتا کہ ہر لمحے میں اللہ کی کتنی نعمتیں استعمال کر رہا ہے۔ اس کے بدن میں دس کھرب Cells کی آبادی ہے اُس کی کھال اور گوشت میں۔ اُنہیں کون پال رہا ہے؟ کون اُنہیں غذا اور حیات دے رہا ہے؟ سورج کی روشنی دن بھر کتنی استعمال کرتا ہے، رات کو کتنی نیند لے لیتا ہے، کتنی ہوائیں استعمال کرتا ہے۔ اس کی خاطر کتنا پانی برسایا جاتا ہے۔ کتنی کھیتیاں اس کے لیے اُگتی ہیں، یہ یاد نہیں کرتا اور شکایت کرتا ہے۔

فرمایا، ایسے لوگوں کوتو اللہ کی عظمت کی دلیلیں نظر نہیں آتیں البتہ جو یہ سوچ کر لے اللہ کی نافرمانی سے رک جائے کہ اللہ بہت مہربان ہے۔ مالک اور بے پناہ نعمتیں ہر آن عطا فرما رہا ہے تو اُسے شکر کی توفیق ہوتی ہے۔ جو صبر اور شکر کرتا ہے اُسے پھر کائنات میں عظمتِ الٰہی کی نشانیاں اور دلائل سمجھ آتے ہیں۔

طوفانوں میں گھر کر صرف اللہ ہی یاد رہتا ہے:

فرمایا: وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ۔۔۔اور جب اُن پر سمندر کی لہریں سائبانوں کی طرح چھا جاتی ہیں تو وہ خالص اعتقاد کر کے صرف اللہ کو پکارتے ہیں۔

سمندر میں جو طوفان اُٹھتے ہیں تو اتنی بڑی موجیں اُٹھتیں ہیں کہ وہ بڑے سے بڑے جہازوں کے اوپر سے گزر جاتی ہیں۔ جب دور سے موج آ رہی ہوتی ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے گھٹا آ رہی ہو۔

کچھ عرصہ قبل ایسی ہی چند موجیں سونامی میں زمین پر آ گئی تھیں تو میلوں تک مکانوں اور آبادی کو بہا کر لے گئیں۔ سمندر کے اندر تو یہ روزمرہ کا معمول ہے لیکن یہ موجیں کنارے تک آ گئیں ورنہ عمومی قاعدہ تو یہ ہے کہ کنارے پر آنے تک یہ موجیں ختم ہو جاتی ہیں۔ جب ختم نہ ہوئیں تو دیکھیں کس طرح کئی منزلہ عمارتوں کو بھی خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گئیں۔ فرمایا، جب سمندر میں موجیں اٹھتی ہیں تو اس وقت سب لوگ بڑے خلوص سے صرف اللہ ہی کو پکارتے ہیں کہ اس وقت اللہ کے سوا کوئی سوجھتا ہی نہیں۔ اس وقت کسی دوسرے کو ساتھ نہیں ملاتے اور خالص اللہ واحد ولاشریک کو پکارتے ہیں۔

نجات پانے کے بعد لوگوں کے رویے:

فرمایا: فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ۔۔۔پھر جب اللہ اُن کو اُس سے نجات دے دیتا ہے، اُنہیں طوفانوں سے بچا کر زمین پر، خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو کچھ لوگ اُن میں سے ایسے ہوتے ہیں جو اعتدال پہ رہتے ہیں اور واقعی توحیدِ الٰہی پر قائم ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ طوفانوں سے بچ کر خشکی پر آ گئے لیکن ایسے بھی ہوتے ہیں وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ ۔۔۔جو اللہ کی آیات اور عظمت کا انکار کرتے ہیں۔ وہ کُفرِ جحودی کرتے ہیں۔ کُفرِ جحودی سے مراد ہے کہ سچ کو جانتے ہوئے بھی اس کے خلاف ایک خاص ضد پر اَڑ جانا اور ماننے سے انکار کر دینا۔

ایک دفعہ ابوجہل سے ملنے اس کا دوست اخنس بن شریق، آیا تو دیکھا کہ ابوجہل بہت پریشان بیٹھا تھا۔ اُس نے ابوجہل سے کہا کہ آپ ابوالحکم ہیں پوری وادی میں آپ کا حُکم بھی چلتا ہے۔ آپ کے حُکم پر کتنے لوگ مارے گئے اور آپ ایک شخص کی وجہ سے اتنے پریشان بیٹھے ہیں۔ آخر ایک بندہ ہی ہے! تو جہاں سینکڑوں بندے آپ نے قتل

کروادیے وہاں اس ایک کو بھی قتل کروادو، بات ختم ہوجائے گی۔ ابوجہل نے کہا کہ تم کیا سمجھتے ہو کہ ہم نے اس معاملے میں کوئی کسر چھوڑی ہے؟ لیکن مجبوری یہ ہے کہ یہ شخص واقعی اللہ کا نبیؐ ہے۔ ہم اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے کہ وہ اللہ کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلّم) ہے اور اللہ اس کے ساتھ ہے۔ ہم نے بہت کوشش کرلی ہم سے اس کا کچھ بگڑتا نہیں ہے۔

ابوجہل کی بات سن کر وہ شخص بولا کہ کمال کہ تم جانتے بھی ہو کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور پھر بھی ان سے لڑ رہے ہو، انہیں مان کیوں نہیں لیتے؟ ابوجہل بولا کہ اگر مان لیں تو بھی ہمارا تو کوئی وجود ہی نہیں رہے گا۔ ہماری تو حیثیت ہی ختم ہوجائے گی۔ یعنی ابوجہل جانتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اللہ کے رسول ہیں لیکن مان اس لیے نہیں رہا کہ پھر اس کا کیا بنے گا کہ وہ تو بڑا معتبر اور سردار بنا پھر رہا ہے۔ اگر آپ کو رسول (صلی اللہ علیہ وسلّم) مان لے گا پھر تو بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی مانی جائے گی اور اس کی حیثیت ختم ہوجائے گی۔ یہ ہوتا ہے کُفر جحودی یعنی ضد سے کفر کرنا۔ ابوجہل کا لقب ابوالحِکم تھا اس کو صاحبِ حکمت مانا جاتا تھا۔ وادی میں اس کا حُکم چلتا تھا۔ ابوجہل کا نام اُسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے عطا فرمایا کہ تو سب سے بڑا جاہل ہے فرمایا: وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ ۔۔۔ کچھ لوگوں کا مزاج ہوتا ہے کہ وہ کفرِ جحودی کرتے ہیں۔

وہ اوصاف جو کفر جحودی تک لے جاتے ہیں:

فرمایا: وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾

یہ کفر جحودی اُن لوگوں میں پیدا ہوتا ہے جو بدعہد ہوتے ہیں، ناشکرے ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ کی آیات کی پروا نہیں کرتے اور انکار کرتے ہیں۔

بدعہد لوگوں کا وتیرہ یہ ہوتا ہے کہ وہ وعدے کچھ اور کرتے ہیں اور کام کچھ اور کرتے ہیں۔ معاہدے اور کیے جاتے ہیں اُن کے نتائج کچھ اور نکلتے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ جب کسی سے وعدہ کیا جائے تو کسی خلافِ شریعت بات پر نہ کیا جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو وہ عہد باطل ہے۔ حدودِ شرعی کے اندر جو معاہدہ کیا جائے، اسے نبھانا فرض ہے۔ جب کسی سے وعدہ کریں تو پہلے سوچ لیں کہ اس پر عمل کرسکیں گے یا نہیں۔ اپنی کمزوریاں، کمی بیشی اور نفع نقصان سوچ کر وعدہ کریں۔ جب کرلیا تو پھر اُسے پورا کریں۔

اب ایسا زمانہ ہے کہ بدعہدی کو برائی سمجھا ہی نہیں جاتا۔ ایک زمانہ تھا جس کی حکایات ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ بادشاہ جو بات کہتا ہمیشہ پکی اور سچی ہوتی تھی۔ بزرگوں میں ایک کہاوت تھی کہ 'بادشاہ میں ستر اولیاء کی طاقت

ہوتی ہے۔ اب یہ عالم ہے کہ حکمران سب سے زیادہ جھوٹ بولتے ہیں اور اُسے بہت دانشمندی سمجھتے ہیں کہ ہم نے جھوٹ بول کر دوسرے کو ٹرخا دیا۔ ایسے بھی ہوئے ہیں جو معاہدہ کر کے جب عمل درآمد کی باری آئے تو کہہ دیتے ہیں کہ وعدہ کوئی قرآن وحدیث تو نہیں ہے۔

فرمایا، جو بدعہد ہوتے ہیں اور ناشکرے ہوتے ہیں یعنی مزاجاً کسی کا شکریہ ادا کرنے والے نہیں ہوتے وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔

اے انسانو! اپنے رب سے رشتہ نہ بگاڑو:

فرمایا: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۔۔۔ اے لوگو! اے اولادِ آدم! اپنے پیدا کرنے والے، اتنی نعمتیں عطا کرنے والے سے اپنے تعلقات خراب نہ کرو۔

النَّاسُ ۔۔۔ بہت وسیع المعانی ہے اور ساری انسانیت اس میں آجاتی ہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو دنیا میں جتنی آبادی تھی اور ان چودہ صدیوں میں جتنی آبادی گزر چکی پھر آگے جب تک دنیا نے رہنا ہے اُس میں مزید کتنی آئے گی یہ تمام انسان اس خطاب میں آجاتے ہیں۔ ان سب کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ اپنے پروردگار سے تعلقات نہ بگاڑو۔

اردو کا دامن تنگ ہے اور مجبوراً تقویٰ کا ترجمہ 'ڈر' ہی کر دیا جاتا ہے لیکن اتَّقُوْا ۔۔۔ کا اصل ترجمہ یہ ہے کہ تعلقات بگاڑے نہ جائیں۔ رشتہ رکھا جائے اور اچھا رکھا جائے چونکہ تقویٰ وہ ڈر ہے کہ جب کسی کا اللہ سے تعلق ہو تو پھر وہ کوئی ایسی بات بھی زبان سے نہ نکالے کوئی ایسا کام بھی نہ کرے جس سے اس تعلق میں دراڑ آنے کا خطرہ ہو، اللہ کی ناراضگی کا خطرہ ہو۔ رشتے کے ٹوٹنے کا ڈر تقویٰ کہلاتا ہے۔ فرمایا: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۔۔۔ اے انسانو! اپنے پیدا کرنے والے، پالنے والے سے تعلقات خراب نہ کرو۔ ذرا غور کریں تو کتنی خوبصورت بات ہے اور کیا عظمت ہے اُس ایک ہستی کی جس کی طفیل ہی سارے انسان اللہ سے تعلق قائم کر سکتے ہیں۔ عظمتِ رسالت اور مقامِ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو کہ بعثتِ عالی سے لے کر قیامت تک جہاں کہیں، جو کوئی ہے وہ اللہ سے تعلق صرف اُسی راستے سے بنا سکتا ہے جس کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بُلا رہے ہیں۔ ساری کائنات کے لیے ایک ذات ہے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ فرمایا، دیکھو اُس رب نے تمہیں پیدا کیا۔ کس طرح کہاں کہاں سے تمہارے اجزا جمع کر کے اُنہیں صُلبِ پدر میں، شکمِ مادر میں پہنچائے گا اور پھر وہاں تمہاری پرورش کی۔ زندگی بھر تمہارے لیے اہتمام کر رہا ہے اور تم اس کی عطا کردہ بے شمار نعمتیں استعمال کر رہے ہو تو کم از کم اُس سے اپنا تعلق تو

درست رکھو۔ اُس کی ناراضگی تو مول نہ لو۔ تمہیں تو اس کا شکر ادا کرنا چاہیے تھا کہ وہ تمہیں اتنی نعمتوں سے نواز رہا ہے اور کتنی نعمتیں عمر بھر استعمال کرتے رہے ہو۔

ایک بات اور بھی ہے کہ آگے ایک ایسا دن بھی آ رہا ہے جب اُن نعمتوں کا حساب ہوگا۔ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِي وَالِدٌ عَن وَّلَدِهِ ۚ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَن وَّالِدِهِ شَيْئًا ۔۔۔ ایک دن آ رہا ہے جس دن اس نظام کی بساط لپیٹ دی جائے گی۔ ایسا نہیں ہے کہ تم شکر ادا نہیں کرتے اور زندگی ختم ہو جائے گی تو کھیل ختم ہو جائے گا۔ جس نے نعمتوں کا شکر ادا کیا اُس کا بھی ختم ہو جائے گا اور جس نے نہیں کیا اس کا کھیل بھی ختم ہو جائے، ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ ایک ایسا دن بھی آ رہا ہے جب ایک ایک نعمت کا حساب ہوگا۔ ایک ایک سانس کے بارے پوچھا جائے گا کہ کیا اس سانس میں تو نے اللہ کا شکر کیا؟ یہ جو پانی پی رہے ہو، نعمتیں کھا رہے ہو، جس ہوا میں سانس لے رہو، سورج کی روشنی استعمال کر رہے ہو، کائنات کی ہر نعمت استعمال کر رہے ہو، کیا ان کا شکر ادا کر رہے ہو؟

وہی کریم ذات ہے جس نے: خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۔۔۔ (البقرہ:29) روئے زمین میں جو کچھ ہے، تمہاری خدمت پر لگا دیا ہے۔ جب استعمال کر رہے ہو تو اس کی قیمت کیا ہے؟ اس کی قیمت صرف یہ احساس ہے کہ یہ نعمتیں مجھے میرے اللہ نے دی ہیں اور مجھے اللہ کا شکر ادا کرنا ہے۔ اُس کی اطاعت کروں گا، نافرمانی نہیں کروں گا۔ اگر ایسا نہیں کر رہے تو اُس دن سے ڈرو جس دن باپ بیٹے کو پوچھے گا نہ بیٹا باپ کو۔ دنیا میں تو ایسی حمایت ہوتی ہے کہ باپ بیٹے پر قربان ہو جاتا ہے یا بیٹا باپ پر جان دینے کو تیار ہو جاتا ہے۔ یہ محبتِ دنیا، دنیا تک ہے۔ اُس دن کوئی کسی کو نہیں پوچھے گا۔ اپنی جان بچے گی تو کسی کو پوچھ پائے گا۔ بات صرف یہی نہیں کہ تم پر بہت احسانات ہیں تو تم اللہ کا شکر ادا کرو بلکہ تمہارے آگے اور امتحان بھی ہیں تم سے پوچھا جائے گا۔ جو اللہ کی اطاعت نہیں کرتے، جن کا اللہ ہی سے تعلق نہیں ہے پھر اُن کا والدین یا بزرگوں یا بھائیوں سے دوسروں سے تعلق کیا معنی رکھتا ہے لیکن جو اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ جن میں نورِ ایمان ہوگا جو اللہ کے بندے ہوں گے اُن کے رشتے وہاں بھی کام آئیں گے۔ باپ بیٹے، بہن بھائی، بیوی، اولاد ایک دوسرے کی سفارش بھی کریں گے اور ایک دوسرے کا حال بھی اللہ کی اجازت سے پوچھیں گے۔ جس کا تعلق اللہ سے نہیں ہوگا، اس کا کسی سے بھی نہیں ہوگا، وہ تنہا رہ جائے گا۔

کسی دھوکے میں نہ رہو:

فرمایا: إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۔۔۔ کسی غلط فہمی میں نہ رہو یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اس غلط فہمی میں نہ رہو کہ پتا نہیں کیا ہوگا۔ وہی ہوگا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرما دیا، قرآن نے بتا دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ایک ایک لفظ سمجھا دیا، ویسا ہی ہوگا۔

آج کل یہ کہنے کا رواج ہو گیا ہے کہ دیکھیں گے کہ کیا ہوگا، یہ کلمہء کفر ہے، یہ غلط ہے۔ حق یہ ہے کہ ویسا ہی ہوگا جیسا اللہ کا قرآن بتا رہا ہے جیسا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ہے۔

فرمایا: فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۔۔۔ دیکھو یہ دنیا کی چند روزہ فرصت جو تمہیں ملی ہے تمہیں کسی غلط فہمی میں نہ ڈال دے۔ اللہ کا وعدہ کھرا اور سچا ہے، سب تباہ ہو جائے گا لہٰذا محض دنیا کی دولت یا اقتدار و وقار میں کھو کر ان حقائق کو نہ بھولو اور یہ عارضی وقار یا دولت محض ایک دھوکا ہے۔ ہر بندے میں 'میں' آ گئی ہے کہ میں ایسا ہوں ویسا ہوں، اُس دن کوئی 'میں' نہ رہے گی سب تباہ ہو جائے گا۔ فرمایا: وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾ اور دیکھنا کہ نفس اور شیطان تمہیں اللہ کے مقابلے میں دھوکا نہ دیں۔ یہ عارضی دولتِ دنیا یا وقار کے زعم میں مبتلا کر کے تمہیں اللہ سے غافل نہ کر دیں کہ یہ دونوں بڑے دھوکے باز ہیں۔ اللہ کے معاملے میں کسی قسم کا فریب نہ کھا جانا، اپنی بڑائی کے بھرّے میں نہ آ جانا۔ شیطان اور نفس تمہیں بڑے بڑے دھوکے دیں گے تمہیں یقین دلائیں گے کہ تم بڑے دانشور ہو، بڑے عقلمند ہو۔ تم بڑے بااختیار ہو، تمہارا دنیا میں بڑا نام گونجتا ہے۔ دنیا کچھ نہیں ہے۔ یہ دھوکا ہے اور بڑی بڑی شانیں ختم ہو گئیں، بڑے بڑے نام مٹ گئے۔

مٹے ناميوں کے نشاں کيسے کيسے

کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا اور یہ جو تم بڑے دانشور بنے پھرتے ہو تو یہ اللہ کی عطا کردہ توفیق سے ہے۔ اللہ نے تمہیں دماغ دیا، تمہاری راہنمائی فرمائی اور تم نے تحقیقات کیں چنانچہ علوم میں آگے نکل سکے۔ اپنی بڑائی میں مبتلا نہ ہو جانا اور شیطان اور نفس تمہیں اللہ کے مقابلے میں کوئی دھوکا نہ دیں۔ تمہارے پاس تو اللہ کا کلام ہے۔ اللہ تم سے خطاب فرما رہا ہے اور اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلّم تم تک وہ خطاب پہنچا رہا ہے۔ یاد رہے کہ وحی کی دو اقسام ہیں۔ ایک ہے 'وحی متلو' یعنی وہ وحی جس کی ہم تلاوت کرتے ہیں۔ قرآن کریم کے تیس پارے 'وحی متلو' ہیں۔ وحی متلو میں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں الفاظ اور معانی دونوں اللہ کریم کی طرف سے ہیں۔ اسی لیے آج تک اس کے ایک لفظ کو، زیر زبر کو کوئی نہیں ہلا سکا۔

اب اس نعمت کو کوئی یوں سمجھے کہ الفاظ و مفاہیم اللہ کے ہیں اور قلبِ اطہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر وارد ہوئے۔ پھر اُن کے لب ہائے مبارک سے ادا ہوئے اور میں ایک گناہ گار انسان آج وہی الفاظ دہرا رہا ہوں جو میرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے لب ہائے مبارک سے ادا ہوئے۔ یہ احساس ہو جائے تو ایک ایک حرف اور لفظ کی تلاوت کتنی لذّت دے جاتی ہے۔ وحی کی دوسری قسم 'وحی غیر متلو' کہلاتی ہے۔ اس میں مفاہیم من جانب اللہ ہوتے ہیں

جبکہ الفاظ نبی علیہ السلام کے ہوتے ہیں۔ حدیثِ مبارکہ کا سارا ذخیرہ وحیٔ الٰہی ہے لیکن یہ وحیٔ غیر متلو ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى o اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى o (النجم: 3,4) کہ اپنی خواہش پہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ نہیں فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ فرماتے ہیں جو اللہ کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے۔ حدیثِ مبارکہ میں الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں جبکہ مفاہیم اللہ کی طرف سے آتے ہیں۔ قرآنِ کریم سے پہلے جو کتابیں نازل ہوئیں وہ ساری بھی وحی غیر متلو تھیں اسی لیے وہ محفوظ نہ رہ سکیں۔ قرآن کریم وحی متلو ہے۔ اس کے الفاظ اللہ کی طرف سے ہیں اور معانی بھی اللہ کی طرف سے ہیں چنانچہ یہ محفوظ ہے۔

علمِ الٰہی:

تم اللہ کی عطا سے علوم میں بہت آگے نکل گئے لیکن تمہاری حیثیت تو یہ ہے کہ تم جس دنیا کی تعمیر میں دن رات لگے ہو جن شہروں کی خوبصورتی میں لگے ہو تم تو یہ بھی نہیں جانتے کہ کب یہ دنیا تباہ ہو جائے گی۔ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ۔۔۔ یہ جان لو کہ معاملات کی ابتدا و انتہا صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ تمہیں تو یہ بھی نہیں پتا کہ وہ دن کب آئے گا جب یہ ساری بلند و بالا عمارتیں جن کی تعمیر میں تم مگن ہو ٹوٹ پھوٹ جائیں گی۔ دنیا میں کوئی نہیں جانتا کہ وہ دن کب آئے گا۔ یہ علم صرف اللہ کو ہے جس نے کائنات بنائی ہے وہی جانتا ہے کہ اُس نے اِس کے خاتمہ کا کون سا وقت مقرر کیا ہے۔ جب اللہ نے اسے پیدا فرمایا تھا تب ہی اسے بتا دیا تھا کہ تیری عمر اتنی رکھ دی ہے اس لیے صرف اللہ ہی جانتا ہے کہ یہ کب ختم ہوگی۔

ہم تو اسی میں لگے رہتے ہیں کہ یہ بنانا ہے وہ بنانا ہے، ہمیں اپنا پتا نہیں ہوتا کہ اچانک موت اُٹھا کر باہر پھینک دیتی ہے۔

وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ۔۔۔ اور وہی مینہ برساتا ہے۔ زندگی کا دارومدار اللہ کریم نے پانی پہ رکھ دیا ہے۔ پانی کب اور کیسے برستا ہے یہ وہی جانتا ہے۔

یہ جو آج کہتے ہیں کہ سائنس دان پیش گوئی کر لیتے ہیں کہ بارش ہوگی تو اکثر یہ غلط ثابت ہوتے بھی دیکھی گئی ہیں۔ بعض اوقات محکمۂ موسمیات والے بارش کی پیش گوئی کرتے ہیں لیکن سارا دن دھوپ رہتی ہے۔ اسی طرح سارا دن دھوپ کی پیش گوئی کرتے ہیں لیکن سارا دن بارش برستی رہتی ہے۔ اگر کوئی اللہ کی عطا کردہ عقل سے بارش کے اسباب اور آثار دیکھ کر درست اندازہ بھی لگا لیتا ہے وہ پھر بھی بارش کی تشریحات نہیں جان سکتا۔ وہ نہیں جان سکتا کہ کس بارش میں کتنے قطرے پانی کے برسیں گے۔ کوئی نہیں جان سکتا کہ کونسا قطرہ سیپ میں جا کر گوہر بنے گا۔ کون سا قطرہ

سمندر میں گرے گا۔کون سا قطرہ صحرا میں جذب ہوگا۔کون سا قطرہ خشکی پر گرے گا۔کس قطرے سے کیا اُگے گا۔کون سا قطرہ کس پھل کی شیرینی بنے گا، کس غذا کا حصّہ بنے گا۔بھلا یہ کون جان سکتا ہے۔ساری زندگی بارش مانگتے رہتے ہو۔بارش سے دنیا کے کام چلاتے ہو۔دریا بارش سے بہتے ہیں پہاڑوں پر بارش سے برف ہوتی ہے۔چشمے بارش سے پھوٹتے ہیں۔کھیتیاں بارش سے سیراب ہوتی ہیں۔انسان اور جانور سارا دن پانی پیتے ہیں جو بارش ہی کا پانی ہے خواہ کنوئیں میں ہے یا دریا میں ہے یا نلکے سے نکالتے ہیں۔تم کیا جانو کہ بارش کب اور کتنی برسے گی، کتنے قطرے پانی کے ہوں گے اور کہاں کہاں جائے گا۔یہ اللہ ہی جانتے ہیں جو بارش برساتے ہیں۔

وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ۔۔۔اللہ کریم جانتے ہیں جو رحموں میں ہے۔اللہ کریم کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے۔تم تو اتنے بے خبر ہو کہ تمہیں دنیا کے خاتمے کا پتا ہے نہ اس کے بقا کے سبب پانی کے برسنے کا کچھ پتا ہے۔تمہاری بے خبری کا یہ عالم ہے کہ جس ماں کے پیٹ کے اندر جو بچہ پل رہا ہے وہ خود نہیں جانتی کہ وہ کیا ہے۔

سائنسدانوں نے بڑی ڈینگ ماری کہ انہوں نے ایسے آلات بنا لیے کہ پتا چل جاتا ہے کہ پیٹ میں بچہ ہے یا بچی لیکن یہ بھی حتمی خبر نہیں ہوتی۔اکثر دیکھا گیا ہے کہ ڈاکٹر نے کہا کہ بچی ہے لیکن پیدا بچہ ہو گیا۔اگر اسے مان بھی لیا جائے کہ سائنس نے پتا لگا لیا ہے کہ پیٹ میں بچہ ہے یا بچی تو کیا کوئی یہ جان سکتا ہے کہ اس کی عمر کتنی ہوگی؟ اس کی شکل، عقل قد کاٹھ کیسا ہوگا؟ اس کا درجہ فہم و شعور کیسا ہوگا؟ اس کی بینائی و شنوائی کیسی ہوگی؟ حواسِ خمسہ کیسے ہوں گے؟ وہ نیک ہوگا یا بد ہوگا؟ فقیر رہے یا امیر ہوگا؟ بادشاہ بنے گا یا گداگر بنے گا؟ تجارت کرے گا یا کاشت کاری کرے گا؟ سپاہی ہوگا یا مزدور بنے گا؟ کوئی نہیں جانتا کہ اس کے وجود کے کتنے Cells ہوں گے۔کب پیدا ہوں گے، کب مریں گے اور کہاں جائیں گے۔کوئی بھی یہ سب نہیں جان سکتا۔

وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا۔۔۔تمہیں تو یہ بھی نہیں پتا کہ تم کل کیا کرو گے۔تم رات کو طے کر کے سوتے ہو کہ کل فلاں کام کرنا ہے صبح اٹھتے ہو تو کوئی دوسرا کام گلے پڑ جاتا ہے۔سونے سے پہلے اگلے روز کسی سے ملاقات کا پروگرام بناتے ہو۔صبح کوئی اور مصیبت آ جاتی ہے۔کتنی مرتبہ تمہارے ساتھ یہ ہوتا ہے کہ تم رات کو کچھ سوچتے ہو اور صبح کرتے کچھ اور ہو۔تمہیں تو اپنے کل کا نہیں پتا، تمہارے سارے پروگرام اللہ کی بارگاہ میں بنتے ہیں پھر اس کے مطابق عمل کرتے ہو۔تم خود کچھ بھی نہیں جانتے۔تمہیں تو یہ بھی نہیں پتا: وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ۔۔۔کہ زمین کے کس خطے میں روح قبض ہو جائے گی، کہاں زندگی ساتھ چھوڑ جائے گی۔کسی کو یہ بات معلوم نہیں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾ بے شک اللہ ان باتوں کے جاننے والے ہیں۔ اللہ کریم کو سب چیزوں کا علم بھی ہے اور سارے حالات کی خبر بھی ہے۔ انہیں مغیباتِ خمسہ کہتے ہیں۔ یہ اللہ کریم کا خاصہ ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ قیامت کب قائم ہوگی اور کوئی نہیں جانتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی فرمایا کہ یہ اللہ کریم کے علم میں ہے کہ قیامت کب آئے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت سے پہلے وقوع پذیر ہونے والی نشانیاں ارشاد فرمائیں کہ قیامت سے پہلے کیا کیا رونما ہوگا لیکن یہ نشانیاں کتنا عرصہ چلیں گی اور قیامت کب ہوگی یہ نہیں فرمایا۔

حدیث شریف میں قربِ قیامت کی ایک واضح نشانی ارشاد فرمائی گئی کہ قیامت سے پہلے ایسا لگے گا جیسے سال مہینوں میں گزر گئے۔ مہینے ہفتوں میں گزر گئے اور ہفتے دنوں میں گزر گئے۔ ہم روز سوچتے ہیں کہ ابھی کل تو جمعہ تھا، آج پھر جمعہ آ گیا۔ دن گزرنے کا پتا ہی نہیں چلتا۔ مہینہ گزرنے کا پتا ہی نہیں چلتا۔ ہم نے کتنی زندگی اُنیس سو لکھ کر تاریخ لکھنے میں گزار دی پھر صدی بدل گئی تو بیس لکھنے میں ہچکچاہٹ ہوتی تھی۔ وہ ہاتھ اور قلم جو ساٹھ برس اُنیس سو لکھتے رہے اُنہیں بیس لکھنا عجیب لگ رہا تھا۔ اب پندرہ برس مزید بیس کے بھی گزر گئے اور پتا ہی نہیں چلا۔ یہ بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کہ لوگوں کو سمجھ ہی نہیں آئے گا کہ دن کیسے گزر گئے۔ وقت کہاں چلا گیا تو کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب قائم ہوگی۔ کوئی نہیں جانتا بارش میں کتنا پانی برسا اور اس سے کیا کیا ہوگا۔ کوئی نہیں جانتا کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے۔ کسی کو اپنے بارے میں یہ تک نہیں پتا کہ اُسے کل کیا کرنا ہے، سوچتا کچھ ہے اور صبح اُٹھ کر کرتا کچھ اور ہے۔ اتنا بھی کوئی نہیں جانتا کہ کس خطہء زمین پر زندگی ساتھ چھوڑ دے گی۔ یقیناً یہ سب معاملات اللہ کریم جانتے بھی ہیں اور ہر طرح کی خبر بھی رکھتے ہیں یعنی جو کچھ ہونے والا ہے وہ اللہ کے علم میں ہے اور جو کچھ ہو چکا ہے وہ بھی اللہ کے علم میں ہے۔ جو ہو چکا ہو اُسے خبر کہتے ہیں۔ جو ہونے والا ہو اُسے علم کہتے ہیں۔ جو بات ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئی وہ اللہ کے علم میں ہے جسے کوئی اور نہیں جانتا۔ جو ہو چکا ہے تم وہ بھی نہیں جانتے اُس کی خبر بھی اللہ ہی کو ہے، وہ جانتا ہے۔

الحمدللہ

سورۃ السجدۃ رکوع 1 آیات 1 تا 11

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴﴾ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۵﴾ ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۶﴾ الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ﴿۷﴾ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۸﴾ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۹﴾ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۰﴾ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾

الٓمّٓ ﴿۱﴾ یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں یہ جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے ﴿۲﴾ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اسے (پیغمبر نے) گھڑ لیا ہے بلکہ وہ آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے تاکہ آپ اُن لوگوں کو (انجامِ بد سے) ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ یہ لوگ

راہ پر آجائیں ﴿۳﴾ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے کو چھ روز میں پیدا فرمایا پھر عرش پر قائم ہوا۔ اس کے سوا تمہارا کوئی دوست نہیں ہے اور نہ کوئی سفارش کرنے والا۔ پر کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟ ﴿۴﴾ وہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر کام کی تدبیر فرماتا ہے پھر ہر امر اسی کے حضور پہنچ جائے گا ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار برس کی ہوگی ﴿۵﴾ وہی (اللہ) ہے جاننے والا پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا۔ زبردست (اور) رحمت والا ﴿۶﴾ جس نے جو چیز بنائی بہت خوب بنائی اور انسان کی پیدائش مٹی سے شروع فرمائی ﴿۷﴾ پھر اس کی نسل کو خلاصۂ اخلاط (یعنی) ایک بے قدر پانی سے بنایا ﴿۸﴾ پھر اس (کے اعضاء) کو درست فرمایا اور اُس میں اپنی روح پھونکی اور تم کو کان اور آنکھیں اور دل دیے (مگر) تم بہت کم شکر کرتے ہو ﴿۹﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم زمین میں نیست و نابود ہو گئے تو کیا ہم پھر نئے جنم میں آئیں گے۔ بلکہ وہ اپنے پروردگار کے ملنے سے ہی انکاری ہیں ﴿۱۰﴾ آپ فرما دیجیے کہ تمہاری جان موت کا فرشتہ قبض کرتا ہے جو تم پر متعین ہے پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹا کر لائے جاؤ گے ﴿۱۱﴾

تفسیر و معارف

سورۂ سجدہ اُن سورتوں میں سے ہے جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں۔ مکی سورتوں میں زیادہ بحث عقائد پر کی گئی ہے جبکہ مدنی سورتوں میں زیادہ بحث احکام پر ہے۔ اگرچہ مکی سورتوں میں احکام کی بات بھی ہے اور مدنی سورتوں میں اوامر و نواہی کی بحث کے ساتھ ساتھ عقائد کی بات بھی ہے۔

محض تلاوت بھی باعثِ اجر ہے:

الٓمّٓ ① حروفِ مقطعات قرآن کی بہت سی سورتوں کے آغاز میں ہیں یعنی ان حروف سے سورتیں شروع کی گئی ہیں۔ ان کے معانی و مفاہیم اللہ کریم یا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں لیکن ان حروفِ مقطعات کی تلاوت کی جاتی ہے۔ جو برکات ان حروف سے متعلق ہیں، وہ قاری کو نصیب ہوتی ہیں۔ ان سے دل صاف ہوتا ہے

اور ایمان میں اضافہ اور تازگی بھی نصیب ہوتی ہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر قرآنِ کریم کا ترجمہ نہ بھی آتا ہو تو بھی قرآن کی تلاوت ضرور کی جائے کہ تلاوت دل کو روشن کرتی ہے اور اس کا اجر وثواب بھی ملتا ہے۔

قرآن حکیم کی شان:

فرمایا: تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے۔اس میں کوئی شک نہیں یہ جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے۔

اس آیۂ مبارکہ میں تین باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ مُنزّل من اللہ ہے۔ یہ کتاب نازل کی ہوئی ہے۔اسے زمین پر کسی عالم فاضل نے کسی ادیب نے یا چند لوگوں نے مل کر نہیں لکھا بلکہ یہ اللہ کریم کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ یہ الکتاب ہے۔ جب کسی لفظ کے ساتھ 'ال' لگتا ہے تو وہ اسم معرفہ (Proper Noun) بن جاتا ہے یعنی یہ کتاب ہی حقیقتاً وہ کتاب ہے جو صحیح معنوں میں کتاب کہلانے کی مستحق ہے۔یعنی جسے خاص کتاب کہا جا سکتا ہے اس لیے کہ اس کی ایک عظمت تو یہ ہے کہ یہ اللہ کریم کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔دوسری عظمت یہ ہے کہ: لَا رَيْبَ فِيْهِ۔۔۔اس کے کسی ارشاد میں شبے کی ادنیٰ سی گنجائش بھی نہیں ہے۔اس کتاب میں دنیا ہی نہیں بلکہ اس دنیا کے بسنے سے پہلے کی بات بھی ہے۔اس میں زمینوں کی بات ہے، اس دنیا اور اس کے زمانوں کی بات ہے، اس کی ساری ضروریات کی بات ہے۔ اس زندگی کے بعد موت کی بات ہے اور پھر مابعد الموت آنے والے جہانِ آخرت کی بات ہے۔اس میں عرشِ عظیم کی بات ہے آسمانوں کی بات ہے۔انسان کی پیدائش سے پہلے سے لے کر انسانی پیدائش، موت، اُخروی زندگی اور اس کے انجام تک، ہر موضوع پر ساری بحث اس چھوٹی سی کتاب میں سمو دی گئی ہے۔ جو بات اس کتاب میں فرما دی گئی اس میں رائی کے دانے کے برابر شبہ نہیں ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ یہ اس ربّ العالمین کی طرف سے اتاری گئی ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔جس نے کسی سے سن کر بات نہیں کی، کسی کی بات پڑھ کر بات نہیں کی۔ یہ اس کا اپنا کلام ہے۔وہ ذات ایسی ہے جس نے سب کچھ پیدا کیا پھر انسان کو اس کا مقصدِ حیات بتایا۔زندگی بسر کرنے کے لیے احکام وفرامین ارشاد فرمائے۔زندگی کے اہداف مقرر کیے۔ مستقبل کے بارے بتایا کہ موت کے بعد کیا ہوگا، اخروی زندگی میں کیا پیش آئے گا۔جس نے انسانوں کے لیے یہ سارا پروگرام طے کیا اسی نے یہ کتاب نازل فرمائی۔

انسانی مزاج بھی عجیب ہے۔ہم اگر ایک گھڑی بھی خریدیں تو اس کے ساتھ ایک کتابچہ (Manual) ملتا ہے۔ہم کوئی بھی مشین خریدیں اس کے ساتھ ایک (Manual) ملتا ہے اور ہماری پوری کوشش ہوتی ہے کہ اُس کتابچے (Manual) کے مطابق اُسے استعمال کریں تا کہ کہیں کوئی خرابی نہ ہو جائے۔ہم یہ احتیاط کیوں کرتے

ہیں؟ ہم اُس (Manual) کے مطابق کیوں چلتے ہیں؟ اس لیے کہ وہ کتابچہ اُس مشین کے صانع کی طرف سے لکھا گیا ہے۔ جس Firm نے یا جس بندے نے اُسے بنایا ہے اس نے ہدایات برائے استعمال لکھی ہیں۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ اس طرح استعمال کرنے سے یہ تمہارے کام آئے گی اور اس کے خلاف کرنے سے یہ ناکارہ ہو جائے گی۔

یہ اتنی بڑی کائنات جس نے بنائی اُس نے بھی ایک کتاب عطا کر دی ہے۔ اب اس کائنات میں جو کچھ تمہیں کرنا ہے اس کتاب کے مطابق کرو تو یہ تمہارے لیے جنت ہے۔ یہ تمہیں آرام پہنچائے گی لیکن اگر اس کتاب کو زندگی بھر دیکھو گے نہ سمجھو گے نہ جانو گے اور اندازے سے کام کرتے رہو گے تو خرابیاں ہوں گی۔ جب تم اتنی بڑی کائنات کو محض اٹکل سے استعمال کرنا چاہو گے تو گڑبڑ تو یقیناً ہو گی۔

فرمایا: اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ۔۔۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ کتاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی باتیں جوڑ کر بنالی ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ: بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۔۔۔ یہ آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے۔ یقیناً یہ اللہ کی کتاب ہے۔ جتنے موضوعات اس نے اختیار کیے ہیں اگر کوئی انسان ان پر پانچ پانچ جملے بھی لکھتا تو شاید اس کتاب کا حجم اتنا ہوتا کہ وہ کمرے میں بھی نہ سما سکتی۔ یہ قرآنِ کریم کا اعجاز ہے کہ اتنی سی کتاب نے تخلیقِ کائنات سے لے کر انجامِ کائنات تک سارے موضوعات پر سیرِ حاصل بحث کی ہے۔

کئی صدیوں سے لوگ اس کی تشریحات کر رہے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق آج تک اڑھائی لاکھ تفاسیر لکھی گئی ہیں جو مشہور ہوئیں یعنی جنہیں لوگ جانتے ہیں۔ کچھ ایسی بھی یقیناً ہوں گی جو مشہور نہ ہو سکیں اور اہلِ علم تک پہنچ نہ سکیں لہٰذا شمار میں نہ آسکیں۔ جو شمار کی گئی ہیں، قدیم وجدید وہ کم وبیش اڑھائی لاکھ تفاسیر ہیں۔ عموماً دستیاب صرف پندرہ بیس ہی ہوتی ہیں۔ تفسیریں لکھی جا رہی ہیں اور لکھی جاتی رہیں گی اس کتاب کے حقائق ختم ہوں گے نہ اس کے لطائف ختم ہوں گے اور نہ ہی اس کی باتیں ختم ہوں گی۔ ہر بار ایک نیا راز کھلتا ہے۔ ایک نیا خزانہ ملتا ہے۔ اس لیے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔ قیامت تک لوگ اسے بیان کرتے رہیں گے اور نئے خزانے اس میں سے تلاش کرتے رہیں گے، پاتے رہیں گے۔ اس لیے کہ یہ اللہ کا کلام ہے جسے یہ بے وقوف لوگ کہتے ہیں کہ اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جوڑ کر بنالیا ہے۔

نزولِ کتاب کا مقصد:

فرمایا: لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ یہ کتاب آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے تاکہ ان لوگوں کو اللہ کی نافرمانی کے خطرناک نتائج سے متنبہ کریں جن کے پاس آپ

سے پہلے ڈرانے والا نہیں آیا۔ قرآن میں لفظ 'انذار' کا اردو میں ترجمہ ڈر ہی کیا جاتا ہے کیونکہ اردو میں اس کا متبادل لفظ ہی نہیں ہے۔ ''نذیر'' ڈرانے والے کو کہتے ہیں۔ انذار سے کیسا ڈر مراد ہے؟ یا در ہے ڈر کی مختلف قسمیں ہیں دشمن کا ڈر ہے، کسی موذی جانور کا ڈر ہے؟ کسی بیماری کا ڈر ہے؟ قتل ہو جانے کا ڈر ہے؟ زندگی ختم ہو جانے کا ڈر ہے؟ دولت چھن جانے کا ڈر ہے؟ کیا انذار ایسا ڈر ہے؟ نہیں! یہ ڈر اور طرح کا ہے۔ انذار کی نسبت جب انبیائے کرامؑ کی طرف ہو تو اس سے مراد ہے، کام کے برے انجام سے بروقت آگاہ کر دینا مثلاً ایک شخص کچھ کھانے لگے تو اُس کے پاس بیٹھا ہوا طبیب اُسے منع کرے کہ اسے مت کھاؤ ورنہ معدے میں تکلیف ہوگی۔ اسے انذار کہتے ہیں کہ کام کے انجام سے بروقت آگاہ کرنا تا کہ بندہ وہ کام کرنے سے رک جائے اور اُخروی تباہی سے دوچار نہ ہو۔ یہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب ہے کہ ہم لوگ جو خطا کرتے ہیں اس کے خطرناک نتائج سے وہ ہمیں وقت سے پہلے آگاہ فرما دیتے ہیں۔ توبہ کی توفیق مل جاتی ہے۔

فرمایا کہ یہ کتاب تو حق ہے جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اس لیے نازل کی گئی تا کہ اُن لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے لمبے عرصہ تک کوئی نبی نہیں آیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بنی اسرائیل میں بہت انبیاؑ مبعوث ہوئے لیکن وہ فلسطین اور بیت المقدس کے اردگرد مبعوث ہوتے رہے، مکہ مکرمہ کی طرف نہیں آئے۔ جزیرہ نمائے عرب میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ ان دونوں انبیاؑ کے درمیان ایک لمبا عرصہ ہے جس میں عرب میں کوئی نبی نہیں آئے۔

فرمایا، یہ کتاب آپ کے ربّ کی طرف سے ہے۔ ربّ کا معنی ہے ہر ضرورت مند کی ہر ضرورت، ہر لمحہ ہر حال میں پوری کرنے والا۔ جس نے وجود عطا کیا اور وجود کی ضرورتوں کا علم دیا۔ اس نے انسان کو روح بھی عطا فرمائی اور چونکہ وہ ربّ ہے اس نے روح کا علم بھی عطا فرمانا تھا، روح کی ضرورتیں، صحت و بیماری روح کی دنیا و آخرت کا علم بھی عطا فرمانا تھا، اس لیے اس کتاب میں دونوں علم جمع فرما دیے۔ بدن کی حفاظت کا علم بھی آ گیا اور روح کی ضروریات کا بھی آ گیا۔ یہ اللہ کی شانِ ربوبیت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ ان لوگوں سے شروع فرمائیں، جن کے پاس مدت سے کوئی نبی نہیں آیا یعنی اہلِ عرب سے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں متنبہ فرمائیں: لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝۳ تا کہ وہ ہدایت پا سکیں۔ جب یہ ہدایت پائیں گے تو اس ہدایت کو پھیلائیں گے اور یوں روئے زمین پر لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منسلک ہوتے چلے جائیں گے۔ پہلے پہلے خوش نصیب وہ تھے جنہیں شرفِ صحابیت نصیب ہوا۔ جنہوں نے براہِ راست آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے دین وصول کر کے آگے روئے زمین پر پھیلایا۔ اب قیامت تک جتنی مخلوق کو ہدایت نصیب ہوگی، جو دین ان تک پہنچے گا وہ

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی کا پہنچایا ہوا ہوگا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وہ لوگ تھے جو براہِ راست شمسِ نبوت سے روشن ہوئے اور جن کی روشنی قیامت تک دلوں کو منور کرتی چلی جائے گی۔

جن لوگوں کے پاس ایک مدت (عہدِ فترت) سے کوئی نبی نہیں آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردگار نے اُنہیں ان کی غلطیوں کے انجامِ بد سے آگاہ کرنے کے لیے یہ کتاب عطا فرمائی ہے تاکہ وہ ہدایت پا سکیں۔

عظمتِ الٰہی اور تخلیق کائنات:

اللہ جل شانہ کی عظمت انسانی علوم، انسانی دماغ وشعور کی رسائی سے بالاتر ہے۔ وہ خالق ہے، فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ۔۔۔ اللہ وہ ہے اُس کی شان اتنی عظیم ہے کہ اُس نے آسمانوں، زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے اسے چھ روز میں پیدا فرمایا۔ اللہ قادر ہے اور اس کی شان یہ ہے کہ وہ کسی چیز کو کہتا ہے 'کن' یعنی ہو جا تو 'فیکون' وہ ہو جاتی ہے۔ اللہ خالق ہے باقی سب کچھ جو آسمانوں میں ہے اور جو زمینوں میں ہے، سب مخلوق ہے۔ مخلوق خالق کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ اس کی عظمتوں کا اندازہ نہیں کر سکتی۔ اللہ کریم نے اس عالم کو عالمِ اسباب بنایا ہے۔ چیزوں کو چیزوں سے جوڑا ہے، امور سے جوڑا ہے۔ آپ غلّہ اُگاتے ہیں یا خرید کر لاتے ہیں پھر اُسے پیستے ہیں پھر گوندھتے ہیں اور پکاتے ہیں تو تب جا کر کہیں روٹی تیار ہوتی ہے۔ گویا چیزیں ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ اسباب کے نتیجے میں نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ سارا عالمِ خلق عالمِ اسباب ہے۔ ایک سوال یہاں پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کریم نے اسے عالمِ اسباب کیوں بنایا؟ وہ قادرِ مطلق ہے، ہر چیز ایک آن میں اپنے حکم سے اپنے روبرو پیدا کر دیتا دراصل اس کی تجلیات برداشت کرنا مخلوق کے بس کی بات نہیں ہے اس لیے اُس کریم نے اسباب کو اپنی ذات اور مخلوق کے درمیان پردہ بنایا۔ اگر ذاتِ باری اسباب پیدا نہ فرماتی اور براہ راست تجلیاتِ باری سامنے ہوتیں تو ہر شے بھسم ہو کر رہ جاتی۔ کوئی چیز بھی باقی نہ رہتی۔ اس لیے اللہ نے اسباب کو پردے کے طور پر بنا دیا ہے۔ اب وہ فرماتا ہے کہ وہ اتنی عظیم ذات ہے کہ اس نے چھ دنوں میں ساری کارگہہ حیات یعنی آسمان بھی اور جو کچھ آسمانوں میں ہے وہ بھی بنایا۔ زمین بھی بنائی اور جو کچھ زمین میں ہے وہ بھی بنایا۔

آسمانوں میں کیا کچھ ہے وہ تو ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ ہم اتنی بات ہی جانتے ہیں جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرما دی بلکہ ہم تو وہ بھی سارا نہیں جانتے جو ہم تک پہنچا، جو ہم نے سنا۔ ہم تک پہنچانے والوں نے کیا پہنچایا پھر ہمارا شعور جس درجے کا تھا، ہم نے اتنا ہی سمجھا۔ آسمان تو ہماری رسائی سے دور ہے لیکن زمین پر تو ہم پیدا ہوئے، پلے، بڑے ہوئے عمر گزار بیٹھے ہیں کیا ہمیں زمین کی ساری چیزوں کا علم ہے؟ کوئی نہیں جانتا کہ زمین میں کیا

کیا کچھ ہے۔ ہر ذرّے میں حیات ہے اور اس میں مثبت اور منفی بجلی بھی ہے۔ ہر ذرّے کا اپنا ایک نظام چل رہا ہے۔ جب سے زمین بنی ہے، اس پر پھل اُگ رہے ہیں، کھیتیاں بھی اُگ رہی ہیں۔ سبزہ اور چارا بھی اُگ رہا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک کتنی مخلوق ہے۔ ان کے وجود بھی اسی مٹی کے ذرّات سے بنے اور پھر مر کر اس مٹی میں مل گئے۔ کتنے وجود بن چکے، کتنے قیامت تک بننے ہیں، کون اندازہ کر سکتا ہے؟ زمین پر کتنی مخلوق ہے، کتنے حشرات الارض ہیں، دریاؤں سمندروں میں آبی مخلوق کتنی ہے کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ کتنی مخلوق زیر زمین ہے کوئی نہیں جانتا۔ اس کے علاوہ کتنی مخلوق ایسی ہے جو ہمیں نظر نہیں آتی مثلاً جنات اور شیاطین اور بھی بے شمار مخلوق ہے جسے ہم دیکھ نہیں سکتے۔ ہمیں کائنات کی کیا خبر ہوگی ہمیں تو اپنے وجود کی خبر نہیں۔ ہم بیمار ہو جائیں تو ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں پھر وہ ہمیں بتاتا ہے کہ تمہارے وجود میں یہ خرابی ہے۔ ہمیں خبر ہی نہیں ہوتی کہ کیا خرابی ہے اور اُس کی بات بھی حرفِ آخر نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر کو بھی دھوکا لگ سکتا ہے، تکلیف کوئی اور ہوتی اور وہ علاج کسی اور مرض کا کر رہا ہوتا ہے۔

فرمایا، وہ اتنی عظیم ذات ہے کہ اس نے چھ دنوں میں ساری کائنات، آسمان، زمین اور جو کچھ ان میں ہے، بنایا۔ اب دن بھی اُس کے اپنے ہیں، ہم نہیں جانتے کہ یہ چھ دن کون سے معیار پر ہیں۔ ایک معیار تو یہ ملتا ہے: وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (الحج:47) کہ زمین پر تمہارا ایک ہزار سال گزرتا ہے تو آسمان پر ایک دن گزرتا ہے یعنی آسمانوں پر ایک دن زمین کے ہزار سال کے برابر ہے۔ اس طرح سے دیکھا جائے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر تشریف رکھتے ہوئے ابھی دو دن گزرے ہیں، زمین پر دو ہزار سال بیت گئے ہیں۔ اب پتا نہیں وہاں ہفتہ رہیں گے یا ایک دن رہیں گے یا آدھا دن اور رہیں گے۔ جب اللہ کریم چاہیں گے تو نزول ہوگا اور وہ ویسے ہی جوان ہوں گے جیسے گئے تھے۔ اگر وہ پانچ چھ دن ہفتہ دس دن بھی رہیں تو اُس میں بڑھاپا تو نہیں آجائے گا۔

دوسرا معیار فرمایا گیا ہے فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (المعارج:4) وہ ایسے دن واقع ہوگا جس کی مقدار دنیا کے پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔ اب یہ چھ دن جن میں کائنات کی تخلیق ہوئی کس میعار سے ہیں، کیا یہ پچاس ہزار سالوں کے برابر ایک دن ہے یا ہزار سالوں کے برابر ایک دن ہے یا یہی دن ہیں جو دنیا میں ہیں یہ صرف اللہ کریم ہی جانتے ہیں۔ یہ بتایا ہی نہیں گیا بس اتنا ارشاد فرما دیا کہ یہ سب کچھ چھ دنوں میں پیدا فرما دیا۔ اتنی بڑی کارگہہ حیات بنا دی، اسباب پیدا فرمائے، اُن کے نتائج پیدا فرمائے۔ پھر ہر نتیجہ اگلی چیز کا سبب بن جاتا ہے اور سبب اس کا نتیجہ مزید اگلی چیز کا سبب بن جاتا ہے۔ یوں اس کائنات کے ذرّے ذرّے میں اللہ کریم نے حیات آفرینی رکھی ہے، ان میں تاثیرات اور خصوصیات رکھی ہیں۔ ایک ایک قطرۂ بارش نے کہاں پہنچنا ہے، کیا کام کرنا ہے، ہر ذرّے کا مخلوق سے کیا تعلق ہے؟ یہ بہت لمبا کام ہے اور

صرف اللہ کریم جو خالق ہیں وہی جانتے ہیں یہ اس لیے ارشاد فرمایا کہ ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق اُس کی عظمت کا اندازہ کرے کہ اس نے کتنی مخلوق پیدا فرمائی ہے۔ معرفتِ الٰہی کو کما حقہ پالینا تو کسی کے بس کی بات نہیں ہے کہ ہماری عقل و شعور اور فراست سے بالا ہے۔

اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْش سے کیا مراد ہے:

فرمایا: ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ۔۔۔پھر عرش پر استوٰی فرمایا۔

اس موضوع 'ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ' پر بھی بہت علما میں بہت سے باتیں ہوئی ہیں۔ ایک مکتبِ فکر یہ بھی کہتا ہے کہ عرش پر کُرسی پڑی ہے اور اللہ کریم اس پر تشریف فرما ہیں۔

اللہ جل شانہٗ کسی جگہ کے پابند نہیں ہیں۔ کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جس میں اللہ جل شانہٗ سما جائیں۔ عرش ہو یا فرش ساری جگہیں مخلوق ہیں۔ مخلوق جس چیز کو سمو لے وہ چیز بھی مخلوق ہوگی۔ خالق، مخلوق کے احاطے میں نہیں آسکتا۔ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ سے مراد یہ ہے کہ اس نے تمام کائنات کا مرکز عرش کو بنا دیا ہے۔ وہیں سے سارا نظام چلایا جاتا ہے۔ جو فیصلے ہوتے ہیں وہیں سے ہوتے ہیں، وہیں سب رجوع کرتے ہیں۔ جیسے پورے ملک کے لیے ایک سیکریٹریٹ ہوتا ہے۔ اسی طرح جدید زبان میں عرش ساری کائنات کا سیکریٹریٹ ہے۔ عرش کو تمام جہانوں کا قبلہ بنا دیا ہے۔ اسی لیے دعا میں ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں کہ دعا عرش کی طرف جاتی ہے اور ملائکہ کو احکام وہیں سے ملتے ہیں۔ کائنات کا سارا نظام وہاں سے کنٹرول کیا جاتا ہے، چلایا جاتا ہے۔ ایک ایک ذرّے، ایک ایک قطرۂ آب اور ایک ایک پتے کا اکیلا خالق بھی وہی ہے اور سب کو پال بھی بلاشراکت وہی رہا ہے۔ سب مخلوق ہیں اور وہ اکیلا سب کا خالق ہے۔ اُس نے عرش کو کائنات کے لیے قبلہ مقرر کر دیا ہے جہاں سے سارا نظام چلایا جاتا ہے۔

اپنے خالق و مالک کی نافرمانی کس کے بھروسے پر کرو گے؟

فرمایا: مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ۔۔۔اُس کے سوا تمہارا کوئی دوست نہیں ہے اور نہ کوئی سفارش کرنے والا۔

یہ بات دیکھ لو کہ اگر اُس کی نافرمانی کرو گے تو ساری مخلوق اُس کی ہے، وہ اُس کی اطاعت کرے گی یا تمہاری طرفداری کرے گی؟ ہر چیز کا خالق وہ ہے، مالک وہ ہے تو پھر اپنے خالق اور مالک کو چھوڑ کر تمہارے ساتھ کون کھڑا ہوگا؟ تم اللہ کی نافرمانی کرو گے تو کائنات کا کوئی ذرّہ بھی تمہارا دوست نہیں ہوگا۔ تم اللہ کی نافرمانی کرو گے تو تم زمین و آسمانوں کی ساری مخلوق کو اپنا دشمن بنا لو گے۔ یہ بات کہ تمہارا کوئی دوست نہیں ہوگا، اس میں دوستی کے مقابل

دشمنی کا لفظ ہی آتا ہے۔ گویا تم ساری کائنات کی ساری مخلوق کو اپنا دشمن بنالو گے۔ اس کا مطلب ہے کہ کائنات کا کوئی ذرّہ بھی تم سے دوستی نہیں کرے گا، تم تنہا رہ جاؤ گے۔

ہمیں شکایات اور شکوے تو بہت ہوتے ہیں۔ ہر بندے کو اللہ کریم سے شکوہ ہے۔ ہر کوئی کہتا ہے مجھے یہ دُکھ ہے، یہ غم ہے لیکن یہ کوئی نہیں سوچتا کہ میں نے زمین و آسمانوں کی مخلوق کو اپنا مخالف کر لیا ہے تو سُکھ کہاں سے آئیں گے؟ یہ دکھ کیوں ہیں؟ ہم نے اللہ کریم کی نافرمانی کی اور اپنی مرضی کی تو کائنات کا ذرّہ ذرّہ ہمارے مخالف ہو گیا۔ غذا کھاتے ہیں حیات کے لیے وہ موت کا سبب بن جاتی ہے۔ دوا صحت کے لیے لیتے ہیں وہ بیماری بڑھا دیتی ہے۔ یہ ہر چیز ہماری دشمن کیوں ہوگئی؟ اس لیے کہ جو اللہ کی نافرمانی کر کے اس سے تعلق بگاڑے گا اُس کی دوستی چھوڑ دے گا تو دنیا میں اس کا کوئی دوست نہیں ہوگا۔ دوستی تو ہوتی ہے کہ ساتھ نبھایا جائے، جان دے کر بھی مدد کی جائے اور وَّلَا شَفِيْعٍ۔۔۔ جو اللہ سے ہی بگاڑ لے گا پھر جان لے کر مدد کرنے والا تو دور کی بات اُسے کوئی سفارش کرنے والا بھی نہیں ملے گا۔ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝۴

پھر کیا تم سمجھتے نہیں؟ اتنی سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی؟ ساری عمر روتے رہتے ہو کہ تکلیف ہے، دُکھ ہیں، پریشانیاں ہیں۔ مقدمہ بن گیا، بیماری آ گئی، بیٹا گھر سے بھاگ گیا، بیوی بیمار ہوگئی، بارش ہوئی مکان گر گیا، اب گھر نہیں بن پا رہا۔ فرمایا یہ ذرّہ ذرّہ تمہارا مخالف ہے، بارش کے قطرے تمہارے دشمن، یہ زمین کے ذرّات، یہ مکان کی دیواریں، ہر چیز سے تو تم نے بگاڑ رکھی ہے۔ تم کس سے مدد کی توقع رکھتے ہو؟ یاد رکھو کوئی چیز تمہاری مدد نہیں کرے گی کچھ بھی تمہارے کام نہیں آئے گا۔ ہاں! اللہ کی اطاعت کر لو، اللہ سے بنا کر رکھو تو یہ ہی چیزیں تمہاری معاون اور مددگار بن جائیں گی۔

اس ضمن میں ایک دلچسپ واقعہ بیان کر دوں۔ حضرت اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ میں ڈھلیاں میں تھا اور ایک اور ساتھی قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ساتھ تھے۔ قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ گو پیشہ ور حکیم نہیں تھے مگر جیسے گاؤں کے بزرگ ان باتوں کی شدھ بدھ رکھتے ہیں تو قاضی صاحبؒ بھی نبض دیکھا کرتے اور نسخہ بتا دیا کرتے تھے۔ حضرت اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ نے طب پڑھی تھی اور آپؒ حاذق طبیب تھے، حکیم تھے، بہت اچھے نباض تھے اور آپؒ کو دواؤں کے نام بھی یاد تھے۔ ایک شخص آ گیا جسے گرمی کا بخار تھا۔ قاضی صاحب نے اس کی نبض دیکھی اور اُسے بتایا کہ تمہیں گرمی کا بخار ہے اور اُسے نسخہ لکھوایا۔ جتنی چیزیں نسخے میں قاضی صاحبؒ نے لکھوائیں وہ سب تاثیر میں گرم تھیں۔ وہ مریض تو پہلے ہی گرمی کے بخار میں مبتلا تھا اس کا علاج تو ٹھنڈی چیزوں سے ہونا تھا۔ وہ گرمی اور خشکی سے پہلے ہی مر رہا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ دیکھتے رہے، سنتے رہے۔ ہمیں تو سمجھ نہ آئی کہ ہمیں تو اُن چیزوں کی تاثیر کا

پتا نہیں تھا نہ ہی دلچسپی تھی۔ ہم اپنے کام میں لگے ہوئے تھے جبکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ بہت غور سے سنتے رہے کہ قاضی صاحبؒ کیا نسخہ لکھوا رہے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ نے قاضی صاحبؒ کو ٹوکا نہیں حالانکہ اُن کا تجویز کردہ نسخہ مرض کو مزید تقویت دینے والا تھا۔ اُن کی غیر حاضری میں، بعد میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس مریض کو گرمی کا بخار تھا۔ اس کو سرد تر دوا دینی چاہیے تھی جو اُسے روکتی، گرمی گھٹاتی لیکن قاضی صاحب نے گرم اور خشک چیزیں لکھ دی ہیں۔ اگر یہی چیزیں کوئی اور حکیم دیتا تو مریض پیتے ہی مرجاتا لیکن تم دیکھ لینا کہ اللہ کریم اس مریض کو شفا دیں گے۔ قاضی صاحبؒ نے عمداً نہیں دیں بلکہ جو اُن کی سمجھ میں آئیں وہ چیزیں تجویز کر دیں لیکن اللہ کریم اُن چیزوں کی تاثیر بدل دیں گے۔ ایسا ہی ہوا اور وہ مریض شفایاب ہو گیا۔ ہم چیزوں کی جو تاثیر جانتے ہیں وہ بدل جاتی ہے۔ ہمارے کہنے سے نہیں بدلتی بلکہ اُس کی بات مانتی ہے جس نے اسے پیدا کیا ہیں۔ کسی شے کو گرم، خشک بنایا تو اُس نے بنایا ہے۔ اُس نے حکم دیا کہ سرد تر ہو جا تو وہ ہو جائے گی۔ جیسے آگ کو حکم دیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے لیے ٹھنڈی ہو جا تو آگ جلتی رہی لیکن ابراہیم علیہ السلام کے لیے بادِ بہاری بن گئی۔ اب بات تو نسخے میں اتنی تھی کہ غلط لکھا گیا لیکن قاضی صاحبؒ اللہ کے بندے تھے، فنا فی اللہ لوگوں میں سے تھے۔ انہوں نے غلط بھی لکھوایا تو اُس میں اللہ کریم نے صحیح تاثیر پیدا کر دی۔

ایسا ہی ایک اور واقعہ میرے دادا جان مرحوم نے (اللہ انہیں غریقِ رحمت کریں) مجھے سنایا تھا۔ ہمارے ساتھ والے گاؤں نور پور میں ایک طبیب تھے۔ سید شاہ شرفؒ اُن کا نام تھا اور وہ بہت نیک اللہ کے ذاکر اور شاکر بندے تھے۔ طبابت اُن کا پیشہ تھا۔ ایک دفعہ آدھی رات کو اُن کے پاس سرکلاں گاؤں سے ایک آدمی وارد ہوا۔ اُس زمانے میں ہسپتال یا شفاخانے نہیں ہوتے تھے۔ اُس نے مریض کی تکلیف بتائی اور دوا مانگی۔ شاہ صاحب کے ذہن میں آیا کہ اس کا علاج تو کشتۂ بیضہ ہے یعنی انڈوں کے چھلکوں کا کشتہ جو بالکل سفوف ہوتا ہے۔ اُس زمانے میں بجلی نہیں ہوتی تھی، چراغ جلائے جاتے تھے۔ جہاں دوا کی شیشیاں رکھی تھیں اُن میں کشتۂ بیضہ کی شیشی کے ساتھ کسی شیشی میں کورا چونا بھی رکھا تھا۔ شاہ صاحبؒ سے یہ غلطی ہوئی کہ کشتۂ بیضہ کی شیشی کی بجائے کورے چونے کی شیشی اٹھا لی اور اُسے پڑیا بنا کر دے دی۔ اس آدمی سے کہا کہ یہ پُڑیا جاتے ہی مریض کو دے دو۔ ایک صبح دینا اور کل آ کر مجھے بتانا کہ کیا حال ہے۔ اُسے رخصت کر کے شاہ صاحب سو گئے۔ جب فجر کے بعد ناشتے سے فارغ ہو کر دوکان پر گئے تو پریشان ہو گئے کہ انہوں نے غلطی سے چونا دے دیا ہے اب تک تو مریض مر چکا ہو گا کہ چونے کی دو پڑیاں کھا کر اس کا تو جگر پھٹ گیا ہو گا۔ اس کا تو حلق پھول گیا ہو گا۔ اس کا معدہ تباہ ہو گیا ہو گا۔ اُسی افسوس میں بیٹھے تھے کہ اُن سے کیا ظلم ہو گیا کہ ایک بندے کو قتل کر دیا کہ وہ شخص جو دوا لے کر گیا تھا پھر آ گیا۔ اُس نے کہا، شاہ صاحب مہربانی فرما کر اُس

دوا کی پانچ سات پُڑیاں دے دیں کہ مریض کو بہت افاقہ ہے۔ شاہ صاحب نے کہا کہ اب اُسے یہی دوا دو اُسی سے ٹھیک ہوگا لہٰذا انہوں نے مزید پُڑیاں بنا کر دے دیں۔ یہ اللہ کریم کی مرضی، وہ مالک ہے اُس نے کورے چُونے میں شفا رکھ دی جو اللہ کے ایک بندے نے غلطی سے مریض کو دے دیا۔

اس لیے کہ چیزیں بھی اُس بندے سے تعاون کرتی ہیں جو اللہ کی غلامی کرتا ہے، فرمایا، جب اُس سے بگاڑو گے، اُس کی دوستی چھوڑ دو گے تو دنیا میں تمہارا کوئی دوست نہیں ہوگا۔ تم اس کی مخلوق ہو کر، اُس کا بندہ ہونے کے باوجود اگر اُس کی غلامی چھوڑ دو گے تو کوئی چیز تمہارا ساتھ نہیں دے گی۔ تم سدا دکھی رہو گے کہ دشمنوں میں گھر گئے کیونکہ کائنات کا ہر ذرّہ تمہارا دشمن ہو جائے گا۔ پھر کیا کرو گے! اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ اتنی سی بات تمہیں سمجھ نہیں آتی؟ تم جو کام کرتے ہو، کہتے ہو اُس میں خسارہ ہو گیا۔ اپنے وجود نے الگ تنگ کر رکھا ہے، کبھی پیٹ میں درد ہے، کمر میں درد ہے۔ یہ جسم بھی تو اُسی کی مخلوق ہے۔ اولاد پریشان کرتی ہے، اولاد بھی اُسی کی مخلوق ہے۔ برادری نے تنگ کر رکھا ہے تو برادری بھی اللہ کی مخلوق ہے۔ تم نے زمین کا ذرّہ ذرّہ، ہوا کا ہر جھونکا، بارش کا ہر قطرہ، ہر شے کو حتیٰ کہ اپنے وجود کو بھی اپنا دشمن بنا رکھا ہے تو تمہیں آرام کہاں سے آئے گا؟ جو اللہ کی غلامی کرتے ہیں اُن کے ہاتھ کا چونا بھی شفا کا سبب بنا دیا جاتا ہے۔

نظامِ عالم کی تدابیر:

فرمایا: يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ۔۔۔ نظامِ عالم کی تدابیر اللہ ہی کرتے ہیں۔ آسمان سے لے کر زمین تک جو کچھ ہوتا ہے اُس کا نظام اُس کے دستِ قدرت میں ہے۔ آسمان سے احکام زمین کی طرف نازل ہوتے ہیں، فرشتے نازل ہوں یا رزق اور بارشیں نازل ہوں صحتمندی اور سکون نازل ہو یا آسمان سے عذاب آئیں، بلائیں اتریں، تکلیفیں اور بیماریاں آئیں۔ جو کچھ آسمان سے آتا ہے، اُس کی ساری تدبیر و انتظام اُس وحدہٗ لاشریک کے دستِ قدرت میں ہے۔

ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ پھر ہر امر اسی کے حضور پہنچ جائے گا ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار برس کی ہوگی۔ یعنی ہر عمل اوپر جاتا ہے اور اہل زمین کا کردار ہی واپس آسمان کی طرف پلٹتا ہے۔ وہ بھی اُسی کی بارگاہ میں جاتا ہے اور اُس ایک دن میں پہنچتا ہے جس دن کی مقدار زمین پر ایک ہزار سال ہے۔ یہ ایک جھلک ہے اُس کی عظمت کی کہ جو کچھ آسمانوں سے زمینوں تک یا زمینوں سے آسمانوں تک ہوتا ہے اُسی قادرِ مطلق کے دستِ قدرت میں ہے۔ وہی سارا انتظام و اہتمام کرتا ہے اور

آسمانی دنیا کا ایک دن جس میں ساری چیزوں میں تغیر وتبدل آتا ہے اوران کا انتظام ہوتا ہے وہ زمین پر ایک ہزار برس کے برابر ہے۔ وہاں ایک دن گزرتا ہے اورزمین پر ایک ہزار سال گزر جاتے ہیں۔

صفاتِ باری تعالیٰ:

فرمایا: ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ اُس کی شان یہ ہے کہ وہ حاضر وغائب سب کو جانتا ہے۔ اگر وہ آسمانوں اور زمینوں کے ایک ایک ذرّے کا انتظام وانصرام کر رہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ہر ایک ذرّے سے واقف ہے۔ ظاہر و پوشیدہ تمام امور واشیاء سے واقف ہے۔ اَلْعَزِيْزُ ہے، غالب ہے، وہ قادر ہے۔ کوئی چیز اس کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتی۔ کوئی ذرّہ اس کے حکم کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا۔ وہ رحیم ہے کہ تم غلطیاں کرتے ہو وہ معاف کرتا ہے۔ تم جرم کرتے ہو وہ درگزر کرتا ہے۔ تم کفر وشرک کرتے ہو وہ تمہیں مہلت دیتا ہے۔ درگزر سے کام لیتا ہے۔ تمہیں صحت دیتا ہے روزی دیتا ہے، اولاد دیتا ہے اختیار واقتدار دیتا ہے اور جب تک زندگی ہے، مہلت دیتا ہے کہ توبہ کرلو، وہ توبہ کا دروازہ کھلا رکھتا ہے۔ شاید کبھی تم سالہا سال کے شرک اور گناہ کے بعد یہ سمجھو کہ تم غلط کرتے رہے اور واپس آنا چاہو تو وہ ایسا رحیم، ایسا کریم ہے کہ فرماتا ہے کہ آجا میں تیرے گناہوں کے بدلے تجھے نیکیوں کا ثواب دوں گا۔ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۔۔۔ (الفرقان:70) وہ اُن کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیتا ہے۔ اتنا رحیم ہے کہ ایک شخص نے اگر سو سال بھی کفر وشرک، گناہ یا برائی میں، حرام کھانے میں گزار دیے اور پھر جب کچھ نہیں کر سکتا تو کہتا ہے کہ توبہ کرتا ہوں تو وہ کریم یہ نہیں کہتا کہ اتنا عرصہ تُو بھاگتا رہا۔ اب جب تُو اُٹھنے بیٹھنے کے قابل نہیں رہا تو اب توبہ کے سوا کر بھی کیا سکتا ہے؟

نہیں! وہ کہتا ہے آجا میں تیری توبہ قبول کرلوں گا۔ وہ اُن کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیتا ہے۔ اب اتنی کریم ہستی سے بھی انسان توبہ نہ کرے اور عذابوں میں گرفتار ہو تو پھر یہ کس کی غلطی اور زیادتی ہے؟

ساری مخلوق میں حُسن ہے:

فرمایا: الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ۔۔۔ اُس غالب اور رحیم ذات نے جو چیز بنائی، بہت خوب بنائی۔ ہر چیز کو اُس نے ایک حسن دے کر پیدا کیا ہے۔ ہر چیز میں مختلف طرح کا حُسن ہے۔ ہر چیز اپنا کام کر رہی ہے اور انسان کی خدمت کر رہی ہے۔ ایک چیونٹی تک ضروری ہے اور وہ بھی انسان کی خدمت کر رہی ہے۔ ہر جھاڑی سے کہیں دوا بنتی ہے یا غذا بنتی ہے۔ درخت سے لکڑی ملتی ہے۔ کسی سے فرنیچر بنتا ہے، کسی سے چھت بنتی ہے۔ مٹی اور پتھروں سے بڑے بڑے محل تعمیر ہوتے ہیں۔ کائنات کا ایک ایک تنکا مفید ہے دوا یا غذا کے کام آتا ہے۔ ہر چیز مفید

ہے لیکن جب اپنے کام سے تجاوز کرتی ہے تو نقصان دہ ہو جاتی ہے۔ جب مخلوق کو نقصان پہنچاتی ہے تو چونکہ نقصان دینا بُری بات ہے تو وہ چیز بھی بری لگتی ہے ورنہ اللہ کریم نے ہر چیز خوبصورت بنائی ہے۔ ہر تخلیق میں حُسن ہے، خرابی ان کے غلط استعمال سے ہوتی ہے۔ تمام موذی جانور بھی اپنی جگہ ضروری اور حسین ہیں کہ کائنات میں کسی نہ کسی ضروری کام میں لگے ہیں۔ جب اپنا کام چھوڑ کر دوسرے کو ایذا دیتے ہیں تو خراب لگتے ہیں۔ کوبرا سانپ کتنا بڑا اور خطرناک ہوتا ہے لیکن خوبصورت ہوتا ہے۔ بنگال میں چاول کے کاشتکار اپنی فصلوں میں کوبرا سانپ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اس لیے کہ چاول کی کاشت میں پانی کھڑا کرنا پڑتا ہے۔ چوہے کھیت میں بل بناتے ہیں جس سے پانی نکل جاتا ہے، نقصان ہو جاتا ہے۔ کوبرا اُن چوہوں کو کھا جاتا ہے تو وہ کاشتکار بہت خوش ہوتے ہیں۔ کوبرا بہت خوبصوت لگتا ہے لیکن جب کوبرا بندے کو ڈس لیتا ہے تو بُرا لگتا ہے یعنی جب کوئی چیز اپنی حد سے تجاوز کرتی ہے تو بُری لگتی ہے اور اگر اپنا کام کرتی ہے تو حسین ہوتی ہے۔ کتنی چڑیاں ہیں جو فصلوں کو نقصان پہنچانے والے کیڑوں کو کھا جاتی ہے بے شمار کیڑے کھا دپیدا کرتے ہیں۔

جب مونگ پھلی کا موسم آتا ہے تو جب اس کے پتے نکلتے ہیں تو ایک کیڑا اس پر آجاتا ہے اور اُس کا پتا پتا کھا جاتا ہے۔ وہ کیڑا اتنی کثرت سے ہوتا ہے کہ زمین پر سارے کیڑے ہی نظر آتے ہیں، زمین سرخ نظر آتی ہے جب دھوپ نکلے تو یہ کیڑا دھوپ سے مر جاتا ہے لیکن سارے نہیں مرتے۔ ہر چیز کو اللہ کریم نے شعور بخشا ہے چنانچہ وہ کیڑا بھی درختوں کے تنے کے ساتھ لگ جاتا ہے اور اپنے آپ کو اس کے نیچے چھپا کر دھوپ سے خود کو بچا لیتا ہے۔ جب بارش آتی ہے تو کھیت پانی سے بھر جاتے ہیں پھر یہ کیڑا بھی مر جاتا ہے۔ جب مرتا ہے تو عجیب بات یہ ہے کہ فصل بہت اچھی ہوتی ہے کہ اُسے اعلیٰ قسم کی کھاد مل جاتی ہے۔ سارے مونگ پھلی کے کاشتکاروں کو اب پتا ہے اس لیے وہ اس کیڑے سے گھبراتے نہیں۔ جب یہ کیڑا فصل کو کھاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے کھالے اس سے فصل بہتر ہوگی۔ اللہ کریم نے اُس میں یہ حُسن رکھ دیا ہے حالانکہ بظاہر وہ فصل کو نقصان دے رہا ہے لیکن نتیجتاً بہتر فصل دے جاتا ہے۔ وہ ایسا قادر ہے کہ ساری مخلوق میں اُس نے حسن رکھ دیا ہے۔ ایک عام لکڑی ہے اُس کو تراش خراش کے انسان کتنی خوبصورت چیزیں بنا لیتا ہے۔ ایک جانور کو ہم حقیر سمجھتے ہیں مثلاً چیونٹی وغیرہ اور سوچتے ہیں کہ شاید اس کا کوئی فائدہ نہیں لیکن ایسا نہیں ہے۔

ہماری تفاسیر میں بعض اسرائیلیات روایت کی جاتی ہیں۔ یہ اُن روایات کو کہا جاتا ہے جو بنی اسرائیل میں مشہور تھیں اور نقل در نقل ہو کر آئیں مگر ہمارے بزرگانِ دین نے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ یہ ہماری تفسیر نہیں ہے۔ یہ باتیں یہودی کہا کرتے تھے۔

ان اسرائیلیات میں سے ایک روایت لکھی ہوئی ملتی ہے کہ ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام لیٹے ہوئے تھے تو اُن کی نظر چھت پر پڑی، دیکھا تو ایک چھپکلی چھت پر لگی لکڑی کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ آپ علیہ السلام کو خیال آیا کہ بارِالٰہی آپ قادر ہیں، کریم ہیں جو چاہے کریں۔ بھلا اس چھپکلی کی کیا ضرورت تھی؟ اس جہاں میں اس کا کیا فائدہ تھا؟ یہ تو جہاں جاتی ہے جگہ کو گندا کر دیتی ہے، بدبو پھیلاتی ہے کسی کھانے پینے کی چیز میں گر جائے تو اُسے زہر آلود کر دیتی ہے اگر آپ اسے پیدا نہ کرتے تو کائنات میں کیا فرق پڑتا؟ ارشاد ہوا اے موسیٰ! اب ذرا اُدھر توجہ کرو اور چھپکلی کی بات بھی سن لو۔ موسیٰ علیہ السلام نے اُدھر توجہ کی تو چھپکلی کہہ رہی تھی بارالٰہا تو کسی کی عبادت کا محتاج تو نہیں ہے۔ کوئی تیری عبادت کرے نہ کرے تجھے کیا فرق پڑتا ہے تیری شان تو بہت بلند ہے۔ پہلے لوگ کم از کم جی تو رہے تھے اچھے تھے یا بُرے تھے تیری مخلوق آرام سے تو بیٹھی تھی۔ تو نے موسیٰ پیدا کر کے فساد ڈلوا دیا۔ موسیٰ (علیہ السلام) کو پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اب تو ایک تماشا بن گیا ہے، فساد پڑ گیا ہے۔ اللہ کریم نے فرمایا سنو یہ کیا کہہ رہی ہے کہ موسیٰ آیا ہے تو لوگ آپس میں لڑنے بھڑنے لگے ہیں یہ نہ آتے تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چھپکلی کی بات سن کر فرمایا، اللہ! آپ کی باتیں آپ ہی جانتے ہیں۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اُس نے ہر چیز کو ایک حُسن دے کر تخلیق فرمایا ہے۔ کیا انسان یہ سبق نہیں سیکھتا کہ جو کوئی اپنی حد سے تجاوز کرتا ہے نقصان دہ ہو جاتا ہے، بدصورت اور بُرا ہو جاتا ہے۔ اپنی حد میں رہے تو اس میں حُسن بھی ہے، کمال بھی ہے۔

تخلیقِ انسانی:

فرمایا: وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝ اُس نے انسان کو اجزائے زمین سے پیدا کیا۔ اُس کی قدرت کو دیکھو اور سوچو کہ زمین کے کس کس خطے سے ذرّات چل کے ایک بندے تک پہنچتے ہیں۔ کہیں یہ ذرّات گھاس کی صورت اختیار کرتے ہیں، وہ گھاس جانور کھاتا ہے اور انسان تک اس کا گوشت یا دودھ آ جاتا ہے۔ وہی مٹی کہیں گھاس بنی، کہیں گوشت بنی، انسان کی غذا بنی۔ اُس میں اس کا حصّہ بھی ہے اور اُس کی ہونے والی اولاد کا حصّہ بھی ہے جو اُس کے صُلب میں محفوظ ہو جائے گا۔ کبھی دوا کی صورت میں کبھی غذا کی صورت میں انسان تک خاک پہنچتی رہتی ہے۔ انسان کی تخلیق ہی خالق نے مٹی سے شروع فرمائی۔

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝ پھر اُس خالق نے اُن مٹی کے ذرّات کو مختلف غذاؤں اور دواؤں کی صورتوں سے گزار کر ایک انسان تک پہنچایا۔ پھر اُس انسان کے پیٹ میں کاری گری کر کے اس

مٹی کے اجزا کو ایک حقیر ترین پانی کی شکل میں تبدیل کر دیا: مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۚ﴿۸﴾ بے قدر، حقیر ترین پانی یعنی نطفے میں تبدیل ہو گیا۔ وہی مٹی کے سارے اجزا تھے جو حقیر پانی میں تبدیل ہوئے۔ ایسا ناپاک پانی جو اگر نکلے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔ کسی کپڑے سے لگ جائے تو وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔ کبھی جسم سے لگ جائے تو ناپاک ہو جاتا ہے۔ اُس حقیر پانی کے ایک قطرے میں لاکھوں جراثیم ہوتے ہیں لیکن صرف ایک جرثومے سے انسان بنتا ہے باقی مر جاتے ہیں۔

فرمایا: ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ ۔۔۔ پھر اُس ایک جرثومے سے انسان کو بنایا سنوارا اور پھر اُس میں اپنی ذات کی طرف سے اپنی طرف سے اُس میں روح پھونکی، وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۔۔۔ پھر اُس نے تمہیں حواس عطا فرمائے۔ آنکھیں دے دیں، کان دیے اور نازک ترین شیشۂ دل عطا کر دیا۔

وہی مٹی جو صورتیں بدل بدل کر پھر نطفہ بنی، اُس نطفے کے لاکھوں جرثوموں میں سے ایک جرثومہ لے کر اُسے سنوارا بنایا۔ شکم مادر میں اس کی تشکیل کی کہ غذا ماں کھا رہی ہے لیکن جو بچے کے وجود کا حصّہ ہے وہ الگ ہو جاتا ہے اور بچے کو جاتا ہے۔ پھر تمہیں دنیا میں پیدا کیا کہ تم سننے والے، دیکھنے والے تھے اور تمہارے پہلو میں ایک نازک ترین شیشۂ دل رکھ دیا۔ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۔۔۔ اس دل کے اندر ایک لطیفۂ ربانی ہے جسے انگریزی میں Subtle Heart کہتے ہیں لیکن علمائے دین اسے لطیفۂ قلب کہتے ہیں یہ عرش کی چیز ہے۔ تمہیں مٹی سے بنایا، عالمِ امر کی روح تم میں ڈالی اور عرشِ عظیم کا لطیفۂ قلب تمہارے پہلو میں رکھ دیا۔ اتنے احسانات تم پر کیے لیکن: قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۹﴾ افسوس ہے کہ انسانوں میں بہت تھوڑے ہیں جو اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ انسانوں کی اکثریت اللہ کے اتنے احسانوں کے باوجود ناشکری ہے۔ اے انسان! کبھی بیٹھ کر غور کر کہ تُو کیا ہے، تجھے کس نے بنایا، کیسے بنایا اور کون تجھے پال رہا ہے؟ کون تجھے زندگی دے رہا ہے، صحت دے رہا ہے، چلا رہا ہے، پھر تُو اُس کی نافرمانی کرتا ہے؟

بہت تھوڑے انسان ہیں جو شکر گزار ہیں۔ اتنے احسانات کے باوجود اکثریت ان انعامات پر شکر کرنے کی بجائے کہتی ہے: وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۔۔۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ جب ہم مر کر مٹی میں مل جائیں گے لاشیں گل سڑ جائیں گی تو ہمیں دوبارہ بنایا جائے گا؟ یہ اپنی تخلیق کے مدارج پر نگاہ نہیں کرتے اور الٹا کہتے ہیں کہ ہمیں مٹی میں مل جانے کے بعد دوبارہ کون پیدا کر سکتا ہے؟ یہ بے وقوف، ناشکرے بھول جاتے ہیں کہ وہ پیدا ہونے سے پہلے زمین میں اتنے بکھرے ہوئے تھے کہ مرنے کے بعد اتنا منتشر ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اُس خالق نے کائناتِ بسیط سے، زمین کے ذرّے ذرّے سے، آسمانی پانی کے قطروں سے ہر جگہ سے انسان

کے اجزائے بدن اکٹھے کیے اُسے نطفہ بنایا شکم مادر میں بنایا۔ سنوارا اور انسان بنا کر کھڑا کر دیا۔ اس ذات کے لیے کیا مشکل ہے کہ وہ تمہیں مرنے کے بعد مٹی کی گود سے انسان بنا کر کھڑا کر دے؟

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اصل بات یہ ہے: بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ⑩ کہ انہیں اپنا ربّ بھول گیا ہے۔ انہیں پیدا کرنے والا، سارے کمالات اور حیات دینے والا ربّ یاد نہیں رہا۔ یہ کہتے ہیں کہ ہم خود ہی پیدا ہو گئے خود ہی سارا کام کر رہے ہیں۔ جب یہ دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کرتے ہیں تو عظمتِ الٰہی کا انکار کرتے ہیں اللہ کی بارگاہ میں حاضری اور قیامت کے دن کا ہی انکار کر رہے ہیں۔ یہ عظمتِ الٰہی فراموش کر چکے ہیں۔

موت کا فرشتہ اور قبضِ روح:

فرمایا: قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ۔۔۔ ان سے فرما دیجیے کہ اللہ کے نظام میں ترتیب ہے۔ موت بھی یونہی نہیں ہے بلکہ ہر بندے پر اللہ نے ایک فرشتہ موت مقرر کر دیا ہے۔ ہر بندے کا الگ ہے اور یہ بہت وسیع نظام ہے۔ اس نظام کا سربراہ ملک الموت ہے۔

جتنی انسانی مخلوق ہے، ہر انسان پر پیدا ہوتے ہی ایک موت کا فرشتہ مقرر کر دیا جاتا ہے، جسے وقت بتا دیا جاتا ہے اور وہ وقتِ مقررہ پر جان قبض کر لیتا ہے۔ انہیں فرما دیجیے کہ تم بادشاہ ہو یا شہنشاہ ہو، بہت جانباز ہو، بہادر ہو، تاجر ہو، امیر کبیر ہو جو بھی ہو، اللہ کریم نے ہر بندے پر فرشتۂ موت مقرر کر دیا ہے۔ تم اگر واقعی بڑے ہو تو جب موت کا فرشتہ آئے تو ذرا بچ کر دکھانا، تمہاری کیا حیثیت ہے؟ جو فرشتہ تم پر مقرر کیا گیا ہے اُس نے تمہاری روح قبض کرنی ہے۔ اس مقررہ وقت پر جو اُسے بتایا جائے گا وہ تمہاری جان لے گا۔ موت، روح کے تصرف کو بدن سے روک کر فرشتے کے قبض کر لینے کا نام ہے۔ یہ قبضِ ارواح صرف انسان کے ساتھ مختص ہے۔

فرمایا: ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ⑪ جب روح قبض ہو گی تو پھر کہیں بھاگ نہیں سکو گے۔ تمہیں پھر اُسی جسم اُسی روح کے ساتھ زندہ ہو کر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔ ذرا اپنا حال دیکھ لو، اپنے عقائد و نظریات دیکھ لو، اپنا کردار، اپنے اعمال اور اپنی تہذیب دیکھ لو۔ اپنی حیات دیکھ لو کہ کیا کیا، کیا کھویا، کیا پایا اس لیے کہ تمہیں اللہ کے روبرو کھڑا ہونا ہے۔

سورۃ السجدۃ رکوع 2 آیات 12 تا 22

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا
وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ
نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ
اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ
وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا
ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ السجدة
تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۫ وَّمِمَّا
رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ
جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا
يَسْتَوٗنَ ﴿۱۸﴾ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ
الْمَاْوٰى ۫ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ
كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ
النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى
دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ
رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ۧ

اور اگر آپ دیکھیں کہ جب یہ گناہگار لوگ اپنے پروردگار کے سامنے اپنے سر جھکائے ہوئے ہوں گے کہ اے ہمارے پروردگار! بس ہماری آنکھیں اور ہمارے کان کُھل گئے (ہم نے دیکھ سُن لیا) تو ہم کو (دنیا میں) واپس بھیج دیجیے کہ ہم نیک عمل کریں بے شک ہم یقین لانے والے ہیں ﴿۱۲﴾ اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو اُس کی راہ عطا فرماتے ولیکن ہماری یہ بات سچ ہو چکی ہے کہ ہم جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے ضرور بھریں گے ﴿۱۳﴾ سو اب (اُس کا مزہ) چکھو جیسا کہ تم اپنے اس دن کے آنے کو بھولے ہوئے تھے بے شک ہم نے تم کو بُھلا دیا (یعنی تمہاری کوئی پرواہ نہیں کی) اور اپنے اعمال کی وجہ سے ہمیشہ کے عذاب کا مزہ چکھو ﴿۱۴﴾ پس ہماری آیتوں پر وہ لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو ان سے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ پاکی بیان کرنے لگتے ہیں اور وہ غرور نہیں کرتے ﴿۱۵﴾ ان کے پہلو بچھونوں سے جدا رہتے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں اور جو ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں ﴿۱۶﴾ پس کوئی متنفس نہیں جانتا کہ ان کے لیے کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے یہ اُن کے اعمال کا صِلہ ہے جو وہ کرتے تھے ﴿۱۷﴾ بھلا جو ایمان والا ہے وہ اُس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو نافرمان ہو؟ وہ (دونوں) برابر نہیں ہو سکتے ﴿۱۸﴾ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے سو ان کے لیے رہنے کی جگہ جنتیں ہیں جو اُن کے اعمال کے بدلہ میں بطور مہمانی کے ہیں ﴿۱۹﴾ اور جنہوں نے نافرمانی کی تو اُن کے لیے رہنے کی جگہ دوزخ ہے۔ جب چاہیں گے کہ اس میں سے نکل جائیں تو اس میں لوٹا دیے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ جس دوزخ کے عذاب کو تم جھوٹ سمجھتے تھے اس کے مزے چکھو ﴿۲۰﴾ اور ہم اُن کو قریب کا (یعنی دنیا کا) عذاب بھی اس بڑے عذاب سے پہلے چکھا دیں گے تا کہ یہ لوگ باز آ جائیں ﴿۲۱﴾ اور اس سے

بڑا ظالم کون ہوگا جس کو اُس کے پروردگار کی آیات سے نصیحت کی جائے تو وہ ان سے منہ پھیر لے۔ بے شک ہم ایسے مجرموں سے بدلہ لیں گے ﴿۲۲﴾

ایمان لانے کی فرصت دنیا میں ہے:

فرمایا: وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاکِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۔۔۔ جب قیامت قائم ہوگی تو سارے حقائق سامنے آجائیں گے۔ میدانِ حشر ہوگا، دوزخ اور جنت موجود ہوگی۔ ہر کوئی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوگا جن لوگوں نے دنیا میں اللہ کی نافرمانی کی، آخرت کی حاضری کا انکار کرتے رہے، کفر کرتے رہے، اب سر جھکائے اپنے ربّ کی بارگاہ میں کھڑے ہوں گے اور پکاریں گے: رَبَّنَآ ۔۔۔ اے ہمارے پروردگار! ساری زندگی تو یہ انکار کرتے رہے، پروردگار نہیں مانا، اب موت سے گزر کر، برزخ سے گزر کر میدانِ حشر میں پہنچ کر سر جھکائے پکارتے ہیں کہ رَبَّنَآ ۔۔۔ اے ہمارے پروردگار اَبْصَرْنَا ۔۔۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لیا جو کچھ آخرت میں ہو رہا ہے اور وَسَمِعْنَا ۔۔۔ وہ سب اپنے کانوں سے سُن بھی لیا۔ آپ ہم پر ایک مہربانی فرمائیں: فَارْجِعْنَا ۔۔۔ ہمیں دنیا میں ایک بار واپس بھیج دیں، ایک زندگی اور عطا کر دیں تاکہ نَعْمَلْ صَالِحًا ۔۔۔ ہم نیک اعمال لے کر آئیں۔ ہم اچھے کام کر سکیں آپ کی اطاعت اور عبادت کریں۔ اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ اب ہمیں یقین ہو گیا ہے۔

تم نے اب دیکھ کر مانا تو کیا مانا، دیکھ کر تو ہر کوئی مان لیتا ہے۔ اس یقین کو ہم کیا کریں۔ ہم نے انسان کو معرفتِ عظمتِ باری کی استعداد بخشی جو کسی دوسری مخلوق کو نہیں عطا کی تاکہ ہر انسان اپنی حیثیت کے مطابق اللہ کو جان سکے۔ اللہ کریم نے انبیا علیہم السلام بھیجے اور کتابیں نازل فرمائیں۔ انہوں نے دعوت الی اللہ دی اور ایک ایک بات سمجھائی لیکن تب تمہیں اللہ کے نبیؐ پر یقین آیا نہ اللہ کی کتاب پر۔ اب دیکھ کر کہتے ہو کہ اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ ہمیں یقین حاصل ہو گیا ہے۔ اب اس یقین کا کیا فائدہ؟ آج ماننے کا کیا فائدہ، آج تو دیکھ کر کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ آج تو فرعون، ہامان اور شداد بھی کہتے ہیں کہ ہم نے دیکھ لیا، ہم مانتے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ تم دنیا میں عظمتِ باری پر یقین رکھتے، تمہیں عظمتِ نبوت کا ادراک ہوتا، تمہیں وحیٔ الٰہی کی عظمت کا احساس ہوتا، تم اللہ کی کتاب پر یقین کرتے اور اُس کے مطابق عمل کرتے۔ ماننا تھا تو اللہ کے انبیاؑ کو مانتے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے، اللہ کے قرآن کو مانتے۔ تمہیں تو دیکھنے سے زیادہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر پر یقین ہونا چاہیے تھا۔ ماننے کی فرصت تو تب تھی جب ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور انہوں نے میری ساری باتیں تم تک پہنچائیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے ایک لفظ بھی نہیں کہا: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (النجم: 3,4) آپ صلی اللہ علیہ وسلم خواہشِ نفس سے کوئی بات نہیں فرماتے بلکہ اُن کا ارشاد تو وحی ہے جو اُن کی طرف بھیجی جاتی ہے۔

دین کے معاملے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں فرمایا، تمہیں وہی پیغام پہنچایا جو ہم نے اُنہیں دیا۔ تم نے سنا بھی، دیکھا بھی لیکن مانا نہیں تو آج تمہارے ماننے پر لعنت ہو کہ آج اپنی آنکھوں اور کانوں پر اعتبار کر رہے ہو۔ تم نے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر پر اعتبار کیوں نہیں کیا؟ یہی تو آزمائش تھی تمہیں یہ یقین اُس وقت ہونا چاہیے تھا جب تم تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر پہنچائی تھی۔ آج مانا تو کیا مانا!

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ اور سماعت کی عظمت کیسی ہے اور اس کے سامنے تمہاری آنکھ اور سماعت کی کیا حیثیت ہے۔ ہمارے ذرائعِ علم حواس خمسہ ہیں۔ ہم آنکھ سے دیکھ کر، کان سے سن کر، ناک سے سونگھ کر، زبان سے چکھ کر اور ہاتھ سے چھُو کر محسوس کرتے ہیں لیکن ہمیں اکثر غلطی لگ جاتی ہے۔ ہمیں دھوکا لگ جاتا ہے۔ ہم دیکھتے کچھ ہیں وہ نکلتا کچھ اور ہے۔ ہم سنتے کچھ ہیں جبکہ حقیقت کچھ اور ہوتی ہے۔ کوئی چیز چکھتے ہیں تو وہ مزیدار لگتی ہے لیکن پتا چلتا ہے کہ وہ زہر قاتل ہے، کھانے سے موت واقع ہو سکتی ہے۔ اس کی اصلاح عقل و خرد کرتی ہے۔ جہاں حواس دھوکا کھاتے ہیں وہاں عقل راہنمائی کرتی ہے جو اللہ ہی نے عطا کی ہے۔ ہم سفر کر رہے ہوں تو یوں نظر آتا ہے جیسے درخت بھاگ رہے ہیں تو عقل سمجھاتی ہے کہ درخت اپنی جگہ کھڑے ہیں تمہاری سواری بھاگ رہی ہے۔ حواس مخلوق ہیں، عاجز ہیں تو عقل و خرد بھی تو مخلوق ہے لہٰذا عاجز ہے۔ جب عقل کو دھوکا لگے تو پھر کیا کیا جائے؟ حواس کی اصلاح تو عقل کر دیتی ہے لیکن جب عقل خود دھوکا کھانے لگے تو پھر کیا ہو؟ پھر ضرورت ہوتی ہے خبرِ صادق کی۔ کوئی ایسی ہستی ہو جو سچی، کھری اور امانتدار ہو اور جو کچھ اُس نے دیکھا اور سنا ہو اُسے اُس میں غلطی یا دھوکا نہ لگا ہو۔ وہ ہستی جب بات آگے پہنچائے تو بات پہنچانے میں بھی غلطی نہ کرے۔ ایسی بات خبرِ صادق کہلاتی ہے۔ تمام دھوکوں کا علاج ہے۔ خبرِ صادق یعنی سچی خبر جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی۔

اللہ کریم چاہتے تو انسان سے زبردستی منوا لیتے:

فرمایا: وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا۔۔۔ اگر ہم چاہتے ہر فرد کو ہدایت دیتے اور کوئی بھی شخص انکار نہ کر سکتا۔ اگر ہم چاہتے تو دنیا میں سب انسان مسلمان ہوتے اور نہ صرف مسلمان ہوتے بلکہ اطاعت گزار ہوتے۔ سب لوگ نافرمانی سے بچتے، اللہ کو یاد کرتے اللہ کی عبادت کرتے لیکن ہم نے یہ فیصلہ انسان کی پسند اور صوابدید پر چھوڑ دیا۔ انسان پر جب اتنے احسانات فرمائے ہیں کہ اُسے معرفتِ الٰہی کا شعور بھی دیا ہے اور قوتِ فیصلہ بھی دی ہے۔ یہ فیصلہ انسان کو خود کرنا ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے وہ اپنے کریم ربّ کی مانتا ہے یا اُس شیطان کی مانتا ہے جسے اللہ نے اپنی بارگاہ سے مردود کر کے نکال دیا۔ وہ شیطان جس نے

آدم علیہ السلام کو بہکایا اور جو انسان کا ازلی دشمن ہے۔

اگر ہم چاہتے تو کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا تھا۔ ہم زبردستی منوا سکتے تھے۔ ہم چاہتے تو ہر متنفس ہر آن سجدہ ریز رہتا لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا۔ ایسے منوانے کا کیا مزا؟

اللہ کریم روزِ اوّل سے ہی یہ سب چیزیں انسانوں کے سامنے رکھ دیتے اور وہ جنت، دوزخ، عذاب، ثواب سب دیکھ لیتے تو کون انکار کر سکتا تھا؟ آزمائش ہی یہی تھی کہ جو معرفت کی استعداد تمہیں دی گئی ہے اُس کو استعمال کرو۔ اللہ کی عظمت کا ادراک کرو اور اللہ کو ویسا مانو جیسا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم منواتے ہیں۔ منوانے کا مزا تو تب ہے جب کسی کے کمالات سُنیں بات سنیں اور فدا ہو جائیں۔ ایسی کوئی محبت یا عشق نہیں جو زبردستی کروایا جائے۔ عشق اور عاشقی میں تو بندہ بِک جاتا ہے، محبوب کا غلام بن جاتا ہے۔

محبت کرنے والا جس سے محبت کرتا ہے، اُس کا غلام ہو جاتا ہے۔ اُس کے اشاروں پر چلتا ہے، اللہ کریم کے جمال کو دیکھ کر کون پیچھے ہٹ سکتا ہے؟ دیکھنا تو یہ تھا کہ مخبر صادق (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خبر پر کون یقین کر کے مجھ پر فدا ہوتا ہے؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لب ہائے مبارک سے میری عظمت کی باتیں سُن کر میری نعمتوں، عطا و کرم اور جمال کی باتیں سُن کر کون میرے لیے جان دیتا ہے؟ کون میری رضا پانے کے لیے میری غلامی کا حق ادا کرتا ہے، مجھ پر فدا ہوتا ہے؟ یہی تو دیکھنا تھا۔ ایسی جرأت تو کسی میں نہیں کہ وہ مجھے دیکھ کر نہ مانے۔ تم نے عظمتِ الٰہی کا انکار کیا رسالت کا انکار کیا اللہ کی کتاب کو تسلیم نہیں کیا لہٰذا اب نتیجہ یہ ہے کہ عذاب بھگتو کہ اب واپس کہاں جاؤ گے؟ اب تو دنیا برباد ہو چکی آسمان پھٹ گئے، سورج بجھ گیا، سمندر بھاپ بن کر اڑ گئے، پہاڑ غبار بن کر اُڑ گئے، ہر چیز بدل گئی: يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ ۔۔۔(ابراھیم:48) جس دن زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی۔ یہ تمہاری والی زمین تو رہی ہی نہیں۔ ہر چیز تباہ ہو کر اب وہاں نئی بساط بچھ گئی ہے، وہاں کچھ باقی نہیں تو اب کہاں جاؤ گے؟

انکار، ناشکری کی سزا:

اے انسان! تُو کیسا ظالم ہے کہ ہم نے تجھے آنکھیں دیں لیکن تُو نے راستہ تلاش نہ کیا۔ ہم نے تجھے کان دیے، تُو نے کچھ نہ سُنا۔ تجھے دل دیا، دل کا آئینہ دیا لیکن تُو محبوب نہ بنا سکا۔ تیرے پاس دل تھا لیکن کوئی محبوب نہ تھا۔

ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور انہوں نے تجھے خبر صادق دی لیکن تُو نے پھر بھی نہیں مانا اور ہمارا یہ ارشاد سچ ثابت ہوا: وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ ۔۔۔ یہ ہمارا فیصلہ تھا کہ ہمیں پتا تھا کہ جب ہم انسان کو یہ

اختیار دیں گے تو وہ ضرور اپنی بڑائی میں مبتلا ہو جائے گا۔ دنیا کی لذات اور لالچ میں کھو جائے گا اور عظمتِ الٰہی، اطاعتِ الٰہی اور اتباعِ رسالت کی راہ سے بھٹک جائے گا۔ جو اس راہ سے بھٹکے گا، میرے بے پناہ احسانات کے باوجود ناشکری اور کفر کا راستہ اختیار کرے گا تو: لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾ میں ایسے نافرمان جنوں اور انسانوں سے دوزخ کو بھر دوں گا۔ جو بھی سیدھی راہ سے بھٹکے گا وہ جہنم میں گرے گا۔ میرا وعدہ تو سچا ہے جبکہ تم نے خبر صادق آنے کے بعد بھی نہیں مانا اور اپنی پسند سے دوزخ کا راستہ چُنا ہے۔ ہمارا یہ قول سچ ثابت ہوا کہ ہم جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے ضرور بھر دیں گے۔ اب کوئی عذر و معذرت نہیں چلے گی نہ ہی آج معافی مانگنے سے کچھ حاصل ہوگا۔

روزِ محشر کو بُھلا دینے کا وبال:

فرمایا: فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۔۔۔اب کوئی بہانہ نہیں چلے گا اور نہ ہی معافی مانگنے کا فائدہ ہوگا۔ تم نے دنیا میں اس دن کو بھلا دیا تھا جس دن تمہیں بارگاہِ الوہیت میں جوابدہی کے لیے حاضر ہونا تھا۔ تم کہتے تھے کہ جب ہم مر گئے تو دوبارہ زندہ نہیں کیے جائیں گے۔ تمہارے خیال میں ایسا ہونا ناممکن تھا اور تم کہتے تھے کہ آج تک کوئی مر کر دوبارہ زندہ نہیں ہوا، کوئی واپس نہیں آیا تو ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ تم اس دن کی ملاقات کو بھولے ہوئے تھے، اب مزا چکھو اپنے کردار کا کہ جو کما کر لائے ہو وہ کھاؤ۔ اللہ کریم کسی پر زیادتی نہیں فرماتے تم اس دن کو بھولے ہوئے تھے اب اس بھول کا مزا چکھو۔ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ ۔۔۔آج ہم نے تمہیں بُھلا دیا ہے۔ اللہ جل شانہٗ کی ذات عیبوں سے پاک ہے جبکہ بھولنا ایک کمزوری ہے، عیب ہے۔ جب اس طرح کی بات اللہ کریم کی طرف منسوب کی جاتی ہے تو اس سے معنیٰ بعید مراد ہوتا ہے۔ معنیٰ بعید کسی کام کا نتیجہ ہوتا ہے چنانچہ بھول جانے کا معنیٰ بعید یہ ہوگا کہ اُس چیز کی پرواہی نہ رہے۔ جب کوئی چیز یاد ہی نہیں تو اب اس پر گرد پڑی ہے یا وہ ٹوٹ گئی ہے یا کسی نے اُسے خراب کر دیا ہے، اس کی پروا بھی نہیں رہتی۔ فرمایا، تم ہمیں بھولے ہوئے تھے تو ہم نے تمہیں ایسے کر دیا جیسے بھولی ہوئی چیز ہوتی ہے۔ تم جہنم کے کس گڑھے میں گرتے ہو، تمہیں کتنی آگ لگتی ہے کتنے عذاب ہوتے ہیں، ہمیں اس کی پروا نہیں۔ ہمارے لیے تمہاری کوئی حیثیت نہیں۔ تم نے آج کے دن کی ملاقات کو بُھلا رکھا تھا، آج ہم نے تمہیں ایسا کر دیا ہے جیسے کوئی بھولی بسری چیز ہوتی ہے۔ تم نے اپنے لیے خود یہ راستہ چُنا ہے۔ تم نے گناہ کر کے اپنے لیے عذاب خود مسلط کیے ہیں ورنہ کسی بے گناہ کو سزا نہیں دی جائے گی۔ جو جرائم تم نے کیے، اُن کا نتیجہ اب بھگتو اور تم ابھی سے گھبرا گئے کہ: وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ اور یہ عذاب تو ہمیشہ کے لیے ہے۔ تمہارا لائحہ عمل تو کفر

تھا لہٰذا یہ عذاب تو ہمیشہ رہے گا۔ تم آج اور ابھی سے ہی گھبرا رہے ہو اس عذاب میں تو تمہیں ہمیشہ رہنا ہے تم نہ مرو گے نہ ہی جہنم ٹھنڈی ہوگی اور نہ ہی یہ عذاب ختم ہوں گے۔ تمہیں بھی ہمیشہ رہنا ہے اور دائمی عذاب میں رہنا ہوگا۔

ایمان لانے والوں کی صفات:

فرمایا: اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا ۔۔۔خوش نصیب تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی استعدادِ معرفت کو استعمال کیا اور اللہ کی عظمت کو پہچانا اور ایمان لاتے ہیں۔ کتنے خوش نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جنہیں ہماری نشانیوں، ہماری آیات پر یقینِ کامل نصیب ہوتا ہے۔ جو ہماری کتاب، ہمارے انبیاؑ، عظمتِ الٰہی اور آخرت پر ایمان لاتے ہیں۔ جب کوئی اللہ کو مانتا ہے تو اُس کا عالم یہ ہوتا ہے کہ جب اُس کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے یا اُسے نصیحت کی جائے، اللہ کی بات پہنچائی جائے تو خَرُّوْا سُجَّدًا ۔۔۔وہ سربسجود ہو جاتا ہے کہ اُسے لفظ بلفظ قبول ہے۔ جب عظمتِ الٰہی کا ادراک ہو جاتا ہے تو بجز سجدے کے اور کوئی حال نہیں رہتا۔ انسان سجدے میں گر جاتا ہے۔ یقیناً جو ایمان لاتے ہیں ہماری آیات پر جب اُن پر اللہ کا کلام پیش کیا جاتا ہے، انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو وہ صرف سرِ تسلیم خم نہیں کرتے بلکہ سربسجود ہو جاتے ہیں۔

یہ آیاتِ سجدہ ہیں اور اس میں سجدہ واجب ہو جاتا ہے، پڑھنے والوں پر بھی اور سننے والوں پر بھی اور ایک نشست میں جتنی دفعہ بھی پڑھیں یا سنیں ایک سجدہ ہی کرنا ہوگا۔

فرمایا کہ ایسے لوگ سربسجود ہو جاتے ہیں اور وَسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۔۔۔اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ پاکی بیان کرتے ہیں۔ اپنے ربّ کی عظمت بیان کرتے ہیں 'سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی' ''پاک ہے میرا ربّ جو سب سے بلندتر، سب سے ارفع واعلیٰ ہے۔'' جب کوئی ایمان لاتا ہے، مانتا ہے تو ایک کیفیت ہے کہ اُسے نورِ ایمان نصیب ہوتا ہے، یقین نصیب ہوتا ہے، یہ رسماً ماننا نہیں ہے۔ ایسا اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ کلمہ پڑھتے ہیں، مانتے بھی ہیں لیکن لباس، کھانے پینے اور تہذیب سے لے کر اعمال تک میں اطاعت نہیں کرتے۔ لباس اور حلیے بھی کافرانہ ہوتے ہیں اور کردار بھی اُنہی جیسا ہوتا ہے۔ گدھے، خنزیر اور کتے بھی کھا رہے ہیں، شراب بھی پی رہے ہیں اور کلمہ بھی پڑھ لیتے ہیں۔ یہ ماننا نہیں ہے۔ ماننا تو یہ ہے کہ جب عظمتِ الٰہی کا ادراک ہو اور اللہ کی عظمت پر یقین آ جائے تو بجز سجدہ کے اُس کے پاس کوئی راستہ ہی نہ رہے۔ وہ سجدہ ریز ہو جائے۔ اس سے مراد ہے کہ پوری زندگی کا لائحہ عمل قبول کر لے۔ ایمان لانے والے تو ہر سانس اُس طرح لیتے ہیں جس میں اللہ کی رضا ہے۔ وہ اللہ کی نافرمانی کا سوچتے بھی نہیں البتہ بتقضائے بشریت خطا ہو جائے تو اُس کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہیں، روتے ہیں اور آئندہ گناہ سے بچنے کی

کوشش کرتے ہیں۔ فرمایا، یقیناً ایمان وہ لاتے ہیں، ہماری آیات کو وہ مانتے ہیں جن کے سامنے جب اللہ کا ذکر ہو تو سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور اللہ کی حمد بیان کرتے ہیں: وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۝ اور روئے زمین پر رہتے ہوئے تکبر نہیں کرتے۔ ایمان کا یہ خاصہ ہے کہ بندے سے اس کی اپنی بڑائی کا دعویٰ نکال دیتا ہے کیونکہ اُسے یقین ہوتا ہے کہ بڑا صرف اللہ ہے۔ انسان ایک محتاج مخلوق ہے، یہ کیسے بڑا ہو سکتا ہے؟ جو بھوک پیاس کا محتاج ہے، سونے جاگنے کا، نیند کا محتاج ہے۔ جو گرمی سردی سے ڈرتا ہے جو اخراج بول و براز کا محتاج ہے، بھلا وہ کیسے بڑا ہو گیا؟ صرف وہ مالک الملک بڑا ہے جو خالقِ کائنات ہے، پروردگار بھی ہے، کائنات کو چلا بھی رہا ہے۔ فرمایا، میرے بندے میری بارگاہ میں سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ میری تعریف کرتے ہیں، پاکی بیان کرتے ہیں اور اُن میں تکبر نہیں ہوتا۔

تہجد:

فرمایا: تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ۔۔۔ اُن کے پہلو بستروں سے جدا رہتے ہیں یعنی وہ راتوں کو بھی اُٹھ کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ جب لوگ غفلت کی نیند سو رہے ہوتے ہیں تو اللہ کے یہ بندے اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔

مفسرینِ کرام فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تہجد کی نماز ہے۔ عشا کے بعد سو جانا چاہیے اور پھر اُٹھ کر تہجد ادا کی جائے۔ فرماتے ہیں کہ تہجد کے لیے یہ گنجائش بھی ہے کہ بعض اوقات کوئی بیمار ہوتا ہے یا سونے میں دیر ہو جاتی ہے تو امکان ہوتا ہے کہ شاید تہجد کے لیے اٹھنا ممکن نہ ہو تو عشا کے بعد بھی اگر تہجد ادا کر لی جائے تو بھی ادا ہو جاتی ہے۔ جن لوگوں کو راتوں کو اٹھنا محال ہوتا ہے انہیں عشا کی نماز کے بعد آٹھ نفل پڑھ لینے چاہییں یا کم از کم چار نفل پڑھ لیں لیکن اسے چھوڑیں نہیں۔ یہ تہجد کے قائم مقام ہے البتہ سو کر پھر اُٹھ کر پڑھنا زیادہ بہتر ہے، افضل ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد میں اکثر آٹھ رکعتیں ادا فرمائی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ عموماً آپ صلی اللہ علیہ وسلم وتر بھی تہجد کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعات نمازِ رات کی ادا کرتے، آٹھ تہجد اور تین وتر ادا کرتے۔

تہجد عموماً دو دو رکعت پڑھی جاتی ہے۔ اگر کوئی چار رکعات اکٹھی پڑھ لے تو پھر وہ دوسری رکعت کا قعدہ درود شریف تک پورا کرتا ہے، سلام نہیں پھیرتا اور تیسری رکعت سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ سے شروع کرتا ہے۔ اس طرح ملا کر چار چار رکعت پڑھ لیتا ہے۔

وہ خوش نصیب بھی اس آیۂ مبارکہ میں شامل ہیں جو عشاء کی نماز با جماعت ادا کریں اور فجر کی نماز با جماعت

ادا کریں۔ وہ بھی شب بیدار ہیں۔ انہیں بھی ساری رات عبادت کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

جو بندۂ مومن عشاء کی نماز باجماعت ادا کر کے سو جائے اور اُٹھ کر فجر باجماعت ادا کرے تو گویا وہ ساری رات نماز پڑھتا رہا۔ اللہ کریم اُسے شب بیداری کا انعام عطا فرماتے ہیں۔

ایمان 'خوف اور اُمید' میں ہے:

فرمایا: يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۔۔۔اور اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں خوف سے بھی اور اُمید رکھتے ہوئے بھی۔ ایمان بیم و رجا میں ہے۔ ایمان لا کر کوئی یہ سمجھے کہ اب بے فکر ہو جائے یا اُسے سب کچھ مل گیا، یہ درست نہیں اس لیے کہ موت آنے تک سب کمرۂ امتحان میں ہیں۔ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ○ (الحجر:99) آخری سانس تک اللہ کی عبادت کرتے رہو، اللہ کریم کی اطاعت کرتے رہو۔ موت تک ہر بندہ اس امتحان گاہ میں ہے، دارالابتلا میں ہے۔ موت ایمان پر نصیب ہو تو پھر یقین ہو جاتا ہے: حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ○ اس وقت تک ایمان بیم و رجا میں ہے، خوف اور اُمید میں ہے۔ اللہ سے اُمید بھی نہ توڑے اور عظمتِ الٰہی سے لرزاں و ترساں بھی رہے کہ کب کس وقت کوئی ایسا لفظ منہ سے نکل جائے جس سے اللہ کریم ناراض ہوں۔ کب کون سا کام کر بیٹھوں جو اللہ کریم ناپسند فرمائیں، لہٰذا ایمان خوف اور اُمید کے درمیان ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی مجھے یہ بتائے کہ سارے لوگ جہنم میں جائیں گے صرف ایک بندہ جنت میں جائے گا تو مجھے اُمید ہے وہ میں ہوں گا۔ اگر کوئی مجھے یہ بتائے کہ سارے لوگ جنت میں جائیں گے اور دوزخ میں صرف ایک بندہ ہوگا تو فرماتے تھے کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ میں ہی نہ ہوں یعنی ایمان بیم و رجا کے درمیان میں ہے۔

مومن کا کردار:

اللہ کے بندے عظمتِ الٰہی سے لرزاں و ترساں رہتے ہوئے اللہ سے اُمیدِ کرم بھی رکھتے ہیں۔ یہی ایمان ہے اور جب یہ کیفیت ہوتی ہے تو اُن کا کردار یہ ہوتا ہے کہ: وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ⑯ ہم نے جو نعمتیں انہیں دی ہیں انہیں ہمارے حکم کے مطابق خرچ کرتے ہیں۔

انفاق ہوتا ہے اللہ کے حکم کے مطابق اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو خرچ کرنا۔ اللہ نے ہمیں صحت دی ہے تو ہم اُس سے اللہ کی اطاعت کرتے ہیں یا نافرمانی کے کاموں پر لگاتے ہیں؟ اللہ نے ہمیں زبان دی، آنکھیں اور کان دیے تو کیا ہم اُن سے اللہ کی اطاعت کا کام لیتے ہیں یا نافرمانی کا؟ اللہ نے علم دیا ہے تو کیا اُسے اللہ کے حکم کے مطابق

اور اتباعِ رسالت میں خلوصِ دل سے لوگوں تک پہنچا رہے ہیں؟ اللہ نے دولت دی ہے تو کیا اسے شریعت کے مطابق خرچ کرتے ہیں یا فضول کاموں پر جن سے اللہ نے روکا ہے لگا دیتے ہیں؟ کیا ہم غریب و مسکین کو اُس کا حق دیتے ہیں، زکوٰۃ وصدقات دیتے ہیں یا عیاشی پر ضائع کر دیتے ہیں؟

اسی طرح کسی کو عہدہ یا اقتدار ملتا ہے تو کیا وہ انصاف کرتا ہے یا ظلم کرتا ہے؟ ہم عقل کو خرچ کرتے ہیں، زبان کو خرچ کرتے ہیں، دل کو، احساسات کو، کردار کو خرچ کرتے ہیں۔ فرمایا، اللہ کے بندے ہر طرح سے اطاعت گزار بن جاتے ہیں اور اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرتے ہیں۔

اطاعت کا انعام:

اس اطاعت کا انعام کیا ہے؟ فرمایا: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ۔۔۔ انسان دنیوی علوم، دنیوی مادّی دماغ، مادّی نگاہ، اپنی سوچ وفکر، اپنی بصارت اور اپنے شعور سے جان ہی نہیں سکتا کہ ہم نے اُس کے لیے کیسی کیسی نعمتیں رکھی ہوئی ہیں تو اسے ان کے بارے کیا بتایا جائے۔ وہ اتنی قیمتی، اتنی حسین، اتنی لذیذ نعمتیں ہیں کہ دنیا میں رہتے ہوئے، اس عقل وشعور اور دنیوی علوم کے ذریعے انسان اُن کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ اس کے تصور سے بالاتر ہیں۔ جب آخرت میں آئیں گے، شعور کو روشنی ملے گی، جنت میں جائیں گے تو انہیں پتا چلے گا کہ اُن کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے اللہ نے کیا کیا نعمتیں تیار کر رکھی ہیں۔ کیسے کیسے گھر بنائے ہیں، کیسے لباس بنائے ہیں، کیسی نعمتیں کھانے پینے کی بنائی ہیں، کیسا ماحول بنایا ہے، کیسے خادم دیے ہیں، اُن نعمتوں کی لذات وکیفیات کیسی ہیں؟ دنیا میں رہتے ہوئے انسان انہیں جان ہی نہیں سکتا، اُن کے بارے سوچ ہی نہیں سکتا۔ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۱۷﴾ یہ انعامات اُن کے لیے ہیں جو دنیا میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے تھے جو اللہ کا فرمان مانتے تھے اللہ کے نبیؐ کی اطاعت کرتے تھے۔ اُن کو کیا کیا نعمتیں ملیں گی، تم نہیں جان سکتے۔

مومن اور فاسق برابر نہیں:

فرمایا: اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسْتَوٗنَ﴿۱۸﴾ اور یہ نہ سمجھو کہ وہاں سب لوگ ایک جیسے ہوں گے۔ بھلا ایک شخص ایمان لاتا ہے اور دوسرا بدکار ہے، کیا ایک جیسے ہو جائیں گے؟ یہ کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔

اس آیۂ کریمہ میں ایک عجیب بات ہے کہ اس میں مومن کے مقابل بدکار کو لایا گیا ہے جبکہ عموماً مومن کے مقابل کافر ہوتا ہے۔ ایمان کے مقابل کفر ہوتا ہے یہاں ایمان کے مقابل فسق ہے اور فسق، گناہ کو، نافرمانی کو کہتے ہیں۔

قرآن کا منشاء یہ ہے کہ جو کلمہ پڑھتا ہے، دعویٰ تو ایمان کا کرتا ہے لیکن اللہ کی اطاعت نہیں کرتا تو فی الحقیقت اس کا ایمان نہیں ہے، اُسے یقین نہیں ہے۔ اگر ہمیں کوئی بتائے کہ اس چیز میں زہر ہے تو کیا کوئی اُسے کھائے گا؟ ہرگز نہیں بلکہ اس کے قریب بھی نہیں جائے گا۔ یہ ایمان ہے۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ سامنے آگ ہے تو کیا کوئی اُس میں پاؤں رکھے گا؟ یہ ایمان ہے کیونکہ اُسے یقین ہے کہ آگ جلا دے گی اس لیے پاؤں نہیں رکھتا۔ فرمایا جب میں بتاتا ہوں کہ اس جرم کے بدلے دوزخ میں جلنا ہوگا تو تم وہ کام کیوں کرتے ہو؟ اس کا مطلب ہے کہ تم نے مانا ہی نہیں ہے، تمہیں ایمان نہیں ہے، محض زبانی کہتے ہو۔ جب اللہ کریم ارشاد فرما دیتے ہیں کہ اس جرم کے بدلے جہنم میں جانا پڑے گا اور وہاں یہ سزا ہوگی تو پھر تم وہی گناہ کرتے ہو تو اس کا مطلب ہے کہ تم نے یقین نہیں کیا۔ گناہ ایمان کی کمزوری کا نتیجہ ہے۔

ہمیں یہ احساس کرنا چاہیے کہ ہمارا خلافِ اسلام طرزِ حیات کہیں ہمیں ایمان سے محروم نہ کر دے۔ دنیا میں ہم اس پر خوش رہیں کہ ہم مومن ہیں اور آخرت میں پہنچیں تو پتا چلے کہ ہمارا ایمان تو ختم ہو چکا۔ اُسے جرائم اور گناہ کھا گئے۔ جیسے زنگ چیزوں کو کھا جاتا ہے ویسے ہی گناہ ایمان کو کھا گئے۔

فرمایا، کیا بدکار اور مومن ایک جیسے ہو جائیں گے؟ ہرگز نہیں یہ برابر نہیں ہو سکتے۔ بدکار جہنم میں جائیں گے اور مومن جنت میں جائیں گے۔

فرمایا: اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۡ نُزُلًاۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝١٩ جن لوگوں کا ایمان درست ہے وہ نیک کام کرتے ہیں۔ جو ایمان لائے ہیں، یقین لائے ہیں وہ اچھے کام کرتے ہیں۔ یہاں بھی ایمان کے ساتھ نیک عمل کی بات آئی ہے۔ ان لوگوں کے رہنے کے لیے جنتیں ہیں، باغات ہیں، بہترین گھر ہیں بہترین ٹھکانے ہیں۔

ہم اپنی روزمرّہ کی زندگی سے یہ سمجھ سکتے ہیں کہ جب ہمارے گھر کوئی مہمان آتا ہے تو کیا ہم اُسے عام روزمرّہ کا کھانا دیتے ہیں یا اس کی دعوت کرتے ہیں؟ ہر میزبان اپنی حیثیت کے مطابق کوشش کرتا ہے کہ مہمان کی بہترین خدمت کرے۔ مہمان کو بہتر سے بہتر کھانا پیش کرے، بیٹھنے کے لیے بہتر جگہ دے۔

فرمایا، نُزُلًا ۔۔۔ یہاں بھی یوں سمجھ لو کہ وہ ہمارے مہمان ہیں۔ جنہوں نے اطاعتِ الٰہی کی اُن کا ٹھکانہ جنت ہے اور اُن کے لیے وہاں کیا نعمتیں ہیں تم دنیا میں سمجھ ہی نہیں سکو گے تو بس یوں سمجھ لو کہ وہ ربّ العالمین کے مہمان ہیں۔ اب وہ اپنے مہمانوں کو کیا کیا نعمتیں دے گا وہ جانے اور اُس کی شان جانے، یہ سب ہمارے علوم وادراک سے بالاتر ہے۔

یہ انعامات اس لیے ہیں کہ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴿۱۹﴾ انہوں نے کام ہی اچھے کیے تھے۔انہوں نے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت کی میری عظمت کو مانا، میری کتاب کی اطاعت کی میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیروی کی، میرے ارشادات کو مانا اور تھکے ہارے دنیا سے آئے ہیں۔اب یہ میرے مہمان ہیں اور ان کی مہمانی میں کروں گا۔ان میں سے کسی نے میری راہ میں جان دی، کسی نے مال خرچ کیا۔کوئی راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر مجھے پکارتا رہا اپنا آرام تج دیا، مجھے یاد کرتا رہا، ایک ایک نعمت پر میرا شکر ادا کرتا رہا۔ان کا رات دن میری یاد میں بسر ہوا۔ان کا کردار میرے احکام کے مطابق تھا یہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے فرمانبردار تھے۔یہ آج میرے مہمان ہیں اور میں اپنی عظمت (کیونکہ ہر میزبان اپنی توفیق واستطاعت کے مطابق مہمان کی خاطر داری کرتا ہے) اپنی شان کے مطابق ان کی مہمانداری کروں گا۔

فاسقین کا انجام:

فرمایا: وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا ۔۔۔جنہوں نے اطاعت نہیں کی، نافرمانی کی۔ یہاں بھی فِسق وفجور کا تذکرہ ہے، کفر کا نہیں کہ فسق وفجور دراصل کفر ہی ہے، نہ ماننا ہی ہے۔جب ایک آدمی بات پر عمل نہیں کرتا تو گویا اُس نے اس بات کو مانا ہی نہیں۔ہم کسی سے کہیں کہ پانی پلا دو وہ کہے جی آپ کا حکم سن لیا ابھی لا دیتا ہوں لیکن لا کر نہ دے تو کیا اُس نے مانا؟ نہیں مانا۔اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ ہم مانتے ہیں لیکن سوچ وفکر سے لے کر کردار تک سب کام احکامِ شریعت، اتباعِ رسالت کے خلاف کرتے ہیں۔پھر ہم نے کیا مانا؟

فرمایا، جنہوں نے نافرمانی کی: فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَاۤ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ﴿۲۰﴾ اس نافرمانی کا نتیجہ دوزخ کی آگ ہے اور نافرمان اُس میں جلیں گے۔اس میں تکلیف ہوگی دکھ ہوگا تو بھاگیں گے کہ اس سے نکل جائیں تو پھر اندر دھکیل دیے جائیں گے۔جہنم سے گھبرا کر بھاگیں گے تو واپس پھینک دیے جائیں گے کہ باہر نکلنے کا راستہ نہیں ہے اور اُن سے کہا جائے گا کہ آج اُس عذاب کا مزا چکھو۔آج وہ عذاب چکھو جس کے بارے میں دنیا میں تم کہتے تھے کہ کہاں ہے دوزخ اور کہاں ہوگا آگ کا عذاب۔یہ تو مولویوں نے باتیں گھڑ رکھی ہیں اور لوگوں کو ڈراتے رہتے ہیں، کدھر ہے آگ اور کون آگ میں جلائے گا! فرمایا، دنیا میں تم یہ کہتے تھے، دلیر تھے۔اگر تمہیں دوزخ کا ڈر ہوتا تو نافرمانی کیوں کرتے؟ اگر تم نے نافرمانی کی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ تمہیں نافرمانی کے نتائج کا یقین نہیں تھا۔آج تمہیں یقین آ گیا ہے تو اب بھگتو اور اُس عذاب کا مزا چکھو۔

مصائبِ دنیا میں رحمتِ الٰہی کا پہلو:

فرمایا: وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢١﴾

فرمایا، ہمارا کرم تو اتنا ہے کہ ہم ان پر دنیا میں تکلیفیں بھیجتے ہیں، کبھی بیماری بھیج دی۔ کبھی مال میں خسارہ ہو گیا یا عہدہ جاتا رہا یا کوئی اور دکھ بھیج دیا۔ دنیا میں ہم ان پر چھوٹے چھوٹے عذاب اس لیے بھیجتے ہیں تا کہ اس سے ڈر کر یہ توبہ کر لیں، ان کو اپنی عجز و نیاز مندی اور محتاجی کا احساس ہو جائے۔ ان کے دلوں سے تکبر نکل جائے، اپنی بڑائی کا زعم نکل جائے اور یہ نافرمانی چھوڑ دیں۔

گویا جو مصیبت بھی آتی ہے، بیماری یا کوئی تکلیف آتی ہے وہ بھی من جانبِ اللہ رحمتِ الٰہی ہی ہوتی ہے کہ شاید توبہ کا سبب بن جائے۔ دنیا میں ایسا کون سا انسان ہے جس پر تکلیفیں نہیں آئیں تو اگر اُس نے اُن سے سبق سیکھ لیا تو وہ رحمتِ الٰہی ہے ورنہ بہت بدبختی ہے۔ وہ دنیا میں بھی اُس کے لیے عذاب بن گئی۔

فرمایا، ہم نے اُن پر کرم کیے، قدم قدم پر انہیں سمجھانے کے لیے اُن کے ساتھ معاملات کیے۔ ہم نے دنیا میں اُن پر مصیبتیں بھیج کر یہ چاہا کہ یہ رجوع اِلی اللہ کریں، توبہ کر لیں۔ جو توبہ نہیں کرتے پھر اُنہیں بڑے عذاب بھگتنے پڑیں گے جہنم میں رہنا پڑے گا۔

بہت بڑا جرم:

فرمایا: وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا ۔۔۔ اس بات کو کبھی سوچو، غور کرو کہ کسی کو اللہ کی بات پہنچائی جائے اور وہ کہے کہ میں اس کی پرواہی نہیں کرتا، مجھے ضرورت نہیں ہے۔ کیا اس سے بڑا کوئی جرم ہو سکتا ہے؟ اگر ہم محسوس کریں تو قرآن کا ایک ایک لفظ ارشادِ باری ہے اور اللہ کریم کا ذاتی کلام ہے۔ یہ کاغذ، یہ سیاہی قرآن نہیں ہے۔ یہ نقطے یہ اعراب و الفاظ قرآن نہیں ہے بلکہ اس عبارت کے اندر جو مفہوم ہے وہ قرآن ہے ورنہ اس سیاہی سے اسی کاغذ پر کوئی اور عبارت لکھیں تو وہ قرآن نہیں ہو گی۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ متکلم کی ذات کا پرتو اُس کے کلام میں ہوتا ہے۔ ہم ایک آدمی کی بات سنتے ہیں تو پروا نہیں کرتے اور ایک آدمی کی بات سنتے ہیں تو اس میں اثر ہوتا ہے کیفیت اور لذت ہوتی ہے ہم سننے بیٹھ جاتے ہیں۔ گویا مقرر کا اثر تقریر میں، متکلم کا اثر کلام میں ہوتا ہے۔ قرآنِ پاک کے الفاظ تجلیاتِ باری کے امین ہیں اور یہ نازل ہوئے قلبِ اطہر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک اور لب ہائے مبارک سے ادا ہوئے۔ اللہ کے محبوب اور خوش نصیب بندوں نے وہاں سے لیے اور دنیا میں پھیلائے۔

فرمایا، اب ذرا سوچو میرا ذاتی کلام ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لب ہائے مبارک سے بندے تک پہنچے ثُمَّ اَعۡرَضَ عَنۡهَا۔۔۔ وہ کہے مجھے اس کی پروا نہیں ہے تو اس سے بڑا بھی کوئی جرم ہوسکتا ہے؟ فرمایا، یاد رکھو یقیناً: اِنَّا مِنَ الۡمُجۡرِمِيۡنَ مُنۡتَقِمُوۡنَ ﴿۲۲﴾ ہم ایسے مجرموں سے انتقام لیں گے۔ یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ یہ چھوڑا نہیں جاسکتا۔

آج تو ہم کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں اس کی پروا نہیں ہے جب بارگاہِ الٰہی میں جائیں گے تو سمجھ آجائے گی کہ اس کی پروا کرنی چاہیے تھی یا نہیں۔ اللہ اللہ! ہم کیسے زندگی گزار رہے ہیں! نمازوں کے اوقات گزر جاتے ہیں اور ہم سجدے نہیں کرتے کہ مجھے یہ کام ہے، مجھے وہ کام ہے۔ ذرا سوچو کام کب تک کرو گے، سانس نکل جائے گی تو سب کام رہ جائیں گے۔ کوئی کہتا ہے جی گھر بن رہا ہے، گاڑی آرہی ہے یہ کرنا ہے، وہ کرنا ہے۔ کیا اللہ نے روکا ہے گھر بنانے سے؟ گاڑیاں خریدنے سے؟ حلال مال سے گھر بناؤ، گاڑیاں خریدو، اچھا لباس خریدو اور پہنو لیکن اللہ کی عبادت کو بھی وقت دو اور ہر عبادت وقت پر کرو۔

ہم نماز کو بیگار سمجھتے ہیں حالانکہ یہ اللہ کریم کا احسان ہے۔ وہ فرماتا ہے ہر صبح سویرے جب اٹھتے ہو تو دن کی ابتدا میری ملاقات سے کرو۔ ہاتھ منہ دھولو، وضو کرو، لباس پاک کرو، قبلہ رو کھڑے ہو کر مجھ سے بات کرو۔ کیا کرنا چاہتے ہو، کون سی مدد چاہتے ہو؟ کیسے دن بسر کرنا چاہتے ہو؟ مجھ سے بات کرو پھر کام پر جاؤ۔ جب دوپہر ڈھلتی ہے کام میں وقفہ ہوتا ہے اُس وقت پھر مجھ سے ملاقات کرو۔ وضو کر کے قبلہ رو کھڑے ہو جاؤ اور اپنا دکھ سکھ میرے ساتھ کرو۔ صبح تم نے بات کی تھی تو کتنی مدد تمہیں ملی، کہاں کمزوری رہ گئی، کہاں شیطان نے تمہیں بہکا دیا، کہاں نفس نے خراب کیا، کہاں دنیا بیچ میں آگئی؟ پھر میری بارگاہ میں آؤ میں تمہیں نئی زندگی، نئی طاقت دے دوں گا اُسے لے کر پھر میدانِ عمل میں جاؤ۔ عصر کے وقت تک کام سے چھٹی ہو جاتی ہے تو پھر میرے پاس آؤ۔ مجھے سناؤ دن بھر کیا کیا؟ کوئی کمی رہ گئی ہے تو مجھ سے توبہ کرو۔ میں وہ کمی پوری کر دوں گا، غلطی ہوگئی ہے تو میں معاف کر دوں گا۔ دن ڈوب گیا شام ہوگئی ہے، رات شروع ہوئی ہے تو میرے پاس آجاؤ۔ مجھ سے بات کرو مجھ سے رات کی امان چاہو، عافیت چاہو رات کو زندہ رکھنے کی توفیق چاہو، ذکر اللہ کی توفیق چاہو۔ کھانے پینے سے فارغ ہو کر سونے جا رہے ہو لیکن پہلے میری بارگاہ میں آجاؤ۔ مجھ سے مل کر جاؤ۔

اللہ جو مالک ہے، کسی کا محتاج نہیں وہ اتنا کریم ہے کہ دن میں پانچ بار اپنی مخلوق کو وقت دیتا ہے جس کی اُس کی ذات کو کوئی احتیاج نہیں اور کہتا ہے کہ آجاؤ میرے ساتھ اپنا دکھ سکھ کر لو۔ میں تمہاری تکلیفیں بھی دور کروں گا اور سارے معاملات میں برکت بھی ڈالوں گا، آسانیاں بھی کر دوں گا۔ ہے کوئی ایسا مالک دنیا میں؟ یہ اُسی کو زیبا ہے اور ایسا بدنصیب بھی کوئی ہے جو کہے کہ مجھے آپ سے ملنے کی فرصت نہیں ہے میں خود کر لوں گا؟ اندازہ کر لیں کہ پھر نتیجہ کیا ہوگا!

سورۃ السجدۃ رکوع 3 آیات 23 تا 30

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۳﴾ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۭ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ۭ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَاۗءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ۭ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۳۰﴾

اور بے شک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب عطا فرمائی تھی تو آپ اس کے ملنے میں کوئی شبہ نہ کریں اور ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لیے موجبِ ہدایت بنایا تھا ﴿۲۳﴾ اور ہم نے ان میں سے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے جب وہ صبر کرتے تھے۔ اور ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے ﴿۲۴﴾ بے شک آپ کا پروردگار ان سب باتوں میں جن میں یہ آپس میں اختلاف کرتے تھے قیامت کے دن فیصلہ فرما دے گا ﴿۲۵﴾ کیا ان کے لیے یہ بات راہنمائی کا سبب نہیں کہ ہم ان سے پہلے کتنی امتیں ہلاک کر چکے ہیں جن کے بسنے کے مقامات میں یہ لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔ بے شک اس میں (صاف) نشانیاں ہیں۔ تو

کیا یہ لوگ سنتے نہیں؟﴿۲۶﴾ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم خشک افتادہ زمین کی طرف پانی پہنچاتے ہیں پھر اس کے ذریعے سے کھیتی پیدا فرماتے ہیں جس سے اُن کے مویشی اور وہ خود بھی کھاتے ہیں۔ تو وہ دیکھتے کیوں نہیں؟﴿۲۷﴾ اور کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ فیصلہ کب ہوگا؟﴿۲۸﴾ فرما دیجیے کہ فیصلہ کے دن کافروں کو ان کا ایمان لانا کوئی فائدہ نہ دے گا اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی﴿۲۹﴾ سو اُن سے رخِ انور پھیر لیجیے اور انتظار کیجیے بے شک وہ بھی منتظر ہیں۔

تفسیر و معارف

فرمایا: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ۔۔۔ بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اُن کی ملاقات میں کوئی شبہ نہ رکھیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اُن سے ملاقات بھی یقیناً ہوگی۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام اور تمام انبیا علیہم السلام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات شب اسراء ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیا علیہم السلام کو دو رکعت نماز پڑھائی۔ فرمایا، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ملاقات بھی موسیٰ علیہ السلام سے ہوگی اور یہ یقینی ہے۔

ھدیٰ کیا ہے؟

فرمایا: وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۳﴾ اور ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لیے موجبِ ہدایت بنایا تھا۔ اور بنی اسرائیل پر بھی ہم نے یہ احسان کیا تھا، یہ مہربانی و کرم کیا تھا کہ اُس کتاب کو اُن کے لیے کتابِ ھدیٰ بنا دیا تھا۔ ہدایت کیا ہے؟ ھدیٰ کیا ہوتا ہے؟ کسی بھی کام کو کرنے کا صحیح طریقہ 'ھدیٰ' کہلاتا ہے۔

دنیا میں کام تو غلط طریقے سے بھی ہو جاتے ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ،

ہر چہ دانا کند، کند ناداں
لیک بعد از خرابیٔ بسیار

کام تو جیسے کرنا چاہے، ویسے ہی ہو جاتا ہے۔ ایک بیوقوف بھی کر لیتا ہے لیکن بہت خواری اور مشکل سے کرتا ہے جبکہ وہی کام ایک دانا شخص سیدھا سیدھا آسانی سے کر لیتا ہے۔ زندگی بسر کرنا بھی ایک کام ہے۔ اللہ کی کتاب جب زندگی کے سارے راستے آسان اور صحیح بنا دے جن پر دنیا میں بھی چلنا آسان ہو اور اللہ کا انعام بھی مرتب ہو تو اس سے بڑی اور کیا

بات ہوگی؟ ہم نے بنی اسرائیل کے لیے اُس کتاب کو ھدیٰ بنایا تھا کہ پوری زندگی کا ہر کام صحیح طریقے سے کرلیں۔

آئمہ کی تربیت کا حاصل:

فرمایا: وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا ۔۔۔ ہم نے بنی اسرائیل میں آئمۂ ہدایت بنائے۔ اُن میں امام اور پیشوا بنائے جو نبیؑ کا پیغام لے کر امتیوں کو پہنچاتے تھے۔ انہیں احکامِ شریعت سمجھاتے بھی تھے اور عملاً ساتھ کراتے بھی تھے انہیں اللہ کی راہ میں نمازیں پڑھاتے، روزے سمجھاتے تھے۔ یہاں امام کے ساتھ ہدایت ارشاد فرما کر ہدایت یافتہ لوگوں کے پیشوا فرمایا ورنہ کفار کے پیشوا بھی امام کہلائے۔ 'امام' کوئی شرعی منصب نہیں ہے۔ امام کا مطلب ہے لیڈر، قوم کا نمائندہ، نیکوں کے لیے استعمال ہو تو نیکوں کا امام، بُروں کے لیے آئے تو بُروں کا امام ہوگا۔ ایمان والوں کے لیے آئے تو ایمان والوں کا امام اور کافر کے لیے تو کافروں کا امام جیسے قرآن میں آئمۃ الکفر کی اصطلاح موجود ہے۔

فرمایا: وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ ہم نے اُن میں امام بھی بنائے اور وہ امام انہیں ہمارے حکم سے تعلیم دیتے تھے، راہنمائی دیتے تھے اور جب لوگ اُن کی تعلیم پر صبر کرتے تھے تو اُن کو ہدایت بھی نصیب ہو جاتی تھی۔ اللہ کی کتاب، اللہ کے نبیؑ کی تعلیمات پر خود کو روک لینا صبر ہے۔ جب وہ آئمہ کی بات سنتے تھے، اُس پر جم جاتے تھے، در در نہیں بھٹکتے تھے تو انہیں وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ ہماری آیات پر یقین نصیب ہو جاتا تھا۔

جو بھی تعلیماتِ آئمہ، تعلیماتِ نبوت، تعلیماتِ کتاب پر صبر کرے، خود کو روک لے، اُن پر جم جائے تو اُسے یقین کامل نصیب ہو جاتا ہے۔

روزِ محشر اللہ کریم فیصلہ فرمائیں گے:

فرمایا، لوگوں نے اس پر صبر نہیں کیا، اپنی عقلیں، اپنی سوچیں، اپنے دماغ استعمال کر کے اُس میں تفرقہ ڈال دیا۔ فرقے بن گئے، گروہ بن گئے، حقائق کے منکر ہو گئے۔ کچھ حق پر قائم رہے کچھ حق سے بھٹک گئے۔ فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾ اللہ کریم فرماتے ہیں ہم قیامت کے دن حق پر رہنے والوں اور گمراہوں کا فیصلہ کریں گے۔ یہ ہمارا منصب ہے کہ ہم طے کریں گے کہ کون حق پر رہا اور کون حق سے نکل گیا۔ اُن میں جو اختلافات تھے، اُن کا فیصلہ ہم کریں گے۔

آج کا المیہ:

آج تو یہاں بات بات پر جھگڑا ہے۔ شیعہ سُنّی تو دور کی بات ہے اب تو دیوبندی بریلوی جنگ ہی ختم نہیں ہوئی۔ دیوبندیوں میں ہی بے شمار ٹولے ہیں۔ کوئی کسی عالم کے ساتھ ہے، کوئی کسی کے ساتھ ہے سب دیوبندی لیکن ایک دوسرے کے جانی دشمن ہیں۔ ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگاتے ہیں اور ایک دوسرے کی جان کے درپے رہتے ہیں۔

بریلویوں میں دیوبندیوں سے بھی زیادہ مکتبِ فکر ہیں۔ کوئی ایک پیر کا مرید ہے، کوئی دوسرے کا ہے اور ایک دوسرے کو دیکھنے کے روادار نہیں ہیں۔

کیا مسئلہ ہے بھئی؟ لڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ اللہ نے آزادی دی ہے عقیدہ رکھنے کی تو اس نے بھی اللہ کی بارگاہ میں جانا ہے، آپ نے بھی اللہ کی بارگاہ میں جانا ہے۔ آپ اگر سمجھتے ہیں کہ آپ حق پر ہیں تو جم کر رہیں اور دوسرے کے عقیدے کی برائیاں گنوانے کی بجائے اپنے عقیدے کی بھلائیاں گنوائیں۔ اگر آپ اپنے عقیدے کی ترویج کرنا چاہتے ہیں تو اس کی صداقت کے دلائل دیں، بہتری کے دلائل دیں۔ اس میں لڑنے کی کیا بات ہے؟ کیا کبھی آپ نے اس بات پر لڑائی کی ہے کہ میں نے بوٹ پہنے ہوئے ہیں اُس نے چپل پہنی ہوئی ہے اس لیے میں اُسے نہیں چھوڑوں گا؟ کیا کبھی اس بات پر لڑائی ہوئی ہے کہ میں نے سفید کپڑے پہنے ہوئے ہیں اُس نے رنگدار کیوں پہنے ہوئے ہیں، اس بات پر اُسے قتل کر دوں گا؟ یہ کوئی لڑائی کا سبب تو نہیں ہے یا یہ کہیں کہ میں سائیکل پر جا رہا ہوں وہ کار پر کیوں جا رہا ہے لہٰذا میں اُسے نہیں چھوڑوں گا۔ اُس کے پاس کار ہے، آپ کے پاس سائیکل ہے۔ اللہ نے جو جس کو دیا کبھی اُس پر لڑائی ہوئی ہے؟ نہیں، کبھی نہیں ہوتی۔ اس بات پر کہ اُس نے وہ عقیدہ رکھا ہوا، میرا یہ ہے تو اس میں بھی قتل کرنے کی بات یا جواز نہیں ہے۔

دُنیوی امور میں بھی دیکھیں تو اربابِ اقتدار و اختیار ایک دوسرے کی برائیاں گنواتے رہتے ہیں کہ انہوں نے فلاں کام نہیں کیا، سڑک نہیں بنائی، پیسے کھا لیے۔ اس کی بجائے یہ بتاتے کہ تم نے کیا کیا؟ تو بہتر تھا۔ جس نے کچھ نہیں کیا اُسے چھوڑو، اللہ کے حوالے کرو۔ تم بھی تو اسی طرح کا سیاسی منصب رکھتے ہو اگر تم نے تمہاری جماعت نے کچھ کیا ہے تو بتاؤ۔ وہ کوئی نہیں بتاتا، جو آتا ہے دوسرے کے عیب گنواتا ہے۔ نہیں! یہ فیصلہ تو اللہ کریم کریں گے۔ وہ فرماتے ہیں سب نے میرے پاس آنا ہے اور دنیا میں ان میں جو اختلافات ہیں ان کے فیصلے روزِ محشر کیے جائیں گے۔ چنانچہ عقیدے پر بھی لڑائی ضروری نہیں ہے۔ اگر آپ کا عقیدہ سچا اور کھرا ہے تو اُس کی سچائی اور کھرا پن بیان کریں۔ دوسرے کا اگر کھوٹا ہے تو وہ جانے اس کا کھوٹ جانے۔ آپ کو بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

راہنمائی کے لیے دلیل:

فرمایا: اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾ کیا اِن کی راہنمائی کے لیے یہ دلیل کافی نہیں ہے کہ ان سے پہلے کتنے لوگ بڑے بڑے محلوں میں مکانوں اور قلعوں میں رہتے تھے، چلتے پھرتے تھے۔ کہاں گئے وہ شاہی محل؟ کہاں گئے وہ بالا خانے؟ کہاں گئے وہ بازار، اُن کی رونقیں اور وہ شہر؟ وہ سب صفحۂ ہستی سے مٹ گئے۔ ایسے فنا ہوئے کہ صفحۂ ہستی سے ہی مٹ گئے۔

آج جو شاہی محلات اور قلعے باقی ہیں وہ لوگوں کی سیر گاہیں بنی ہوئی ہیں۔ قلعوں اور محلوں کی بات تو ایک طرف چھوڑیں، بڑے بڑے شہنشاہ جنہوں نے سارے برصغیر پر حکومت کی اُن کے مزار آج تفریح گاہ بنے ہوئے ہیں۔ آج بچے شہنشاہ کی قبر پر بیٹھ کر مشروبات سے لطف اندوز ہوتے دیکھے جاتے ہیں۔ کہاں بادشاہ کی شہنشاہیت، کہاں دکن، ہمالہ بنگال، کہاں کابل۔؟ یہ سارے برصغیر کا حکمران تھا، آج قبر میں بے بس پڑا ہے اور لڑکے قبر پر کھیل رہے ہیں۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾ کیا یہ دلائل کافی نہیں ہیں؟ کیا یہ بعد میں آنے والوں کے لیے عبرت کا سامان نہیں ہے؟ کہاں ہے فرعون کی شہنشاہیت؟ آج تو بے بس ایک شیشے کے تابوت میں پڑا ہے۔ یہ وہی ہے نا جو کہتا تھا مجھے سجدہ کرو: اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (النّٰزعٰت:24) کہ میں تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں۔ آج وہ مصر کے عجائب گھر میں شیشے کے تابوت میں پڑا ہے اور لوگ تماشا دیکھ رہے ہیں کہ یہ فرعون تھا! اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ۔۔۔ اس میں یقیناً بڑے دلائل ہیں، بڑی نشانیاں ہیں تو: اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾ کیا یہ لوگ یہ باتیں سنتے ہیں، جانتے نہیں، دیکھتے نہیں؟ انہیں تو یہ فکر کھا گئی کہ قیامت کب ہوگی اور مردے کیسے زندہ ہوں گے؟ کہتے ہیں یہ تو مشکل کام ہے کہ آج تک تو کوئی زندہ ہو کر نہیں آیا۔ فرمایا: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ ہم بارش برساتے ہیں پھر ندی، نالوں، دریاؤں، نہروں اور چشموں میں بہا کر کہاں کہاں پہنچاتے ہیں؟ خشک زمین پر جب وہ پانی پہنچتا ہے: فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا ۔۔۔ تو کتنی زراعت اُگتی ہے۔ اُس سے کتنی نعمتیں نکلتی ہیں۔ کتنے پھول اُگتے ہیں، کتنے پھل لگتے ہیں، کتنی کھیتیاں ہوتی ہیں۔ تمہارے جانور بھی اُس میں چرتے ہیں اور تم خود بھی اُسی سے کھاتے ہو۔ کیا خشک زمین سے بگولے نہیں اُڑ رہے ہوتے پھر ہم بارش برساتے ہیں۔ کبھی براہ راست پانی پہنچا دیتے ہیں اور کبھی ندی نالے دریاؤں سے پانی خشک زمین تک بھیجتے ہیں۔ وہ خشک زمین پھر سرسبز ہو جاتی ہے پھل دیتی ہے۔ جانور

بھی پلتے ہیں۔انسان بھی پلتے ہیں۔کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ کیا جو کائنات کے ہر ذرّے کو حیات دے رہا ہے وہ انسان کو دوبارہ زندہ نہیں کرسکتا؟ جس نے پہلے بنایا ہے وہ دوبارہ بھی بنالے گا۔

کج بحثی کا جواب اور سزا:

فرمایا: وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝۲۸ پھر کہتے ہیں اگر آپ سچے ہیں اور قیامت قائم ہونی ہے تو کب قائم ہونی ہے؟ ہمیں وہ دن، وہ تاریخ بتائیں۔اس کا بڑا خوبصورت جواب دیا اللہ کریم نے ،فرمایا: قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ۝۲۹ میرے حبیب! انہیں کہہ دیجیے کہ اس بات کی فکر نہ کرو کہ قیامت کس تاریخ کو کس مہینے، کس سال میں آئے گی لیکن یہ یاد رکھو جب قیامت آئے گی تو جن حقیقتوں کا تم انکار کررہے ہو تم مان لوگے۔جہنم بھی سامنے ہوگی۔جنت بھی سامنے ہوگی، فرشتے کو دیکھ رہے ہوں گے، عذاب ثواب سامنے ہوگا تو تم سب کچھ مان لوگے لیکن اے کافرو! اس دن تمہارا ایمان لانا تمہیں نفع نہیں دے گا۔اُس دن تم مانو گے لیکن وہ (اللہ تعالیٰ) نہیں مانے گا۔

ایک درویش کسی شہر میں پھر رہے تھے، تبلیغ کرتے تھے۔کسی نے پوچھا، بھئی کہاں پھر رہے ہو؟ کیا کررہے ہو؟ وہ کہنے لگے بندوں کی اللہ سے صُلح کروانے کی کوشش کررہا ہوں۔پوچھا، تو ہوگئی ہے؟ کہنے لگے، اللہ تو مانتا ہے یہ لوگ نہیں مانتے۔دونوں فریق ہیں دونوں مانیں تو صلح ہو۔اب اللہ تو مانتے ہیں وہ کریم ہیں لوگ نہیں مانتے۔پھر ایک دن کسی نے اُس درویش کو قبرستان میں دیکھا تو پوچھا کہ یہاں کیا کررہے ہو؟ کہنے لگے بندوں اور اللہ کی صلح کروارہا ہوں۔پوچھا پھر کچھ ہوا؟ کہنے لگے اب بندے تو مانتے ہیں وہ نہیں مانتا۔اب یہ سارے جو قبروں میں پڑے ہیں، مانتے ہیں لیکن اب وہ نہیں مانتا۔ اسی طرح کافروں نے بھی پوچھا تھا کہ قیامت کب قائم ہوگی، اللہ کریم نے فرمایا انہیں بتایئے جس دن ہر چیز تمہارے سامنے آجائے گی تو تم مانو گے لیکن اللہ تمہاری بات نہیں مانے گا۔تمہارا ایمان قبول نہیں ہوگا، اُس دن قیامت ہوگی۔ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ۝۲۹ اُس دن تمہیں مہلت نہیں دی جائے گی۔ابھی تو نافرمانی کرتے ہو پھر بھی اللہ تمہیں رزق دیتا ہے، مہلت بھی دیتا ہے اور تم پھر جرم کرتے ہو۔جس دن قیامت ہوگی تو جرم کی مہلت نہیں ہوگی پھر سزائیں بھگتنی پڑیں گی۔ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ۝۳۰ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! ان کی پروانہ کریں، ان سے رخِ انور پھیر لیں۔اعراض سے مراد ہے کسی چیز کو اس کے حال پر چھوڑ دینا۔اُس سے پھر جانا، پروانہ کرنا۔وہ بدترین خلائق ہیں جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رخِ انور پھیر لیا۔ وَانْتَظِرْ ۔۔۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتظار فرمایئے۔ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ۝۳۰ یہ بھی انتظار ہی کررہے ہیں۔قیامت کو آنا ہے، اپنے وقت پر آجائے گی۔

سورۃ الاحزاب رکوع 1 آیات 1 تا 8

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا
حَكِيْمًا ۙ﴿۱﴾ وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
خَبِيْرًا ۙ﴿۲﴾ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۳﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ
مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ
اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ
بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ ﴿۴﴾ اُدْعُوْهُمْ
لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِى
الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ؕ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ
مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵﴾ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى
بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ
بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ
تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۶﴾ وَاِذْ
اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى
وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۙ﴿۷﴾ لِّيَسْـَٔلَ
الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۸﴾

اے پیغمبر! اللہ سے ڈرتے رہیے اور کافروں اور منافقوں کا کہنا مت مانیے۔ بے شک اللہ جاننے والے (اور) حکمت والے ہیں ﴿۱﴾ اور آپ کی طرف جو آپ کے پروردگار کی طرف سے وحی فرمائی جاتی ہے اُسی کی پیروی کیجیے۔ بے شک اللہ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں ﴿۲﴾ اور آپ اللہ پر بھروسہ کیجیے۔ اور اللہ (ہی) کافی کارساز ہیں ﴿۳﴾ اللہ نے کسی شخص کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے اور ان بیبیوں کو جن سے تم ظہار (بیوی سے کہنا کہ تم میری ماں کی پیٹھ جیسی ہو) کر لیتے ہو، تمہاری ماں نہیں بنایا اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا (سچ مچ کا) بیٹا بنا دیا ہے یہ صرف تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے۔ اور اللہ حق بات فرماتے ہیں اور وہی سیدھا راستہ دکھاتے ہیں ﴿۴﴾ تم ان کو ان کے (اصلی) باپوں کے نام سے پکارا کرو کہ اللہ کے نزدیک یہی درست بات ہے پھر اگر تم کو ان کے باپوں کے نام معلوم نہ ہوں تو وہ تمہارے دینی بھائی اور تمہارے دوست ہیں۔ اور اس میں جو بھول چوک ہو جائے اس پر تمہیں گناہ نہ ہوگا ولیکن جو تم دلی ارادے سے کرو (اس پر مواخذہ ہوگا)۔ اور اللہ بخشنے والے رحم کرنے والے ہیں ﴿۵﴾ پیغمبر ایمان والوں سے خود ان کی جانوں سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور آپ کی بیویاں اُن کی مائیں ہیں۔ اور رشتہ دار اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔ بہ نسبت دوسرے مومنین اور مہاجرین کے مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں سے احسان کرنا چاہو تو (وہ اور بات ہے)۔ یہ حکم کتاب (قرآن) میں لکھ دیا گیا ہے ﴿۶﴾ اور جب ہم نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا اور آپ سے اور نوح (علیہ السلام) سے اور ابراہیم (علیہ السلام) اور موسیٰ اور عیسیٰ (علیہما السلام) بیٹے مریم (علیہا السلام) کے سے اور ہم نے ان سے خوب پختہ عہد لیا ﴿۷﴾ تاکہ سچوں سے ان کے سچ کے بارے پوچھا جائے اور کافروں کے لیے (اللہ نے) دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿۸﴾

تفسیر ومعارف

احزاب حزب کی جمع ہے۔حزب کا معنی گروہ یا لشکر ہے۔احزاب بہت سے لشکروں کے ملنے کو کہتے ہیں۔ یہود، کفار ومشرکین کے مختلف قبائل نے مل کر اسلام کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنایا تھا جس کے مقابلے کے لیے غزوۂ خندق ہوا۔اس سورۃ میں اسی غزوہ کا واقعہ بیان ہوا ہے اس لیے اس کا نام الاحزاب ہے۔یہ ان سورتوں میں سے ہے جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔

غزوہ احزاب کا پس منظر:

کفار ہر حربہ آزما کر دیکھ چکے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار ہمیشہ حق پر ڈٹے رہے۔کفار جانتے تھے کہ انہوں نے اپنی سی ساری کوششیں کرلیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید نہیں کر سکے۔ مسلمانوں نے ہجرت کرلی۔مدینہ منورہ میں ایک خودمختار ریاست کی بنیاد پڑ گئی۔اس نوزائیدہ مملکت کو ختم کرنے کے لیے مشرکین وکفار نے یلغار کی اور ہر مرتبہ شکست خوردہ لوٹ گئے۔اب انہوں نے یہود کے ساتھ مل کر ایک نئی کوشش کی کہ کچھ دو کچھ لو کے اصول پر کوئی معاہدہ کرلیا جائے۔اس کے لیے کئی تجاویز سامنے آئیں۔ان میں بڑی تجویز یہ پیش کی گئی کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اللہ کی عبادت کریں اور لوگوں کو اپنے دین کی دعوت بھی دیں۔آپ اپنے اللہ کی بڑائی بیان کرتے رہیں لیکن ہمارے بتوں کو بُرا کہنا چھوڑ دیں۔انہیں جھوٹا نہ کہیں۔آپ اپنے مذہب پر عمل کرتے رہیں ہم اپنے مذہب پر عمل کرتے ہیں۔بظاہر یہ بڑی آسان بات تھی کہ آپ اپنے ربّ کی عبادت کرتے رہیں ہم اپنے بتوں کو پوجتے رہیں گے۔ہم آپ کے ربّ کے بارے کچھ نہیں کہتے آپ ہمارے بتوں کو جھوٹے معبود نہ کہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جواب ارشاد فرمایا کہ کسی حال میں وحیٔ الٰہی پر سمجھوتا نہیں ہوگا۔وہ جنگِ احزاب کے لیے مشرکین کو بھڑکانے کا سبب بنا۔ اللہ کریم نے اس کا جواب دیا۔فرمایا: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ۔۔۔اے پیغمبر! اللہ سے ڈرتے رہیے اور کافروں اور منافقوں کا کہنا مت مانیے۔

اللہ سے تقویٰ کا تعلق رکھیں۔اللہ سے رشتۂ عبدیت، رشتۂ عبادت، اس کی الوہیت کا اقرار، اس کی عظمت کا اقرار، اپنے عجز کا اقرار پر قائم رکھیے۔اور کافروں، منافقین کی بات پر کوئی توجہ نہ دیجیے۔غور کرنے کا مقام ہے کہ زندگی اور موت کا سوال تھا۔یہود نے مشرکینِ مکہ کو بھڑکا کر دس پندرہ ہزار کا لشکرِ جرار تیار کیا تھا۔ان سب کا متحدہ مقصد تھا کہ مدینۃ النبی کا کچھ باقی نہ چھوڑو۔لوگوں کو قتل کردو، گھروں کو برباد کردو اور یہ قصہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کردو۔

اللہ کریم فرمارہے ہیں کہ یہ خطرہ مول لے لیجیے۔آپ کے پاس اسباب ووسائل نہیں ہیں۔اتنا بڑا لشکر نہیں ہے لیکن آپ کے پاس اللہ ہے۔اسباب میں نتائج وہ خود پیدا فرماتا ہے۔اسباب کا پیدا کرنا بھی اسی کے دستِ قدرت میں ہے۔سبب بھی اس کی مخلوق ہے۔وہ چاہے تو اسباب بھی بن جاتے ہیں۔اسباب میں اثرات بھی پیدا ہوجاتے ہیں تو آپ اللہ کریم سے معاملہ درست رکھیے۔اللہ سے تعلق میں بال آتا ہو تو کسی کی بات کی پروانہ کیجیے۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ بے شک اللہ جاننے والے (اور) حکمت والے ہیں۔یقیناً اللہ کریم جانتے ہیں کہ کافر کیا سوچ رہے ہیں، مسلمانوں کے دل میں کیا ہے؟ اللہ حکمت والے ہیں۔اگر کافروں کو چند لمحے فرصت دے رکھی ہے تو اللہ نے خود دے رکھی ہے۔وہ جانتے ہیں کہ کافر کہاں تک جاتے ہیں، کہاں انہیں شکستِ فاش دے کر ذلیل ورسوا کرنا ہے۔یہ اللہ کی حکمت کا تقاضا ہے۔یہود کی پشت پناہی میں مشرکین وکفار بڑا لشکر لے کر آرہے ہیں۔خندق پر رکیں گے۔مہینہ بھر مقابلہ کریں گے بالآخر ذلیل ورسوا ہوکر بھاگیں گے۔یہ سب اللہ کے علم میں ہے۔وہ ہر کام سے واقف ہیں۔ بظاہر مسلمانوں کے پاس اسباب نہیں ہیں، وسائل اور ذرائع کم ہیں لیکن اُن کے ساتھ اللہ ہے۔

تقویٰ اور اس کا ثمر:

فرمایا، میرے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! اللہ سے تقویٰ قائم رکھیے۔اُردو کا دامن تنگ ہے۔تقویٰ کا متبادل کوئی لفظ نہیں جو تقویٰ کے مفہوم کو واضح کر سکے، اس کا ترجمہ ڈر ہی کیا جاتا ہے لیکن یہ ڈر تعلق سے وابستہ ہے۔اللہ اور بندے کا تعلق اس کی الوہیت کا اقرار اور اپنے عاجز اور بندہ ہونے کے ساتھ اس کی اطاعت کا اقرار ہے۔بندے کی طرف سے بندگی اور اللہ کی الوہیت مان لینے پر استوار ہو تو یہ تعلق باللہ کی بنیاد ہے۔

ہمارے ہاں شعر وشاعری اور نثر نگاری میں اللہ سے محبت اور عشق کی باتیں ہوتی ہیں تو یاد رہے کہ اللہ سے محبت ایسے نہیں ہوتی جیسے ہم اپنے جیسے انسانوں سے کرتے ہیں۔ماں باپ، بہن بھائیوں، اولاد سے کرتے ہیں۔ہم سب تو مخلوق ہیں۔اللہ اِلٰہ ہے اس کی کوئی نظیر نہیں، مثل نہیں۔اس کا کوئی ثانی نہیں۔وہ خالق واحد ولاشریک اور ہم اس کی مخلوق۔

اللہ سے محبت سے مراد یہ ہے کہ بندہ اللہ کی نافرمانی نہ کرے۔جان دینی پڑے تو دے دے اللہ کی نافرمانی نہ کرے۔جب اللہ کریم سے ایسا تعلق قائم ہوجائے کہ بندہ جان دے سکے اس کی نافرمانی پر راضی نہ ہو تو اسے تقویٰ کہتے ہیں۔تقویٰ کا ثمر یہ ہے کہ بندہ چلتا پھرتا نظریہ بن جاتا ہے۔اس کی سب سے اعلیٰ مثال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔اس کا اعلیٰ درجہ صرف صحابہؓ کو حاصل ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ صحابہؓ جس جس علاقے میں گئے وہاں اسلام پھیلتا چلا گیا۔

فرمایا: وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ۔۔۔اور آپ کی طرف جو آپ کے پروردگار کی طرف سے وحی فرمائی جاتی ہے اس کی پیروی کیجیے۔ یعنی آپ صرف اور صرف اس کا اتباع کریں جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر وحی کیا جاتا ہے۔ یہاں وحی کو ربّ کی طرف منسوب فرمایا۔ ربّ صفاتی نام ہے۔ ربّ کے معنی ہیں وہ ہستی جو ہر ضرورت مند کی ہر ضرورت ہر جگہ پوری کرنے پر قادر ہو۔ پوری طرح تمام ضروریات سے باخبر ہو اور پوری کر رہا ہو۔ اللہ کریم نے انسان کے جسم کی پرورش اور نگہداشت کے لیے طرح طرح کے پھل، غلّہ، سبزیاں تمام غذائی نعمتیں بنائیں۔ یہ کارگاہِ حیات مادّی ایک حد تک ہمارے علم میں سما جاتی ہے۔ ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس میں کتنا تنوع اور کتنی وسعت ہے۔ اگر مادّی وجود کے لیے اتنا اہتمام کیا گیا جو کہ عارضی وجود ہے تو روح جو عالمِ امر سے ہے اس کی غذا، دوا، پرورش اور تربیت کا انتظام بڑھ کر کیا گیا ہے۔ اور وہ اہتمام ہے وحیٔ الٰہی! وحی انسان کی اولین ضرورت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردگار کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی آتی ہے وہ بہت قیمتی بات ہے۔ اللہ کا ذاتی کلام ہے۔ اسے اللہ کا وہ فرشتہ لایا جسے اللہ نے امین کہا ہے اور جو فرشتوں کا سردار ہے۔ مطاع ہے۔ سب فرشتے اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ کلامِ الٰہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر پر نازل ہوا اور لب ہائے مبارک پر جاری ہو کر مسلمانوں تک پہنچا۔ کائنات کی ساری مادّی نعمتیں اکٹھی ہو جائیں تو وحیٔ الٰہی کی نعمت کے سامنے ان کی کوئی حیثیت نہیں لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری طرح سے اس وحیٔ الٰہی پر عمل کیجیے۔ اس کے خلاف کافروں سے کوئی معاہدہ قابلِ قبول نہیں۔ وہ معاہدہ جس کی شرائط وحیٔ الٰہی کے خلاف ہوں وہ مسلمانوں کو کیسے قبول ہو سکتا ہے؟

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۙ﴿۲﴾ بے شک اللہ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نیتوں اور اعمال سے باخبر ہیں: وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۳﴾ اور آپ اللہ پر بھروسہ کیجیے۔ اور اللہ (ہی) کافی کارساز ہیں۔

اس پس منظر میں ہم اپنی زندگی دیکھیں:

اس آیت مبارکہ میں بتایا جا رہا ہے کہ دین اسلام کیا ہے؟ یہی کہ وحیٔ الٰہی کی تابعداری کی جائے۔ کافر اچھا جانے یا بُرا جانے۔ کافر دشمنی کرے تو کرے، بگاڑنا چاہے تو کوشش کر لے، حملہ کرنا چاہے تو کر کے دیکھ لے۔ مسلمان کبھی کفر سے سمجھوتا نہیں کرے گا۔ کفر اور اسلام میں، کافر اور مسلمان میں فرق کیا ہے؟ دونوں اسی جہان میں جیتے ہیں۔ دونوں کی انسانی ضرورتیں ہیں۔ اسی زمین سے رزق کھاتے ہیں۔ یہیں گھر بناتے ہیں۔ شادیاں کرتے ہیں۔ بچے پالتے ہیں اور مر جاتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ مومن کا بھروسہ اللہ پر ہوتا ہے اور کافر جگہ جگہ دھکے کھاتا ہے۔ کبھی

بتوں پر بھروسہ رکھتا ہے کبھی ستاروں پر، کہیں پتھروں جانوروں پر اور کبھی اپنے جیسے انسانوں پر۔ اسی طرح در بدر ہو کر مر جاتا ہے۔ مسلمان ایک واحد ولاشریک پر بھروسہ رکھتا ہے اور صرف اسی کا کہا مانتا ہے اگر ان امور میں آج کے مسلمان نے سمجھوتہ کر رکھا ہے تو پھر یہ مسلمانی کیسی! آج پچپن، چھپن ملکوں پر مسلمانوں کی حکومتیں ہیں تو یہ صحابہ کرامؓ کی کرامت ہے کہ جو علاقے عہدِ صحابہؓ میں فتح ہوئے ان علاقوں سے پھر اسلام مٹایا نہ جا سکا۔ یہ سارے وہ ممالک ہیں جو عہد خلافتِ راشدہ میں فتح ہوئے۔ یہ صحابہؓ کے خلوص، ایمان اور تقویٰ کا ثمر ہے کہ جو علاقے انہوں نے ریاستِ اسلامی میں شامل کیے تھے وہاں سے پھر اسلام کبھی ختم نہیں ہوا۔

آج ان چھپن ریاستوں میں ایک نظریہ بن چکا ہے کہ مسلمان، کافر ریاستوں سے کٹ کر زندہ نہیں رہ سکتے۔ حکمران یہ سمجھتے ہیں کہ مالی طور پر اسباب وسائل کے اعتبار سے یہ ریاستیں قائم نہیں رہ سکتیں لہٰذا کچھ دو کچھ لو کے اصول پر عمل کرنا پڑے گا۔ اس کے نتیجے میں کافروں کا سودی نظام ان مسلمان حکومتوں میں جاری ہے۔ یہ حکومتیں سود پر کافر ممالک سے قرضہ لیتی ہیں اور ملک اسی قرضے میں ڈوبتا جاتا ہے۔ عدالت سے سیاست تک۔ مالیات سے تمدن تک سب میں کافروں سے سمجھوتا کر رکھا ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔

قرآن تو واضح بیان کر رہا ہے کہ صرف اور صرف وحیٔ الٰہی کی پاسداری کرنا ہے۔ کفر اور کافر سے اس پر کوئی سمجھوتا نہیں ہو سکتا اور آج کا مسلمان خواہ وہ عام فرد ہے یا حکمران اس کا نظریہ بدل چکا ہے۔ حکمرانوں کو چھوڑ کر ہم اپنا جائزہ لے لیں کیا تنگی ترشی میں ہم اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں یا دوسروں کا حق چھیننے پر اُتر آتے ہیں؟ یہی تو ایمان کی آزمائش ہے جب دوسری طرف اندھیرا ہو تو مومن کہتا ہے میرا اللہ موجود ہے میرے لیے کوئی اندھیرا نہیں۔ وہی میرا کارساز ہے میرے لیے راستہ بن جائے گا۔ کافر کو اللہ پر امید نہیں ہوتی وہ پھر بندوں کے دامن ہی تھامتا ہے کہ فلاں پار لگا دے گا فلاں مدد کر دے گا۔ اگر مسلمان بھی اسی روش پر چل پڑے تو پھر یہ مسلمانی کیسی؟

فرمایا: وَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ۔۔۔ اللہ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں بنائے۔ کسی سینے میں اللہ نے دو دل نہیں رکھے کہ ایک دل اللہ کو دے اس میں اس کی محبت ہو، اس پر ایمان ہو، اس کی اطاعت ہو اور دوسرا کافروں کو دے دے۔ ان کے ساتھ بھی کوئی سمجھوتا کر لے اور گزارہ کرنے کی کوشش کرے۔ فرمایا، ایسا نہیں ہے۔ دل ایک ہی ہے اس میں ایک ہی چیز رہے گی۔ ایمان ہوگا تو کفر کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ اس میں اگر کفر ٹھونسیں گے تو اسلام نہیں رہے گا یعنی دل ایک ہی ہے اس میں جو کفر ٹھونسے گا وہ ایمان سے محروم ہو جائے گا اور جو اس میں ایمان قائم رکھے گا تو اللہ اسے کفر سے بچا لے گا۔ اس کی حفاظت کرے گا۔

جاہلیت کی دو رسوم کی اصلاح:

عہدِ جاہلیت میں عربوں کے ہاں دو رواج بہت عجیب تھے۔ ایک بیوی سے ظہار دوسرا لے پالک بیٹا بنا لینا۔ ظہار یہ تھا کہ بیوی سے لڑتے، ناراض ہوتے تو کہتے تُو میری ماں کی پشت کی طرح ہے یا میری بہن جیسی ہے۔ ایسا کہہ کر سمجھتے کہ طلاق ہوگئی۔ میاں بیوی میں علیحدگی ہوگئی۔ اب انہیں الگ ہو جانا چاہیے۔

دوسرا رواج یہ تھا کہ جسے چاہتے بیٹا بنا لیتے۔ وہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹوں کی طرح وراثت میں حصہ پاتا۔ جو رشتے حقیقی بیٹے پر حلال ہوتے وہی اس پر حلال ہوتے۔ جو حقیقی بیٹے پر حرام ہوتے وہ اس پر بھی حرام ہوتے۔ اللہ کریم نے ان دونوں رسوم کو باطل قرار دیا۔ ارشاد ہوتا ہے: وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۔۔۔ اور ان بیبیوں کو جن سے تم ظہار (بیوی سے کہنا کہ تم میری ماں کی پیٹھ جیسی ہو) کر لیتے ہو، تمہاری ماں نہیں بنایا۔

فرمایا، تمہارے سینے میں دو دل نہیں ہیں۔ ایک ہی دل ہے۔ ایک ہی طرف رہو گے۔ زبانی کہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ بیوی، بیوی ہی رہتی ہے۔ ماں جیسی بنتی ہے نہ بہن جیسی اور نہ ہی طلاق ہوتی ہے۔ ہاں! ایسا کہنا سخت گناہ ہے اور اس کا کفارہ دینا پڑے گا۔ ظہار کا کفارہ یہ ہے کہ دو مہینے کے روزے رکھے جائیں یا ساٹھ (60) مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے۔ کفارہ دینے سے وہی نکاح درست رہے گا۔ بیوی حرام نہیں ہوگی۔

فرمایا: وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۔۔۔ اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا (سچ مچ) کا بیٹا بنا دیا ہے۔ یہ صرف تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے۔ رشتے وہی ہیں جو اللہ نے بنائے ہیں۔ بیٹا اُسی کا ہے جس کے گھر میں اسے اللہ نے پیدا کیا ہے۔ جسے تم زبانی بیٹا کہتے ہو وہ تمہارا بیٹا نہیں ہے۔ وہ تمہاری وراثت نہیں لے سکتا۔ اس پر حرمت والے رشتے اسی طرح رہتے ہیں جیسا شریعت نے رکھا ہے۔ وہ اپنے والدین کا بیٹا ہے۔ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ ۝ اور اللہ حق بات فرماتے ہیں اور وہی سیدھا راستہ دکھاتے ہیں۔ اللہ کریم جو فرماتے ہیں وہ حق ہوتا ہے۔ اللہ کریم بہترین طرزِ حیات کی طرف راہنمائی فرماتے ہیں۔ اگر تم منہ بولے بیٹے بنانے لگو تو اس میں کتنے مسائل پیدا ہوں گے، کتنے جھگڑے کھڑے ہوں گے۔ کتنے رشتے حرام ہوں گے۔ کس چچا، بھائی، بھتیجے سے وہ جائیداد بانٹے گا۔ اُسے جائیداد سے کون حصہ دے گا۔ اس طرح معاشرے میں فساد پیدا ہوگا لہٰذا زبانی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ تم بیوی سے ظہار کر دیا کسی کو لے پالک بنا لو تو یہ تمہارے کہنے کی بات ہے۔ اس کی کوئی حیثیت نہیں اس طرح بیوی کو طلاق ہوتی ہے نہ ہی کسی کی اولاد تمہارا بیٹا بن جاتی ہے۔ اللہ کریم کا

حکم ہی حق ہے باقی سب گمراہی ہے۔احکامِ الٰہی کے خلاف چل کر کسی کو بھی کبھی فائدہ نہیں ہوتا۔آرام وسکون ملتا ہے نہ دنیا کا سکھ ملتا ہے۔اور آخرت تو کھو بیٹھتے ہیں۔

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۔۔۔تم ان کو ان کے (اصلی) باپوں کے نام سے پکارا کرو کہ اللہ کے نزدیک یہی درست بات ہے پھر اگر تم کو ان کے باپوں کے نام معلوم نہ ہوں تو وہ تمہارے دینی بھائی اور تمہارے دوست ہیں۔

ہمارے ہاں یہ رواج ہو گیا ہے کہ اولاد نہ ہو تو بچہ گود لے لیتے ہیں۔کبھی رشتہ داروں سے لے لیتے ہیں تو کبھی یتیم خانے سے یا ایسی جگہوں سے جہاں گمنام بچے ہوتے ہیں۔انہیں ان کے والدین کے بارے نہیں بتاتے اور خود کو ان کے والدین ظاہر کر کے پال لیتے ہیں۔اللہ کریم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔اگر کسی دوسرے کی اولاد لے کر پالنی بھی ہو تو بھی اس کے ساتھ اپنا نام مت جوڑو۔لوگوں کو بتاؤ کہ یہ فلاں کی اولاد ہے، اس کا بیٹا ہے میرے ساتھ رہتا ہے۔جب بات ہو تو اُس کے حقیقی باپ کا نام بتاؤ۔اللہ کے نزدیک یہی بات درست ہے۔کبھی ایسا ہو جائے کہ کوئی ایسا بچہ تمہارے پاس آجائے جس کے والدین کی خبر ہی نہیں تو اس صورت میں وہ تمہارا دینی بھائی ہے۔اگر مسلمان ہے تو اُسے اپنا دینی بھائی کہہ کر پکارو اپنا بیٹا مت کہو۔بیٹا وہ اسی کا ہے جس کے ہاں وہ پیدا ہوا۔وَمَوَالِيْكُمْ ۔۔۔یا پھر وہ تمہارا دوست ہے یا تمہارا خادم ہے۔عربی زبان میں لفظ مولا کے کئی معنی ہیں۔مولا دوست کو بھی کہتے ہیں، خادم کو بھی کہتے ہیں اور مالک کو بھی۔گویا یہاں مراد ہے کہ تمہارے تعلق والوں سے ہے۔وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ اور اس میں جو بھول چوک ہو جائے اس پر تمہیں گناہ نہ ہوگا ولیکن جو تم دلی ارادے سے کرو (اس پر مواخذہ ہوگا) اور اللہ بخشنے والے رحم کرنے والے ہیں۔

حکم نازل ہونے سے پہلے جو ہو چکا اُس کی پُرسش نہیں ہوگی لیکن حکم نازل ہونے کے بعد بھی جو نافرمانی ارادی طور پر کرو گے اس کی جوابدہی ہوگی یعنی جو غلطی پہلے کر چکے ہو وہ اللہ بخشنے والا ہے، رحم فرمانے والا ہے وہ اس نے معاف فرما دیا۔پہلی غلطیاں اس نے معاف فرما دیں اب اگر جان بوجھ کر کرو گے تو گرفت ہوگی۔

مومن پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق:

فرمایا: اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ۔۔۔پیغمبر ایمان والوں سے خود ان کی جانوں سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ گو پر اتنا حق ہے کہ اس کی جان جا سکتی ہے لیکن

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہیں چھڑائی جاسکتی۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایمان والوں کے لیے اپنی جان سے قریب تر ہیں۔ مومن جان دے دے گا دامانِ نبوت نہیں چھوڑے گا۔ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ۔۔۔ اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات تمام اُمتیوں کی مائیں ہیں۔ اللہ فرمارہے ہیں کہ ازواجِ مطہرات کو امت کی مائیں ہونے کا حق حاصل ہے لیکن کیا وہ مومنین کی جائیداد سے وراثت سے حصہ پاتی ہیں؟ نہیں وہ کسی کی جائیداد سے حصہ نہیں پاتیں کیونکہ یہ وہ رشتہ ہے جو حکماً بنا ہے۔ اللہ کے حکم سے بنا ہے۔ یہ وہ رشتہ ہے جو اللہ نے خود قائم کیا ہے اور جس کی کوئی مثال نہیں۔ حقیقی ماؤں کی نسبت اُنؓ کی عظمت کروڑوں گنا زیادہ ہے۔ آپ رضوان اللہ عنہن کی عظمت کی بلندیوں کو پانا کسی کے بس میں نہیں۔

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ ۔۔۔

اور رشتہ دار اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں بہ نسبت دوسرے مومنین اور مہاجرین کے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اللہ کے روبرو کردیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احسان کا بدلہ تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ مومن کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا مضبوط رشتہ ہے کہ اس کی جان سے بھی بڑھ کر تعلق ہے اس کے باوجود رشتوں کے احکامِ وراثت اُن رشتوں پر جاری ہونے ہوتے ہیں جو اولوالارحام ہیں۔ جو خونی رشتے ہیں، نسبی رشتے ہیں۔ کسی کے زبانی کہہ دینے سے کوئی نہ بیٹا بنتا ہے نہ اُس پر وراثت کے شرعی احکام لاگو ہوتے ہیں۔

یہاں اللہ کریم نے ایمان کی صفت بتادی کہ مومن جان دے سکتا ہے دامانِ رسالت نہیں چھوڑ سکتا تو ہم اور ہماری حکومتیں آج دنیوی کُروفر کے لیے سود لیں۔ سودی کاروبار کریں۔ کافروں سے ایسے معاہدے کریں جس کی زد دین پر پڑے پھر ہمیں یہ وہم بھی ہو کہ ہم مسلمان ہیں تو یہ بات کچھ جچتی نہیں۔

اس سے پہلے اس بات کی خوب وضاحت ہوچکی کہ مومن کا ایک ہی حال ہوتا ہے اور وہ ہے اتباع رسالت جو اتباع رسالت چھوڑتا ہے وہ دین سے دور ہوتا ہے جو دین کے ساتھ کفر کو بھی رکھنا چاہتا ہے وہاں ایک چیز ہی رہتی ہے۔ کفر کی طرف گیا تو دین سے فارغ اور دین پر جم کر رہا تو اللہ کی مدد ساتھ ہوئی۔ اللہ کافروں کا محتاج ہی نہیں کرے گا۔

تاریخ گواہ ہے کہ سب سے پہلے پہلے مسلمان ہونے والوں نے قبولِ اسلام کے لیے کیا کیا ایذائیں برداشت کیں۔ کفار کی تکلیفیں سہیں۔ بھوک افلاس کاٹی۔ شعبِ ابی طالب میں تین سال بند رہے لیکن دامانِ رسالت نہیں چھوڑا۔ آخر ہجرت کرنا پڑی تو کرلی وطن چھوڑ دیا۔ گھر بار، جائیدادیں زمین، رشتہ دار چھوڑ دیے۔ فرمایا دین کے یہ احکام اُنؓ کے لیے بھی ویسے ہی ہیں۔ انہیں بھی کوئی رعایت نہیں۔ ان کے لیے بھی یہی معیار ہے کہ دین رہے گا یا خلاف دین رہے گا تو پھر ہم آج کے لوگ کس کھیت کی مولی ہیں جو اپنے لیے دین میں

جواز تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ کسی کے کہنے سے کوئی بیٹا نہیں بن جاتا۔ اِلَّآ اَنۡ تَفۡعَلُوۡۤا اِلٰۤی اَوۡلِیٰٓئِکُمۡ مَّعۡرُوۡفًا ؕ کَانَ ذٰلِکَ فِی الۡکِتٰبِ مَسۡطُوۡرًا ﴿۶﴾ مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں سے احسان کرنا چاہو تو (وہ اور بات ہے) یہ حکم کتاب (قرآن) میں لکھ دیا گیا ہے۔

اللہ کریم نے ہر معاملے میں مکمل راہنمائی عطا فرما دی ہے۔ نسبی رشتوں کے احکام کے بعد یہ اجازت دی ہے کہ اگر تم کسی پر احسان کرنا چاہو۔ کسی کو کچھ دینا چاہو تو دے سکتے ہو لیکن معروف طریقے سے ہی دو گے۔ معروف طریقے سے مراد ہے شرعی طریقہ۔ اپنے مال میں سے اپنے کسی مسلمان بھائی یا دوست کو کچھ دینا چاہو تو دے سکتے ہو لیکن شرعی قاعدے کے مطابق۔ یہ فیصلے اللہ کی کتاب میں لکھ دیے گئے ہیں ان میں تبدیلی ممکن نہیں۔ جسے اسلام عزیز ہے اسے ان قاعدوں کی پابندی کرنا ہوگی اور اگر ان کی پابندی نہیں کرے گا تو اسلام کا اس کے سینے میں محفوظ رہنا مشکل ہو جائے گا۔

اللہ کریم ہمیں خلافِ اسلام سوچوں، باتوں اور عمل سے بچائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر زندہ رکھے اسی پر موت دے اور اطاعت شعاروں میں زندہ کرے۔

فرمایا: وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیۡثَاقَہُمۡ وَمِنۡکَ وَمِنۡ نُّوۡحٍ وَّاِبۡرٰہِیۡمَ وَمُوۡسٰی وَعِیۡسَی ابۡنِ مَرۡیَمَ ۪ وَاَخَذۡنَا مِنۡہُمۡ مِّیۡثَاقًا غَلِیۡظًا ۙ﴿۷﴾ اور جب ہم نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا اور آپ سے اور نوح (علیہ السلام) سے اور ابراہیم (علیہ السلام) اور موسیٰ اور عیسیٰ (علیہما السلام) بیٹے مریم (علیہما السلام) کے سے اور ہم نے ان سے خوب پختہ عہد لیا۔

انبیائے کرامؑ سے عہد لیا گیا:

مفسرین کے مطابق انبیائے کرامؑ کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ اسے حتمی اور یقینی قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ تمام انبیائے کرامؑ کا ذکرِ خیر قرآنِ کریم میں نہیں آیا۔ ان انبیائے کرامؑ میں سے تین سو تیرہ رسول اور مُرسل علیہم السلام ہیں۔ ہر رسول نبیؑ بھی ہوتا ہے۔ اسے رسولؑ اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ اس پر نئی شریعت یا کتاب نازل ہوتی ہے۔ ان مرسلینؑ میں پانچ اولوالعزم ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور تمام انبیاؑ و مرسلینؑ کے امام بھی ہیں۔

اللہ کریم نے یہاں انبیاؑ سے وعدہ لینے کا ذکر فرمایا ہے کہ ازل میں، وجودوں کے آنے سے پہلے، دنیا میں آنے سے پہلے، کائنات کی آبادی سے پہلے اللہ کریم نے تمام انبیاؑ سے عہد لیا۔ وہ عہد کیا تھا؟ عہد یہ تھا کہ کچھ بھی ہو جائے، کسی حال میں وحیٔ الٰہی پر کوئی سمجھوتا نہیں ہوگا۔ آپ وہی کریں گے جو آپ پر وحی نازل ہوگی۔ دنیا کی کوئی

تکلیف آپ کو وحی کے خلاف کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔

ازل سے اللہ کی اطاعت کا وعدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا عہد بھی تمام انبیائے کرام سے لیا گیا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب ازل میں اللہ کریم نے تمام انبیاؑ سے اپنی اطاعت کا عہد لیا تو اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے اور امام الانبیا ہونے کا عہد بھی شامل تھا۔

فرمایا، ہم نے اُن سے بہت پختہ عہد لیا۔ اللہ کے نبیؐ وحیٔ الٰہی پر عمل کرنے کے پابند ہیں اس سے سرِ مو اِدھر اُدھر نہیں ہو سکتے یعنی اس میں کسی سمجھوتے کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہاں انبیائے کرامؑ کے نام لے کر ارشاد فرمایا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عہد لیا۔ نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام سب سے خوب پکا وعدہ لیا۔ لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۔۔۔ تاکہ سچوں سے ان کے سچ کے بارے پوچھا جائے۔ جنہوں نے اپنے وعدے سچ کیے اور زندگی سچ پر گزاری اُن سے ان کے سچ کی پُرسش ہوگی کہ کتنا سچ تھا کتنا خلوص تھا۔

انبیاؑ کے متبعین سے خلوص کا مطالبہ:

اللہ کریم انبیاؑ کے متبعین سے ان کے عمل کی پرسش بھی کریں گے کہ اُن میں کتنا خلوص تھا، کتنا دکھاوا تھا۔ کتنی حقیقت تھی، کتنے مفروضے تھے۔

یہ طے شدہ بات ہے کہ عالمِ انسانیت میں سب سے اعلیٰ اللہ کے انبیا علیہم السلام ہیں۔ سب سے اعلیٰ مقام، مقامِ نبوت ہے۔ جس طرح ہر نبیؐ پر وحیٔ الٰہی کے مطابق عمل کرنا فرض ہے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں اسی طرح ہر نبیؐ کی امت پر اپنے نبیؐ پر نازل ہونے والی وحی پر عمل کرنا بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح نبیؐ پر لازم ہے۔ فرمایا، جنہوں نے یہ وعدہ سچ کر دکھایا، اُن سے بھی پوچھا جائے گا کہ ان کے ارادوں میں کتنا سچ تھا، کتنا خلوص تھا اور اعمال میں کتنی پابندی تھی کہ وہ نبیؐ کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق ہوں۔

متبعین کی اعلیٰ ترین مثال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ عظمتِ وحی کا احساس انہیںؓ تھا جنہوں نے نوک سناں پر عمریں بسر کر دیں لیکن ایک قدم وحیٔ الٰہی سے اِدھر یا اُدھر نہیں ہوئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عزم بے مثل ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ بلند کو کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ اس کے لیے اللہ کریم کی ذات ہی ہے۔ جس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا محبوب بنایا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تیرہ برس مظالم کے پہاڑ توڑے گئے۔ مکہ مکرمہ میں جو ایمان قبول کرتا گویا وہ اپنی موت کو دعوت دیتا تھا۔ شعبِ ابی طالب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے جانثار بھی رہے۔ پورے شہر نے فیصلہ کر لیا کہ اس گھاٹی میں کوئی کھانے

پینے کا سامان نہیں جانے دیا جائے گا۔ کوئی ان سے نہ کچھ خریدے گا اور نہ ہی بیچے گا۔ تین برس اللہ کے ان بندوں نے کس تنگی سے گزارے۔ اسی میں حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی صحت خراب ہوئی اور اسی خرابیٔ صحت سے انؓ کا وصال ہوا۔ ابو طالب کی صحت بھی یہیں خراب ہوئی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ اُن کا انتقال بھی اسی خرابیٔ صحت سے ہوا۔ باقی لوگوں کی بھی کوئی حالت نہیں تھی۔

کافروں کا کوئی بڑا مطالبہ نہیں تھا۔ وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ آپ اللہ کو ماننا چھوڑ دیں یا نمازیں پڑھنا چھوڑ دیں۔ ایسا کوئی مطالبہ نہیں تھا۔ کفار و مشرکین کا مطالبہ صرف ایک تھا کہ اُن کے بتوں کو جھوٹا کہنا چھوڑ دیں۔ چونکہ مکہ مکرمہ کے لوگ تجارت پیشہ تھے اس لیے جہاں جاتے وہاں سے ایک نیا مذہب بھی ساتھ لے آتے۔ اس لیے دنیا بھر کے مذاہب مکہ میں موجود تھے۔ بُت پرست، ستارہ پرست، آتش پرست، سورج، چاند کے پجاری، جادوگروں، کاہنوں، نجومیوں کی پوجا کرنے والے اور شیطان کے پجاری بھی تھے۔ ہر کوئی اپنے اپنے مذہب پر عبادت کرتا لیکن مالی امور میں سب ہی حرام، ناجائز کاموں پر اکٹھے تھے۔ ان کی عبادت کا عملی زندگی سے تعلق نہ تھا۔ ان سب نے جمع ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ اپنے مذہب کے مطابق رہیں لیکن اُن کے خداؤں کو جھوٹا کہنا چھوڑ دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر اللہ کی جو وحی آئے گی وہ میں علی الاعلان سناؤں گا اور اس پر عمل بھی کروں گا۔ اس پر کفار و مشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور متبعینؓ کا مقاطعہ کر دیا۔ تین سال کی انتہائی تنگی اور نامساعد حالات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عزم میں کوئی نرمی نہیں آئی کیونکہ یہ عہد تو اللہ سے ہو چکا تھا کہ کچھ بھی ہو جائے ہم تیرے حکم پر ہی عمل کریں گے۔

---اور ہم: شاید ہم اس کیفیت کو نہ سمجھ سکیں جو اُن پر گزر گئی۔ اس لیے کہ ہم تو روٹی کے ٹکڑوں کے لیے بک جاتے ہیں اور ہماری مسلمانی پر آنچ نہیں آتی۔ ہم نمازیں بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں اور چند ٹکوں کے عوض دُم ہلاتے ہوئے کافروں کے پیچھے چلتے ہیں کہ سود کے بغیر ہماری معیشت نہیں چل سکتی۔ وہاں شعب ابی طالب میں معیشت کیا تھی؟ جب مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی گئی تھی تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے سود پر قرضے لیے تھے، کیا کسی حکومت سے مدد (aid) مانگی تھی؟ ہرگز نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو مزدوری کے آلات دے کر فرمایا تھا کہ کام شروع کر دو۔ کھیتوں میں محنت کرو، باغوں کو پانی لگاؤ، فصلیں اُگاؤ اور اللہ نے اُن کی محنت قبول کر کے ان کی معیشت بہتر کر دی۔ آج ہم کشکول لیے پھرتے ہیں کہ ہم پر مہربانی کر کے قرضہ دے دیں۔ سود پر قرضہ حاصل کر کے حکمران تالیاں بجاتے نہیں تھکتے کہ اتنا قرضہ منظور کروالیا۔ جو کام پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی راہ کے خلاف ہے وہ کام شاباش کا مستحق نہیں، لعنت کا مستحق ہے۔ ہمیں کیا پتا مسلمان کون ہے اور اسلام کیا شئے ہے! ہم تو اللہ کی صفات کو اللہ کے بندوں میں تلاش کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں کیا یہ تصور نہیں کہ فلاں بڑا بزرگ ہے۔ اس کی قبر پر جاؤ تو وہ جو چاہے کر

دیتا ہے۔اس سے بڑھ کر بھی کوئی گمراہی ہے؟

مخلوق میں کوئی ایسا نہیں کہ جو وہ چاہے ویسا کر دے۔ یہ حق صرف اللہ کا ہے۔ اُسی کو زیبا ہے۔ صرف وہی ذات ہے کہ جو چاہے وہ کرے۔ مخلوق کے پاس دعا کا حق ہے۔ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ دعا کوئی بھی کر سکتا ہے۔ ایک عام آدمی بھی کر سکتا ہے۔ کافر بھی دعا کر سکتا ہے۔ شیطان نے بھی دعا کی تھی کہ اللہ مجھے قیامت تک کی زندگی دے دے۔ اللہ نے اس کی دعا مان لی تھی کہ جا! تجھے معیّن وقت تک کی مہلت ہے۔ جب وہ شیطان کی دعا بھی مان لیتا ہے تو کسی کی بھی مان لے اس کو کون روک سکتا ہے۔ دعا کرنے کا حق اُس نے خود بندے کو دیا ہے۔ ماننا نہ ماننا، یہ اُس کا کام ہے۔ دعا ایک درخواست ہے، حکم نہیں۔ ہر ایک دعا مانگ سکتا ہے۔ ہاں! غیر مسلم کے مقابلے میں مسلم کی دعا زیادہ مقبول ہے کہ اُس میں نورِ ایمان ہے اور کافر میں کفر کی ظلمت ہے۔ نیک اور پرہیزگار کی دعا بدکار کی نسبت زیادہ مقبول ہے۔ جو شاکر و ذاکر ہے، شریعت کا پابند ہے اس کی دعا کی قبولیت کا امکان زیادہ ہے لیکن یہ سارے امکانات ہیں۔ فیصلہ اُسی کے پاس ہے۔ ساری کائنات اس کی اپنی ہے۔ جس کے حق میں جو چاہے فیصلہ کرے۔ کوئی اس پر اعتراض نہیں کر سکتا۔

ہم تو پستیوں کی بھی حدود پھلانگ چکے۔ ہمارے سارے طبقے ہی خلوص سے عاری ہیں لیکن حد تو یہ ہے کہ ہم میں ایک بڑا قابلِ عزت، قابلِ احترام طبقہ دین داروں کا ہے۔ علما کا ہے جن کے بڑے بڑے القاب ہیں۔ تہجد اور دن بھر کے نوافل پڑھتے ہیں۔ تلاوت و تسبیحات کرتے ہیں جب روپے پیسے کا معاملہ آئے تو ان کی بھوک مٹتی ہی نہیں۔ وہ قربانی کی کھالیں مانگتے ہیں، زکوٰۃ و صدقات مانگتے ہیں اور مسجد کے لیے چندہ مانگتے رہتے ہیں۔ جب یہ اللہ کا کام کرتے ہیں تو پھر اس پر اعتبار کیوں نہیں کرتے۔ جس کا کام کرتے ہو وہی دے گا اور جتنا دیا ہوا ہے اتنا ہی کام کرو۔ گدا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ مسجد بنانی ہے تو پہلے پلّے سے کچھ دو۔ پھر اللہ بھی دے گا۔ جتنے وسائل ہیں اس کے اندر بناؤ۔ وسائل نہیں ہیں تو چار پتھر رکھ کر احاطہ بنا لو۔ ساری زمین مسجد ہے۔ ہمارے ہاں تو محراب و منبر سے گداگری شروع ہوتی ہے اور ایوانِ سلطنت تک جاتی ہے۔ کچھ پتا نہیں کہ مسجد میں کون دے رہا ہے۔ سود، چوری، رشوت یا ڈاکے تو نہیں آ رہا؟ اس کا کوئی احساس نہیں۔ ہمیں وحیٔ الٰہی کی سربلندی کا کیا پتا ہم تو ہر خواہش کے عوض بِک جاتے ہیں۔

یہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ ہم مسلمان کہلوانے والوں کے عملوں کی بھی پُرسش کریں گے کہ ان میں حقیقت کتنی تھی اور خانہ پُری کتنی تھی۔ اور وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۸

کافروں کے لیے (اللہ نے) دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ فرمایا، وہ، جنہوں نے مانا ہی نہیں اُن کی بات نہ کرو۔ اُن کا گھر الگ ہے جس میں ان کے لیے بڑے تکلیف اور دکھ دینے والے عذاب ہیں۔

سورۃ الاحزاب رکوع 2 آیات 9 تا 20

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ
فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
بَصِيْرًا ۚ﴿۹﴾ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ
الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ﴿۱۰﴾ هُنَالِكَ
ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ﴿۱۱﴾ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ
وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾ وَاِذْ
قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ
فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛؕ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۛۚ اِنْ
يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا
الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَاۤ اِلَّا يَسِيْرًا ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ
قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ
الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾
قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ
رَحْمَةً ؕ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷﴾ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ
الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ
الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۱۸﴾ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۖۚ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ

اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ
الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا
فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۹﴾ يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ
لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ
يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ؕ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲۰﴾

اے ایمان والو! اپنے اوپر اللہ کی اُس مہربانی کو یاد کرو کہ جب تم پر لشکر چڑھ آئے تو ہم نے ان پر (تیز) ہوا بھیجی اور ایسے لشکر (بھیجے) جن کو تم نہیں دیکھ سکتے تھے اور جو کام تم کرتے ہو اللہ ان کو دیکھ رہے ہیں ﴿۹﴾ جب وہ لوگ تم پر آ چڑھے تھے تمہارے اوپر کی طرف سے بھی اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی اور جب آنکھیں پھر گئیں اور دل حلق میں آ اٹکے تھے اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کرنے لگے ﴿۱۰﴾ وہاں ایمان والے آزمائے گئے اور سخت طور پر ہلا کر رکھ دیے گئے ﴿۱۱﴾ اور جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہنے لگے کہ ہم سے تو اللہ اور اس کے پیغمبر نے محض دھوکے کا وعدہ کر رکھا ہے ﴿۱۲﴾ اور جب ان میں سے ایک جماعت کہتی تھی اے یثرب والو! تمہارے لیے (یہاں ٹھہرنے کا) مقام نہیں لہٰذا لوٹ چلو اور بعض لوگ ان میں سے پیغمبر سے اجازت مانگتے تھے کہتے تھے کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں۔ حالانکہ وہ کھلے نہیں تھے وہ تو صرف بھاگنا چاہتے تھے ﴿۱۳﴾ اور اگر ان پر (شہر میں) کوئی اس کے اطراف سے آ گھسے اور پھر ان سے جنگ کے لیے کہا جائے تو یہ فوراً کرنے لگیں اور یہ ان (گھروں) میں بہت ہی کم ٹھہریں ﴿۱۴﴾ اور حالانکہ یہی لوگ پہلے اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ پیٹھ نہ پھیریں گے۔ اور اللہ سے جو عہد کیا جاتا ہے اس کے بارے پوچھا جائے گا ﴿۱۵﴾ آپ فرما دیجیے تم کو بھاگنا کوئی فائدہ نہ دے گا اگر تم موت سے یا قتل سے بھاگتے ہو اور اس وقت تم بہت کم فائدہ اٹھاؤ گے ﴿۱۶﴾ فرما دیجیے کہ کون ہے جو تم کو

اللہ سے بچا سکے اگر وہ تمہارے ساتھ برائی کا ارادہ کرلیں یا (وہ کون ہے جو اللہ کو روک سکے) اگر وہ تم پر مہربانی فرمانا چاہیں اور یہ لوگ اللہ کے سوا نہ کسی کو اپنا دوست پائیں گے اور نہ مددگار ﴿۱۷﴾ یقیناً اللہ تم میں سے ان لوگوں کو (بھی) جانتے ہیں جو (لوگوں کو) منع کرتے ہیں اور اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس چلے آؤ اور وہ لڑائی میں بہت ہی کم آتے ہیں ﴿۱۸﴾ تمہارے حق میں بخیلی لیے ہوئے۔ پھر جب خوف پیش آتا ہے تو آپ ان کو دیکھیں وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکرائی جاتی ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو پھر جب خوف دور ہو جاتا ہے تو تم لوگوں کو تیز زبانوں سے طعنے دیتے ہیں، مال پر حرص لیے ہوئے، یہ لوگ ایمان نہیں لائے تو اللہ نے ان کے تمام اعمال بے کار کر رکھے ہیں اور یہ بات اللہ کے لیے (بہت) آسان ہے ﴿۱۹﴾ ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ (ابھی تک یہ) لشکر گئے نہیں اور اگر (بالفرض) یہ (گئے ہوئے) لشکر (پھر لوٹ کر) آجائیں تو یہ لوگ (اپنے لیے) یہیں پسند کریں گے کہ کاش وہ باہر دیہات میں جا کر رہیں کہ تمہاری خبریں پوچھتے رہیں اور اگر تمہارے ساتھ رہیں تو بہت کم لڑائی کریں ﴿۲۰﴾

تفسیر ومعارف

غزوۂ احزاب، غزوۂ خندق:

یہودِ مدینہ نے مشرکین مکہ کو اکسایا۔ بڑی گہری سازش کی گئی۔ یہود مدینہ کا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ تھا لیکن وہ اس معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مشرکینِ مکہ سے جا ملے۔ مختلف عرب قبائل کو بھی ساتھ ملایا اور کم وبیش پندرہ ہزار کا لشکرِ جرار تیار کرلیا۔ بعض مفسرین نے ان کی تعداد دس ہزار لکھی ہے، بعض نے بارہ ہزار اور بعض نے پندرہ ہزار۔ یوں سمجھ آتی ہے کہ دس ہزار کہنے والے بھی درست ہیں اور دیگر تعداد لکھنے والے بھی اس لیے کہ اس میں مشرکین مکہ اور یہود کے علاوہ دیگر عرب قبائل بھی تھے۔ یہ اسلام کے خلاف ایک متحدہ محاذ تھا۔ شروع میں اگر دس ہزار تھے تو جوں جوں دیگر قبائل شامل ہوتے گئے، تعداد بڑھتی گئی ہوگی۔ یوں تو مخالفینِ اسلام شروع سے ہی

ریاستِ مدینہ کو ختم کرنا چاہتے تھے اور ہر حملے کے بعد انہیں شکستِ فاش ہی ہوتی رہی لیکن اس مرتبہ سب مخالفین کی یہ متحدہ کوشش تھی اور اس مرتبہ وہ مسلمانوں کو، مدینۃ النبی کو صفحہ ہستی سے مٹانے اور نابود کرنے کے ارادے سے آرہے تھے۔

اس مرتبہ مسلمانوں کی طرف سے بھی ایک نئی حکمتِ عملی اپنائی گئی۔ خندق کھود کر مدینہ منورہ کی حفاظت کی گئی اس لیے اس غزوہ کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں۔ چونکہ اس جنگ میں کفار و مشرکین، قبائل عرب اور یہود کے قبائل، سب شامل تھے اس لیے اس کو غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ اطلاع پہنچی کہ کفار بہت بڑے حملے کی تیاری کر رہے ہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرمایا۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے مشورہ دیا کہ اُن کے ملک فارس میں حکمران جو قلعے بناتے تھے اُن کے گرد خندق کھدوا دیتے تھے جو اتنی گہری اور چوڑی ہوتی تھی کہ کوئی گھڑسوار اُسے پھلانگ نہیں سکتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پسند آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبلِ سلع پر سے خود معائنہ فرمایا اور خندق کھودنے کی جگہ متعین فرمائی۔ جہاں تک امکان تھا کہ دشمن کہیں سے شہر میں داخل ہو سکتا ہے اس سارے علاقے میں خندق کھودنے کا فیصلہ فرمایا۔ اس کے علاوہ باقی اطراف میں، مکہ مکرمہ سے آنے والے راستوں میں یہود کے قلعے تھے، باغات تھے، تنگ راستے تھے۔ وہاں سے لشکر داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ ان تنگ راستوں سے دو، دو یا تین، تین لوگ ہی گزر سکتے تھے جو آسانی سے نشانہ بنائے جا سکتے تھے۔ جبل سلع سے کوہ اُحد تک کھلی جگہ تھی اور آگے کھلا شہر تھا۔ پورا لشکر بآسانی شہر پر حملہ آور ہو سکتا تھا۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبل سلع سے وہ سارا علاقہ دیکھ کر اپنے دستِ مبارک میں ایک لکڑی لے کر خندق کھودنے کے لیے ایک لکیر، لائن لگا دی۔ دس، دس گز کا رقبہ چھ، چھ صحابہ کرامؓ کے حصے آیا۔ مسلمانوں کے لشکر کی تعداد تین ہزار تھی جس میں پندرہ سال کے بچے شامل تھے اور بوڑھے بزرگ بھی شامل تھے۔ اتنی گہری اور چوڑی خندق میں سے اتنی مٹی نکالنا پھر اسے اٹھا کر باہر لے جانا۔ آسان کام نہیں تھا لیکن معجزاتی طور پر یہ سارا کام چھ دنوں میں مکمل کر لیا گیا۔

معجزات کا ظہور:

غزوہ خندق میں بہت سے معجزات کا ظہور ہوا۔ دورانِ کھدائی حضرت سلمان فارسیؓ کے سامنے ایک چٹان آ گئی جو باوجود کوشش کے نہ ٹوٹی۔ بعض ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ اس چٹان کو چھوڑ کر اس کے باہر والے حصے میں خندق کھود لیں۔ مقصد حاصل ہو جائے گا۔ رکاوٹ ہی بنانی ہے۔ وہ بن جائے گی۔ مسئلہ یہ ہوا کہ وہ لکیر یا لائن جس پر خندق کھودی جا رہی تھی وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دستِ مبارک سے لگائی تھی۔ اُسے

بھلا کون ہٹا سکتا تھا! یہ بات بارگاہِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پیش ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس تشریف لائے۔ براء بن عازبؓ نے فرمایا تھا کہ ''خندق کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ خندق کی مٹی ڈھو رہے تھے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شکم مبارک کی جلد گرد میں چھپ گئی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہء مبارک پر بھی غبار تھا''۔ (بخاری)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چٹان توڑنے کے اوزار کو دستِ اقدس میں لیا۔ چٹان پر ضرب لگائی تو چٹان کا ایک حصہ ٹوٹ گیا۔ دوسری ضرب لگائی تو دوسرا حصہ ٹوٹ گیا۔ تیسری ضرب لگائی تو ساری چٹان ٹوٹ گئی۔ جگہ صاف ہوگئی۔

حضرت سلمان فارسیؓ نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے پہلی ضرب لگائی تو نور کا فوارہ نکلا۔ اس طرح تینوں مرتبہ نور اور روشنی کی چکاچوند تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، کیا تم نے دیکھا؟ عرض کی کہ دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلی بار روشنی ہوئی تو مجھے یمن کے محلات اور خزانے دکھائے گئے۔ جب میں نے دوسری ضرب لگائی تو اس روشنی میں مجھے کسریٰ فارس کے خزانے اور محلات دکھائے گئے۔ تیسری مرتبہ روشنی نکلی تو مجھے قیصرِ روم کے محلات دکھائے گئے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میری امت ان حکومتوں کو فتح کر لے گی اور ان کے سب خزانے مالِ غنیمت میں آئیں گے۔ ایسا ہی ہوا یہ سب علاقے خلافت راشدہ میں فتح ہوئے اور ان کے خزانے مدینہ منورہ میں بانٹے گئے۔

یہ ایک حیرت انگیز بات تھی کہ مسلمانوں کی تعداد، بزرگوں، بچوں سمیت تین ہزار تھی۔ شہر میں خواتین اور بچوں کو ایک جگہ اکٹھا کر کے ان کی حفاظت کے لیے پہرہ لگا دیا گیا تھا۔ ان مخلصین کے مقابلے پر پندرہ ہزار کا لشکر جرار تھا جن میں آزمودہ کار سپاہی جو فنِ حرب سے واقف، جنگی چالوں کے ماہر اور باقاعدہ منظم دستے تھے۔ ہر قبیلے کا اپنا کمانڈر تھا۔ ان کمانڈروں سمیت سب ایک مشترکہ فوج کا لشکر تھا جس کی سربراہی ابوسفیان جو اس وقت مسلمان نہیں تھے کر رہے تھے۔ خطرہ تھا کہ یہ بڑا لشکر شہر کو تو خس و خاشاک کی طرح بہا لے جائے گا۔

منافقین نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معجزانہ بشارتیں سنیں تو طعنے دینے لگے کہ اس وقت تو جان کے لالے پڑے ہیں اور یہ لوگ روم، فارس اور یمن کو فتح کرنے کی باتیں کر رہے ہیں لیکن مومنین کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان بشارتوں سے حوصلہ بلند ہوا۔

ایک اور معجزہ۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ نے خندق کھودتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ شکم مبارک پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر اپنے گھر

گئے اور اپنی زوجہ سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں، مَیں نے وہ بات دیکھی ہے جس پر صبر نہیں ہوسکتا۔ گھر میں کچھ کھانے کو ہے۔ خاتون نے کہا، تھوڑے سے جَو ہیں (ایک صاع) اور ایک بکری کا بچہ ہے۔ حضرت جابرؓ نے بکری کا بچہ ذبح کیا۔ خاتونِ خانہ نے جَو پیس کر آٹا تیار کیا گوندھا۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو حضرت جابرؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور چپکے سے عرض کی کہ میرے گھر میں تھوڑا سا کھانا ہے آپ تشریف لے آیئے اور اپنے ساتھ چند رفقا کو بھی لے آیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کتنا کھانا ہے۔ حضرت جابرؓ نے بتا دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ گھر جائیں اور خاتون خانہ سے کہیں کہ جب تک میں نہ آجاؤں وہ ہانڈی چولہے پر سے نہ اتارے اور روٹی تنور سے نہ نکالے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا کہ مہاجرین و انصار اٹھو آج جابرؓ کے ہاں دعوت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے روٹیوں پر گوشت رکھ رکھ کر صحابہؓ کو دینا شروع کیا۔ جب ہانڈی یا تنور میں سے کچھ لیتے تو اُن کو ڈھانپ دیتے۔ یہاں تک کہ پورے لشکر نے پیٹ بھر کر کھایا۔ آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمایا۔ وہ کھانا سب کے لیے کافی ہو گیا۔ پھر بھی بچ رہا۔

مشرکین کا لشکر جب میدانِ جنگ میں پہنچا تو حیران رہ گیا کیونکہ عرب میں تو کوئی ایسا رواج نہیں تھا کہ مصنوعی رکاوٹ سے لشکروں کو روکا جائے۔ حیرت زدہ تھے کہ خندق کو کیسے عبور کریں۔ اندازہ کرتے رہے کہ گھوڑا بھی عبور نہیں کر سکتا نہ کوئی اور سواری اتنی لمبی چھلانگ لگا سکتی ہے۔ کوئی فرد اُتر کر پار جانا چاہے تو تیروں سے چھلنی کر دیا جائے گا۔ اسی کوشش میں لگے رہے کہ کسی طرح پتھر برسائیں، تیر برسائیں اور خندق عبور کر جائیں۔ مسلمان دفاع کرتے رہے۔ کفار کی کوشش تھی کہ کسی طرح مسلمانوں کو پیچھے دھکیل دیا جائے اور اپنے لیے کوئی پار اترنے کی سبیل کر کے دوسری طرف پہنچ جائیں۔ مسلمانوں کی بھرپور کوشش تھی کہ انہیں ایسا نہ کرنے دیا جائے۔ چنانچہ یہ لڑائی ایک ماہ تک جاری رہی۔

اس کے بعد وہ معجزہ ظاہر ہوا کہ کفار کو منہ کی کھانا پڑی۔ یہاں ان آیات میں اس کا ذکر ہو رہا ہے۔ فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۚ﴿۹﴾ اے ایمان والو! اپنے اوپر اللہ کی اس مہربانی کو یاد کرو کہ جب تم پر لشکر چڑھ آئے تو ہم نے ان پر (تیز) ہوا بھیجی اور ایسے لشکر (بھیجے) جن کو تم نہیں دیکھ سکتے تھے اور جو کام تم کرتے ہو اللہ ان کو دیکھ رہے ہیں۔ یہاں اس معجزے کا ذکر ہے جس کے سبب مسلمانوں کو فتح و نصرت نصیب ہوئی۔ اللہ کریم نے تیز ہوائیں بھیج دیں جو سخت سرد تھیں۔ اور اتنی تیز تھیں کہ کفار کے خیمے اکھیڑ دیے۔ ان کے چولہوں پر رکھی ہانڈیاں الٹ دیں۔ اور فرشتوں کے لشکر سے مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ فرشتوں نے ان کی سواریوں کو کھول دیا، اونٹنیاں بھگا دیں کفار

سخت گھبرا گئے۔ بددل ہو کر محاصرہ اٹھا لیا اور واپس چلے گئے اور مسلمانوں کو ایک بڑی فتح نصیب ہوئی۔

فرمایا، کہ یہ بڑا سخت وقت تھا: اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ⑩ جب وہ لوگ تم پر آ چڑھے تھے تمہارے اوپر کی طرف سے بھی اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی اور جب آنکھیں پھر گئیں اور دل حلق میں آ اٹکے تھے اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اے مسلمانو! تمہارا حال ایسا تھا گویا موت کے منہ میں بیٹھے ہو۔ اُس لشکر نے تمہیں ہر طرف سے گھیر لیا تھا۔ جدھر دیکھتے کوئی تیر کمان لیے کھڑا کوئی تلوار سونتے کھڑا تھا۔ ہر طرف موت ہی موت آتی تھی۔ آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور دل اچھل کر حلق میں آ گئے تھے۔ مخلص مسلمان بھی کہہ اٹھے تھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔ جو حق پر جمے ہوئے تھے انہیں بھی خیالات نے گھیر رکھا تھا کہ کب آئے گی گویا وہ لوگ جنہیں فتح کا یقین تھا وہ بھی یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ اللہ کی مہربانی کب ہو گی۔

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ⑪ وہاں ایمان والے آزمائے گئے اور سخت طور پر ہلا کر رکھ دیے گئے۔ ایمان والوں کو اس طرح آزمایا گیا کہ یہ دامنِ نبوت سے جڑے رہتے ہیں یا موت کے ڈر سے بھاگ جاتے ہیں۔ وہ وقت آزمائش کا تھا۔ بیوی بچوں سمیت مر جانے کا ڈر تھا۔ گھروں کے لُٹ جانے کا خطرہ تھا لیکن وہ اللہ کے کیا بندے تھے جو دامانِ رسالت سے جڑے تھے کہ موت آئی ہے تو مر جائیں گے۔ لُٹنا ہے تو لُٹ جائیں گے لیکن دامن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ چھوڑیں گے! اللہ کو یہ صبر، استقلال اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی بہت پسند آئی اس نے ہوا کو حکم دیا اور فرشتوں کے لشکر بھیج دیے جس کے سبب پندرہ ہزار کا لشکرِ جرار میدان چھوڑ کر بھاگ نکلا۔

فرمایا: وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ⑫ اور جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہنے لگے کہ ہم سے تو اللہ اور اس کے پیغمبر نے محض دھوکے کا وعدہ کر رکھا ہے۔

اللہ کریم نے مسلمانوں کو ان حالات سے گزارا اُن کے ایمان کی آزمائش کی گئی۔ ان کا ایمان پختہ ہوا۔ وہ اس آزمائش میں کامیاب ہوئے اور اللہ کے انعام سے سرفراز کیے گئے۔ وہ لوگ جن کے دل میں نفاق تھا۔ ان حالات میں سے گزر کر ان کے نفاق کا پول کھل گیا۔ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بدظنی کا اظہار کرنے لگے۔ شور شروع کر دیا کہ پندرہ ہزار کا لشکر ہے جو سارے لڑاکا سپاہی ہیں۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ تو بزرگ، بچے ملا کر کُل تین ہزار ہیں۔ کیا ہو گا؟ وہ لشکر تو شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔ بیوی بچے غلام اور لونڈیاں بنا

کر لے جائیں گے۔ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تو ہم سے دل بہلانے کے لیے وعدہ کر رکھا ہے۔ تو اے لوگو! واپس لوٹ چلو۔

وَاِذْ قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ ۔۔۔ اور جب ان میں سے ایک جماعت کہتی تھی اے یثرب والو!

مدینہ منورہ کو یثرب کہنا جائز نہیں:

یہ آیۂ کریمہ بتا رہی ہے کہ یہ بات منافقین نے کہی تھی۔ مدینۃ النبی کو یثرب منافقین نے کہا تھا۔ مدینہ منورہ کو یثرب کہنا جائز نہیں۔ یثرب کے معنی ہیں تکلیف دہ جگہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے یہاں جھاڑیاں تھیں جس میں ایک خاص قسم کی مکھی ہوتی تھی جسے کاٹ لیتی اُسے بخار ہو جاتا۔ تکلیف میں پڑ جاتا۔ اس لیے اس کا نام یثرب پڑ گیا یعنی تکلیف دہ جگہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لے آئے تو یہ علاقہ مدینہ منورہ ہو گیا۔ دکھ، تکلیف دینے والی جھاڑیاں رہیں نہ ہی وہ مکھیاں رہیں یہ دارِ شفا بن گیا۔ اس کا نام مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہو گیا لہٰذا یثرب کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا حرام ہے۔ اسے یثرب کہنا جائز نہیں۔ جن لوگوں نے ''اے اہلِ یثرب!'' کا نعرہ لگایا تھا وہ منافقین تھے۔ انہیں اہلِ مدینہ کہنا کیوں راس نہیں آیا؟ اس لیے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہی نہیں رکھتے تھے۔ زبانی دعویٰ ایمان کا اور دل میں نفرت اسلام کے لیے تھی جو اُن کی زبان پر آ گئی تو کہنے لگے کہ یثرب کے رہنے والو! لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۔۔۔ تمہارے لیے (یہاں ٹھہرنے کا) مقام نہیں لہٰذا لوٹ چلو۔ منافق کہنے لگے کہ یہاں سوائے موت کے کچھ نہیں ملے گا لہٰذا واپس چلے جاؤ انہی منافقین میں سے کچھ ہوشیار تھے۔ انہوں نے سوچا کوئی حیلہ کریں کہ مسلمانی کا بھرم بھی رہ جائے اور جنگ سے بھی بچ جائیں: وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۛ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾ اور بعض لوگ ان میں سے پیغمبر سے اجازت مانگتے تھے کہتے تھے کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں۔ حالانکہ وہ کھلے نہیں تھے۔ وہ تو صرف بھاگنا چاہتے تھے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ انہیں گھروں کی فکر نہیں تھی وہ تو دراصل جنگ سے بھاگنا چاہتے تھے۔ بعض منافقین نے تو سیدھا کہہ دیا کہ یہاں سے بھاگ چلو اور بعض دوسرے بہانے بنا کر بھاگنا چاہتے تھے۔ اگر وہ واقعتاً اپنے گھروں کی حفاظت چاہتے تو انہیں خندق کے پاس رہ کر گھروں کی حفاظت کرنا چاہیے تھی۔ شہر کی حفاظت ہو گی تو گھروں کی حفاظت ہو گی۔ گھروں کی حفاظت تو یہیں سے ہونی ہے جہاں سے لشکر کے آنے کا خطرہ ہے۔ دشمن کو یہاں

شکست دو، اُسے واپس لوٹاؤ۔ یہاں شکست ہوئی (معاذ اللہ) اور دشمن شہر میں گھس آیا تو پھر کس کا گھر بچے گا! یہ بات تو معمولی عقل رکھنے والا بھی سمجھ لیتا ہے لیکن یہ لوگ تو محض بہانے بنا رہے تھے۔ انہیں گھروں کی حفاظت کی فکر نہیں تھی انہیں جنگ سے بھاگنا تھا۔

وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ﴿۱۴﴾ اور اگر ان پر (شہر میں) کوئی اس کے اطراف سے آ گھسے اور پھر ان سے جنگ کے لیے کہا جائے تو یہ فوراً کرنے لگیں اور یہ ان (گھروں) میں بہت کم ہی ٹھہریں۔

یہ تو ایسے ہیں کہ اگر ہر طرف سے لشکر گھس آئیں اور واقعی شہر فتح ہو جائے تو یہ دشمن کے ساتھ مل جائیں گے اور ان سے مل کر مسلمانوں کے خلاف لڑنے لگ جائیں گے کیونکہ منافقین کا کوئی اصول نہیں ہوتا۔ انہیں جہاں کچھ ملتا نظر آتا ہے اس طرف چل پڑتے ہیں۔ جب یہ کفار کے حمایتی بن کر جنگ کریں گے تو انہیں لڑنا تو پڑے گا، گھروں کی حفاظت پھر کہاں گئی؟ یہ تو بس ایک بہانہ تھا۔

وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ﴿۱۵﴾ اور حالانکہ یہی لوگ پہلے اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ پیٹھ نہ پھیریں گے اور اللہ سے جو عہد کیا جاتا ہے اس کے بارے پوچھا جائے گا۔

یہ بہانے بنا کر بھاگنے والے اور صاف کہہ کر بھاگنے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالی میں رہ کر ڈٹ کر لڑیں گے۔ جان دے دیں گے لیکن قدم پیچھے نہیں ہٹائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وفا کریں گے۔ یہ لوگ یاد رکھیں! انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اُس کا انہیں جواب دینا ہوگا۔ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾ اور آپ فرما دیجیے کہ تم کو بھاگنا کوئی فائدہ نہ دے گا اگر تم موت سے یا قتل سے بھاگتے ہو اور اس وقت تم بہت کم فائدہ اٹھاؤ گے۔

اے میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم)! انہیں واضح کر دیں کہ موت سے بھاگنا موت سے بچا نہیں سکتا۔ تم موت سے ڈر کر میدانِ کارزار سے بھاگنا چاہتے ہو، موت اور قتل سے بھاگ رہے ہو تو اس طرح تم نہ موت سے بچ سکتے ہو نہ قتل سے۔ موت کا وقت اٹل ہے۔ بھاگنے سے وقت لمبا نہیں ہو جائے گا۔ یہ نہ سمجھو کہ جو نہیں لڑ رہا اُسے موت نہیں آئے گی۔ قدرت تمہیں کھینچ کر وہیں لے جائے گی جہاں مرنا تمہارا مقدر ہوگا۔ جس حال میں بھی ہو گے وہیں آ جائے گی۔

عقائد کی اصلاح کی ضرورت:

یہ تو منافقین سے کہا جارہا ہے لیکن آج کے مسلمان کو عقائد کے معاملے میں اپنی اصلاح کی ضرورت کہیں زیادہ ہے۔ ہمارے عقائد اب قابل اصلاح ہیں۔ یہ کون سی مسلمانی ہے کہ کہا جارہا ہے کہ فلاں نے میری روزی روک دی ہے، فلاں نے اولاد کی بندش کردی ہے۔ پھر اس کے علاج کے لیے جادوگروں کے پاس جاتے ہیں۔ عاملوں وغیرہ سے مدد لینے جاتے ہیں۔ مسلمانی تو یہ ہے کہ روزی اللہ نے دینی ہے۔ درمیان میں کوئی نہیں جس نے روزی روک لینی ہو۔ دنیا عالمِ اسباب ہے۔ اصول یہ ہے کہ جو نوکری مل رہی ہے وہ کرو۔ جب اُس سے بہتر کام مل جائے تو وہ کرلینا۔ جو روزی کرنے کے لیے محنت کرتے ہیں وہ اسی طرح کام کرتے ہیں۔ اُن کی روزی تو کوئی نہیں روکتا، کہا جاتا ہے اہلِ مغرب کے ہاں معاشی آسودگی ہے۔ وہ اس لیے آسودہ ہیں کہ ہر کام کرلیتے ہیں۔ کسی کام کو عار نہیں سمجھتے۔ ان کا معاشرہ کام کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ کوئی کسی پر بوجھ بن کر نہیں بیٹھتا۔

مسلمان یہ کیسے سوچ سکتا ہے کہ اس کے ہاں اولاد کو پیدا ہونے کسی نے روک دیا ہے؟ اللہ کریم خالق و مالک ہے۔ زندگی وہی دیتا ہے۔ موت وہی بھیجتا ہے۔ زندگی دینا، موت دینا، اللہ کریم کے اپنے فیصلے ہیں اور یہی فیصلے نافذ ہوتے ہیں۔ پھر مسلمان عاملوں اور جادوگروں کے پاس کیوں جاتے ہیں؟ جادوگر کسی کی اولاد کو روک سکتے ہیں یا موت کو ٹال سکتے ہیں تو اپنی موت کو ٹال دیں۔ اپنی موت کو کیوں نہیں ٹال دیتے، خود کیوں مرجاتے ہیں؟ مسلمانوں کی اکثریت ان اوہام میں مبتلا ہے اور ان میں خواتین کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ قرآن سب سے مخاطب ہے۔ اسلام کے یہ بنیادی عقائد ہیں۔ ہمیں ان کی روشنی میں اپنے عقائد درست کرنے کی آج بہت زیادہ ضرورت ہے۔

فرمایا: قُلْ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَلَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ﴿۱۷﴾

فرمادیجے کہ کون ہے جو تم کو اللہ سے بچا سکے اگر وہ تمہارے ساتھ برائی کا ارادہ کرلیں یا (وہ کون ہے جو اللہ کو روک سکے) اگر وہ تم پر مہربانی فرمانا چاہیں اور یہ لوگ اللہ کے سوا نہ کسی کو اپنا دوست پائیں گے اور نہ مددگار۔

یہاں بھی منافقین کے احوال کے ضمن میں ارشاد ہورہا ہے لیکن اس میں سبق ہر ایک کے لیے ہے کہ اپنے عقائد کو کھرا اور درست کرلے۔ گزشتہ آیات سے بات جاری ہے کہ منافقین درحقیقت اللہ پر اور اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان نہیں رکھتے اس لیے انہیں اللہ پر یقین نہیں، اس کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اعتماد

نہیں اور اللہ کے وعدے پر بھروسہ نہیں۔ وہ بہانے بنا کر بھاگتے ہیں۔ وہ مفادات کے لیے مسلمان بن جاتے ہیں اور دین کے لیے قربانی دینے کا وقت آئے تو میدان سے فرار ہونا پسند کرتے ہیں۔ انہیں بتایا جارہا ہے کہ اللہ ہی ہے جو نفع پہنچاتا ہے اور جسے پہنچانا چاہتا ہے اُسے پہنچ کر رہتا ہے۔ کوئی ایسا نہیں جو اُسے پہنچنے سے روک سکے۔ اور اگر اللہ کوئی مصیبت بھیج دیں تو اُسے بھی کوئی روک نہیں سکتا۔ جو لوگ عظمتِ الٰہی سے منہ پھیر لیتے ہیں اُن کا پھر کوئی معاون ہوتا ہے نہ دوست۔

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۸﴾ یقیناً اللہ تم میں سے ان لوگوں کو (بھی) جانتے ہیں جو (لوگوں کو) منع کرتے ہیں اور اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس چلے آؤ اور وہ لڑائی میں بہت ہی کم آتے ہیں۔

بے شک اللہ تم میں سے اُن لوگوں کو جانتے ہیں جو اطاعتِ الٰہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے روکتے ہیں۔ اپنے بھائیوں، رشتہ داروں، دوستوں کو جہاد پہ جانے سے روکتے ہیں۔ ایسے لوگ پھنس جائیں تو اور بات ہے ورنہ لڑائی کی طرف نہیں آتے۔

اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ۔۔۔ تمہارے حق میں بخیلی لیے ہوئے۔ پھر جب خوف پیش آتا ہے تو آپ ان کو دیکھیں وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکرائی جاتی ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو۔

یہ لوگ مسلمانوں پر طعن کرنے میں بڑے تیز ہیں۔ اعتراضات کرنے کے بڑے ماہر ہیں لیکن جب جہاد کا وقت آتا ہے تو ان پر ایسا خوف طاری ہوتا ہے، ایسی گھبراہٹ طاری ہوتی ہے گویا موت کی غشی میں ہوں۔ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ۔۔۔ پھر جب خوف دور ہو جاتا ہے تو تم لوگوں کو تیز زبانوں سے طعنے دیتے ہیں، مال پر حرص لیے ہوئے۔ اور جب وہ خطرہ ٹل جائے تو مسلمانوں پر الزام لگاتے ہیں۔ اعتراض کرتے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ کسی طرح انہیں مالِ غنیمت سے زیادہ حصہ مل جائے۔ ان کے بارے فرمایا:

اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۹﴾ یہ لوگ ایمان نہیں لائے تو اللہ نے ان کے تمام اعمال بے کار کر رکھے ہیں اور یہ بات اللہ کے لیے (بہت) آسان ہے۔ دراصل یہ لوگ کبھی ایمان نہیں لائے۔ یہ تو دین کو بھی حصولِ دنیا کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

پیغامِ الٰہی اور ہم:

قرآن ابدی اور دائمی کتاب ہے۔ قیامت تک آنے والے ہر انسان کے لیے، ہر قوم اور معاشرے کے لیے اس میں زندگی گزارنے کا مکمل سلیقہ موجود ہے۔ ہم قرآنِ حکیم کو پڑھتے ہیں تو کہتے ہیں یہ آیات منافقوں کے بارے ہیں۔ یہ آیات کافر و مشرکین کے بارے ہیں۔ جہاں ثواب کی بات آئے تو ہم کہتے ہیں یہ صحابہ کرامؓ کے بارے ہیں تو پھر ہمارے لیے کیا ہے؟ بات یہ ہے کہ قرآن کی ہر آیت ہر فردِ انسانیت کے لیے، ہر زمانے کے لیے ہے۔ قرآن پہلے والوں کے لیے بھی تھا۔ قرآن بعد میں آنے والوں کے لیے بھی ہے اور ہمارے لیے بھی ہے۔ یہ سب سے بات کرتا ہے اور کھری بات کرتا ہے۔

یہاں صاف بتا دیا کہ جو اسلام پر طعن کرے، جو دُنیوی مفادات کے لیے اسلام کا لبادہ اوڑھ لے اور اسلام کے لیے کچھ دینا پڑے تو جان بچا کر بھاگنے کی کرے جو دین کی آڑ میں دنیا سمیٹے وہ منافق ہے۔ ان کے بارے فرما دیا کہ یہ ایمان ہی کب لائے تھے۔ انہوں نے تو صرف بات بنا رکھی تھی۔ ان کے دل مانے ہی نہیں تھے۔ یہ مسلمان تھے ہی نہیں۔ اس آیۂ کریمہ کو دیکھیں اور اپنے معاشرے کو دیکھیں۔ عوام سے حکمران تک۔ معلموں سے طالب علموں تک اور مساجد میں بیٹھے ہوئے بزرگوں تک سب پیسے کے پیچھے دوڑ رہے ہیں نام آخرت کا لیتے ہیں کام اور کاروبار سود پر کرتے ہیں۔ جیب میں سود اور رشوت کا پیسہ ہے اور ہر سال حج اور عمرہ کر آتے ہیں۔ تو یہ پارسائی اس آیۂ مبارکہ کے مطابق کس کھاتے میں آتی ہے؟ اُن منافقین کا مدعا بھی یہی تھا کہ دینی بھرم بھی رہے اس کے لیے وہ کلمہ پڑھتے تھے۔ نماز جو قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے، وہ پڑھتے تھے بلکہ انہوں نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازیں پڑھیں۔ اس درجے کی عنایت کا انہیں موقع ملا لیکن ان میں کوئی بہتری نہ آئی۔ اور ان کے لیے اللہ کریم نے فرمایا کہ یہ مسلمان ہوئے ہی نہیں انہوں نے محض دکھاوا کیا ہوا ہے۔ ایسے لوگوں نے بھول کر کوئی نیکی کر بھی لی تو اللہ اُسے قبول نہیں فرماتے کیونکہ ہر نیکی کی بنیاد خلوص پر ہے۔ جب اُن کی نیّت رضائے الٰہی کی نہیں، دنیا جمع کرنے کی ہے تو وہ نیکی سلب ہو گئی۔ اس طرح سلب کر لینا اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں۔ دکھاوے کے لیے کیے گئے بے خلوص اعمال کی عنداللہ کوئی حیثیت نہیں۔ کسی بھی عمل کے عنداللہ مقبول ہونے کے لیے پہلی چیز نیّت ہے کہ اللہ کا حکم اللہ کے لیے بجالانا۔ کوئی اور نیّت نہ ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ سنّت کے مطابق ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے سے باہر نہ ہو۔ اور پورے خلوص سے ہو۔ اگر نیّت میں فتور آ گیا تو سرے سے مارا گیا۔ خلوص میں کمی آ گئی تو عمل بے کار ہو گیا۔ اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے قاعدے ضابطے کے خلاف ہوا تو مردود ہے۔ فرمایا، ایسے اعمال کی کوئی

حیثیت نہیں اور انہیں برباد کرنا اللہ کے لیے کچھ مشکل نہیں۔

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ۭ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ۝ ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ (ابھی تک یہ) لشکر گئے نہیں اور اگر (بالفرض) یہ (گئے ہوئے) لشکر (پھر لوٹ کر) آ جائیں تو یہ لوگ (اپنے لیے) یہی پسند کریں گے کہ کاش وہ باہر دیہات میں جا کر رہیں کہ تمہاری خبریں پوچھتے رہیں اور اگر تمہارے ساتھ رہیں تو بہت کم لڑائی کریں۔

جب اللہ کریم نے کفار کے لشکر کو فرشتوں کے ذریعے بھگا دیا۔ تیز آندھی کے ذریعے بھاگنے پر مجبور کر دیا تو ان منافقین کو چونکہ اللہ پر بھروسہ نہیں تھا تو وہ یوں سوچنے لگے کہ اتنا بڑا لشکر بھلا کیسے بھاگ سکتا ہے، یہیں کہیں چھپے ہوں گے۔ وقتی طور پر یہاں سے اُٹھ گئے ہوں پھر واپس آ جائیں گے۔ ان کو یہی کھٹکا لگا ہوا تھا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ میں ان کے دلوں کو جانتا ہوں یہ کس طرح کے خیالات میں غلطاں ہیں۔

غزوۂ خندق کے واقعات اور اللہ کریم کے ارشادات سے واضح ہوتا ہے کہ سارے نفاق کی بنیاد یہ ہے کہ کافر، اسلام کے نام سے دنیا کمانا چاہتے ہیں۔ مجھے اپنی فکر کرنی چاہیے۔ آپ کو اپنی فکر کرنی چاہیے۔ ہر شخص اپنا اندازہ کرے۔ جو کچھ ہم کرتے ہیں وہ حکمِ الٰہی کے مطابق ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ہے اور کرنے کا مقصد رضائے الٰہی ہے؟ اللہ سب کو خلوصِ قلبی عطا فرمائے۔

سورۃ الاحزاب رکوع 3 آیات 21 تا 27

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ؕ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾

یقیناً تم لوگوں کے لیے یعنی ایسے شخص کے لیے جو اللہ سے اور روزِ آخرت سے (ملنے کی) امید رکھتا ہو اور کثرت سے ذکرِ الٰہی کرتا ہو، اللہ کے پیغمبر میں ایک عمدہ نمونہ موجود ہے ﴿۲۱﴾ اور جب ایمان والوں نے ان لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے یہ وہی ہے جس کی ہم کو اللہ اور اس کے پیغمبر نے خبر دی تھی اور اللہ اور اس کے پیغمبر نے سچ فرمایا تھا اور اس سے ان کے ایمان اور اطاعت میں ترقی ہوگئی ﴿۲۲﴾ ان ایمان والوں میں سے کچھ مرد (لوگ) وہ بھی ہیں کہ انہوں نے اللہ سے جس بات کا وعدہ کیا

تھا اس میں سچے اترے پس بعض تو ان میں وہ ہیں کہ اپنی نذر پوری کر چکے اور بعض ان میں ایسے ہیں کہ (شوق میں) انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے (اپنے قول میں) ذرا بھی تبدیلی نہیں کی ﴿۲۳﴾ تا کہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کا صِلہ عطا فرمائیں اور منافقوں کو چاہے سزا دیں یا چاہے ان کو توبہ کی توفیق عطا کریں۔ بے شک اللہ بخشنے والے (اور) رحم کرنے والے ہیں ﴿۲۴﴾ اور اللہ نے کافروں کو ان کے غصے میں بھرے ہوئے پھیر دیا، کچھ بھلائی حاصل نہ کر سکے اور اللہ ایمان والوں کو لڑائی کے بارے میں کافی ہوا۔ اور اللہ طاقت والے (اور) زبردست ہیں ﴿۲۵﴾ اور اہلِ کتاب میں سے جنہوں نے ان کی مدد کی تھی ان کو ان کے قلعوں میں سے اتار دیا اور ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی تو بعض کو تم قتل کرنے لگے اور بعض کو قید کر لیا ﴿۲۶﴾ اور ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے مالوں کا تم کو مالک بنا دیا اور ایسی زمین کا بھی جس پر تم نے قدم نہیں رکھا تھا اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں ﴿۲۷﴾

تفسیر و معارف

اس رکوع کے بعد اور اگلے رکوع کی چند آیات پر پارہ اکیس اختتام پذیر ہوگا۔ ان آیاتِ مبارکہ میں بھی غزوۂ خندق یعنی معرکۂ احزاب کا ذکر جاری ہے۔ تربیت کے لیے مختلف پہلوؤں کو نمایاں کیا گیا۔ عقائد کے کھرا ہونے، اعمال کے صالح ہونے، قبولیتِ اعمال کی شرائط بیان کی گئیں اب فرمایا جا رہا ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾ یقیناً تم لوگوں کے لیے یعنی ایسے شخص کے لیے جو اللہ سے اور روزِ آخرت سے (ملنے کی) اُمید رکھتا ہو اور کثرت سے ذکرِ الٰہی کرتا ہو، اللہ کے پیغمبر میں ایک عمدہ نمونہ موجود ہے۔

یقیناً اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی استقامت علی الدین مثالی ہے۔ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات میں تمہارے لیے سب سے بہترین نمونہ ہے۔ تاریخ کے اوراق پلٹتے جائیں، ہر جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ کو دیکھتے جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمایا تو مخالفت کا سیلاب اُمڈ

آیا۔ جوں جوں قرآن نازل ہوتا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے گئے، مخالفت بڑھ کر دشمنی کی حدوں کو چھونے لگی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ماننے والوں کو ایذائیں دینے کا دور شروع ہو گیا۔ حد درجہ دکھ پہنچائے گئے۔ تنگ آ کر مشرکینِ مکہ نے سمجھوتے کی پیشکش کی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھوتا نہیں کیا کیونکہ حق اور باطل میں سمجھوتا نہیں ہوتا۔ اہلِ مکہ نے مظالم کی انتہا کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو، اہلِ بیتؓ اور صحابہ کرامؓ کو تین سال تک شعبِ ابی طالب میں رہنا پڑا۔ ہر قسم کا بائیکاٹ کیا گیا۔ کھانا تو کھانا، پانی تک کی قلت تھی۔ اتنے دکھ اٹھا لیے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھوتا نہیں کیا کیونکہ حق اور باطل جدا ہیں۔ رات اور دن، تاریکی اور روشنی میں سمجھوتے نہیں ہوا کرتے۔ قربانیوں کا دور جاری رہا۔ ہجرت کرنا پڑی۔ مال و منال، گھر بار، زمین جائیداد چھوڑ کر مدینہ منورہ ہجرت کر گئے۔ صحابہ کرامؓ ہر لمحہ اتباع کرتے رہے۔ مدینہ منورہ میں بھی کفار نے چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ بدر، اُحد اور اب غزوۂ خندق پر تو پورے عرب سے مخالفینِ اسلام قبائل اکٹھے ہو گئے۔ جب غزوۂ خندق بپا ہوا تو کفار کی ظاہری طاقت شان و شوکت اور انداز سے نظر آتا تھا کہ مدینہ میں کوئی متنفس نہ بچے گا۔ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو دیکھو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چند ہزار جانثار بچوں اور بوڑھوں سمیت تھے۔ محاصرہ کرنے والا لشکر تربیت یافتہ اور اسلحہ سے لیس تھا۔ پورا مہینہ جنگ جاری رہی کفار خندق عبور کرنے کی کوشش میں لگے رہے۔ صحابہ کرامؓ انہیں روکتے رہے۔ ایک روز گھمسان کا وہ رن پڑا کہ صحابہؓ کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار نمازیں قضا ہوئیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کے بعد باجماعت ادا فرمائیں۔ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی دُنیوی فائدے یا آرام کے لیے آخرت کا سودا کیا؟ نہیں کیا۔ اور یہی بات اس آیۂ مبارکہ میں فرمائی جا رہی ہے کہ تمہارے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات میں بہترین نمونہ ہے۔ اسوۂ حسنہ یہ ہے کہ آخرت مقدم ہے۔ آخرت کا نقصان نہیں ہونا چاہیے۔ دنیا کا ہوتا ہے تو ہو جائے۔ زندگی جانے کا خطرہ ہو تو جان دے کر بھی آخرت بچائی جائے۔ جان چلی جائے اللہ کی رضا کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خوبصورت نمونہ کن لوگوں کے لیے ہے؟ فرمایا، یہ تو اُن لوگوں کو نظر آئے گا جو اللہ کو پانا چاہتے ہیں۔ یہاں تو دنیا کے چھوٹے چھوٹے مفادات مقدم ہیں۔ چند ٹکے سود کے مل جائیں، اللہ ناراض ہوتا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوتے ہوں کیا فرق پڑتا ہے؟ اس سوچ کا مالک کیا سمجھے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخرت کے لیے پوری دنیا کیسے قربان کی! حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں پورا جزیرہ نمائے عرب فتح ہو چکا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پورے عرب کے حکمران تھے لیکن خانۂ اقدس پر یہ حال تھا کہ اُم المومنین حضرت عائشۃ الصدیقہ فرماتی ہیں

کہ ایک ماہ ایک چاند طلوع ہوتا اور گزر جاتا۔ پھر نیا چاند طلوع ہوتا، وہ بھی گزر جاتا۔ تیسرا چاند طلوع ہو جاتا تو اتنا عرصہ ہمارے گھر میں آگ نہیں جلائی جاتی کیونکہ پکانے کے لیے کچھ ہوتا نہیں تھا۔ کبھی دودھ کبھی کھجور اسی پر گزر ہو جاتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایک دن دو وقت کا کھانا پیٹ بھر نہیں کھایا۔ اللہ کا یہ فرمان کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لیے بہترین نمونہ ہیں۔ یہ اُن لوگوں کے لیے ہیں جنہیں اللہ چاہیے۔ یہ دال روٹی پر بکنے والوں کے لیے نہیں، چندے اکٹھے کرتے یہ بکنے والوں کے لیے نہیں۔ دنیا کی آسائشوں پر بک جانے والوں کو اس کی اہمیت کا اندازہ کیا ہوگا؟ یہ تو اُن لوگوں کے لیے ہے: لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۔۔۔ جو اللہ کی رضا کے امیدوار ہیں، جنہیں اللہ سے بخشش اور رحمت کی اُمید ہے اور جو آخرت کی توقع رکھتے ہیں۔ جنہیں دُنیوی کرّ وفر سے غرض نہیں۔ جو یہ چاہتے ہیں کہ دائمی، ابدی، اخروی زندگی بطفیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سدھر جائے۔

دنیا تو ہمارے سامنے ہے، یہاں کی گرمی سردی ہم محسوس کرتے ہیں۔ اچھی بُری چیزیں ہم جانتے ہیں پہچانتے ہیں۔ ہمارا ذہن درست اور حواس کام کرتے ہیں اس لیے دنیا کے نفع نقصان کا ہمیں پتا رہتا ہے۔ آخرت کو ہم نے دیکھا نہیں۔ آخرت پر یقین کرنے کے لیے، اسے پہچاننے کے لیے، اس کے فائدے اور نقصان سے باخبر ہونے کے لیے اللہ نے دل کا ذکر دیا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ جو کثرت سے اللہ کو یاد کرتے ہیں: وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾ اُن کے سامنے آخرت، دنیا سے زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ جس طرح جسمانی صحت ہو تو بندہ دُنیوی امور میں لذت اور بے لذتی سے آشنا ہو جاتا ہے اسی طرح کثرت سے یادِ الٰہی کرنے والا آخرت کی لذتوں سے آشنا ہو جاتا ہے۔ وہ اخروی لذتوں پر لپکتے ہیں کیونکہ اُن کو ان کی قدر و قیمت معلوم ہو جاتی ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ انبیاؑ بارگاہِ الٰہی کے دروازے ہیں۔ ہر نبیؑ ایک دروازہ ہے جو بارگاہِ الوہیت تک پہنچاتا ہے۔ سارے دروازے بند ہو چکے۔ اب ایک ہی دروازہ کھلا ہے لیکن وہ دروازہ تب نظر آتا ہے جب دل ذاکر ہو۔ بندہ کثرت سے ذکر کرنے والا ہو۔ جس طرح دنیا تو موجود ہے لیکن اس سے استفادہ وہی کر سکتا ہے جس کا دماغ سلامت ہو اور وہ اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا جس کا دماغ خراب ہو چکا ہو۔ پاگل ہو چکا ہو۔ عین اُسی طرح دل زندہ ہو تو آخرت، دنیا سے زیادہ واضح دکھائی دیتی ہے۔ اللہ کریم نے تو ہر ایک کو دل دیا ہے۔ استعداد دی ہے اور دعوتِ حق بھی دی ہے کوئی دل کو زنگ آلود کر کے بیٹھ جائے تو آخرت کی اہمیت اور قدر و قیمت کا اندازہ کیسے ہوگا؟

مشکل گھڑیاں آنے پر۔۔۔:

مشکل گھڑیاں آنے پر ایمان والوں کے ایمان میں اضافہ ہوا اور منافقین کا نفاق کُھل گیا۔ فرمایا: وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾ اور جب ایمان والوں نے ان لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے یہ وہی ہے جس کی ہم کو اللہ اور اس کے پیغمبر نے خبر دی تھی اور اللہ اور اس کے پیغمبر نے سچ فرمایا تھا اور اس سے ان کے ایمان اور اطاعت میں ترقی ہوگئی۔

صحابہ کرامؓ نے جب کفار و مشرکین کے لشکرِ جرار کو دیکھا، مدینہ پر لشکر کشی کے ارادے سے آنے والوں کے ہنہناتے گھوڑے، بلبلاتے اونٹ گرد اڑا رہے تھے۔ جوش اور غیض سے شور و غلغلہ کرتے لشکری حملہ آور ہونے کو تیار تھے۔ بظاہر تو حالات سخت اور گھڑیاں مشکل تھیں لیکن صحابہ کرامؓ کو سمجھ آ گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا تھا کہ اسلام قبول کرو گے تو دنیائے کفر تم پر چڑھ دوڑے گی۔ انصارِ مدینہؓ جب مدینہ سے مکہ آئے اور عقبہ کی گھاٹی کے مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ سکونت پذیر ہونے کی درخواست کی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تم لوگ مجھے مدینہ آنے کی دعوت دے رہے ہو گویا تم ایک عالم کو دشمنی کی دعوت دے رہے ہو۔ پھر دنیا کے لشکر تم پر چڑھ دوڑیں گے۔ انصارؓ نے عرض کیا تھا کہ انہیں منظور ہے۔ جس کی مرضی ہو وہ مقابلے پر آ جائے۔ ہم اپنی جانیں دے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کریں گے۔ فرمایا، جب ایمان والوں نے غزوۂ احزاب میں گرد اڑاتے لشکر دیکھے تو انہوں نے کہا یہ بات ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے بتا دی تھی۔ بے شک اللہ نے بھی سچ فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سچ فرمایا تھا۔ یہی وہ موقع ہے جس کی خبر پہلے دی جا چکی۔ اِدھر یہودیوں کا خطرہ ہے اُدھر مشرکین و کفار جمع ہیں۔ یہی وہ صورت ہے جس کے بارے ہمیں پہلے ہی بتا دیا گیا تھا اور ہمیں بھی اپنا وعدہ یاد ہے۔ ہم نے کہا تھا کہ ہم جانیں نچھاور کریں گے۔ فرمایا، اس طرح صحابہ کرامؓ کے ایمان و یقین میں اضافہ ہوا۔ تسلیم و رضا میں ترقی ہوئی۔

فرمایا: مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ اور ان ایمان والوں میں سے کچھ مرد (لوگ) وہ بھی ہیں کہ انہوں نے اللہ سے جس بات کا وعدہ کیا تھا اس میں سچے اترے پس بعض تو ان میں وہ ہیں کہ اپنی نذر پوری کر چکے اور بعض ان میں ایسے ہیں کہ (شوق میں) انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے (اپنے قول میں) ذرا تبدیلی نہیں کی۔

جن مخلصین نے وعدہ کیا تھا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ پر جانیں نچھاور کر دیں گے۔

انہوں نے وعدہ پورا کر دیا۔ اُن شہدا کے وجود میدان میں پڑے ہیں۔ جو بچ گئے ہیں وہ بھی عہدِ وفا نبھا گئے۔ وہ بھی اس گھڑی کے منتظر ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہو جائیں۔

آج کا مسلمان اس بات کو کیا سمجھے جسے اللہ حج، عمرے کی توفیق بھی دے تو یہ دنیا ہی مانگنے جاتے ہیں۔ وہاں بھی دولتِ دنیا سے جھولی بھرنے کی دعا ہی کرتے ہیں جبکہ بارگاہِ اقدس پر دنیا کی دولت کو کبھی باریابی نصیب ہی نہیں ہوئی۔ ہر شئے اللہ کی راہ میں لٹائی گئی۔ وصال کے آخری دنوں میں اہلِ خانہ سے پوچھا کہ گھر میں کوئی چیز ہے؟ عرض کی گئی کہ سات درہم موجود ہیں۔ فرمایا، انہیں خیرات کر دو، میں اس حال میں نہیں جانا چاہتا کہ میرے گھر میں مالِ دنیا ہو۔ آج مسلمان حرمین شریفین جا کر بھی مالِ دنیا مانگنے ہی جاتے ہیں۔ ان کے اشعار پڑھ لو، قوالیاں سن لو۔ یہی مانگا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ان کے وظیفے دیکھ لو! فلاں وظیفہ پڑھو، اتنی دولت مل جائے گی۔ فلاں تسبیح کر لو اتنی زمین، جائیداد ملے گی۔ یہ درود پڑھو بہت دولت حاصل ہوگی۔ اللہ ہدایت دے۔ یہ مال دنیا تو کافروں کے پاس بہت ہے۔ فرعون کے جوتوں میں دنیا پڑی تھی جو خود خدائی کا دعویدار تھا۔ اُس کے غلام اور محافظ سونے کے کنگن پہنتے اور سونے کی پٹیاں لگا کر پھرتے تھے۔ یہی چیز نمرود اور ہامان وقارون کے پاس تھی۔ اسلام کے مقابل ان چیزوں کی پرِ کاہ اہمیت نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ عالی کا مفہوم ہے کہ اللہ کے نزدیک دنیا کی کوئی قیمت ہوتی تو کافر کو مچھر کے پَر کے برابر بھی نہ دیتا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ میں نے مومنوں پر رحم کیا ورنہ میں کافروں کے گھر سونے اور چاندی کے بنوا دیتا کہ انہوں نے تو صرف دنیا ہی حاصل کرنی ہے۔ چند روزہ لالچ میں پڑے ہیں تو انہیں یہیں سب کچھ دے دوں۔ آج اپنی ساری مسلمانی کے بعد، سارے وظیفے پڑھنے کے بعد ہمارا مقصد بھی محض دنیا ہی ہے تو یہ پھر یہ کون سی مسلمانی ہے؟ صحابہؓ، قرآن کے مثالی مسلمان تو جانیں لٹا کر اللہ سے کیے ہوئے وعدے سچ کر گئے۔ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ اور اپنی بات سے کبھی نہیں ہٹے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ قرآن تو صحابہؓ کی استقامتِ دین کی گواہی دے رہا ہے اور آج خود کو مسلمان کہلوانے والے صحابہ کرامؓ پر اعتراض کرتے ہیں۔ خود کو ان ؓ سے بلند سر سمجھ کر اُن ؓ پر تنقید کرتا ہے کہ انہوں ؓ نے فلاں جگہ یہ غلطی کی اور فلاں جگہ وہ غلطی کی۔ (معاذ اللہ)۔ صحابہ کرامؓ پر اعتراض کیوں پیدا ہوتے ہیں؟ اس لیے کہ دل خالی اور ویران ہیں۔ آخرت کی تمنا ہے نہ اُمید۔ وصالِ الٰہی کی آرزو ہے نہ اُمید ہے۔ سب کچھ بھول کر صرف دنیا میں کھوئے ہوئے ہیں۔

فرمایا: لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ ۔۔۔ تاکہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کا صلہ عطا فرمائیں اور منافقوں کو: اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۔۔۔ چاہے سزا دیں یا چاہے ان کو توبہ کی توفیق عطا کریں۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾ بے شک اللہ بخشنے والے (اور) رحم کرنے والے ہیں۔

ان حالات سے صحابہ کرامؓ کو گزارا گیا تا کہ اُن کو ان کی سچائی اور کھرے پن کا انعام عطا فرمائے اور منافقین کو سزا دے، ان پر عذاب نازل فرمائے۔ اگر وہ اب بھی توبہ کرنا چاہیں تو اللہ اتنا کریم ہے کہ اب بھی انہیں معاف کر دے گا، اُن کی توبہ قبول کر لے گا۔ اللہ بہت بڑے معاف کرنے والے ہیں۔ بہت رحم کرنے والے ہیں۔ اللہ نے تادمِ آخر توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ کتنا رحیم اور معاف کرنے والا ہے۔ تمہاری عقل، تمہارا علم و شعور عاجز آ جاتا ہے کہ وہ کتنا رحیم ہے، کتنی رحمت کرتا ہے۔ کافر، مشرک اور بدترین خلائق منافق بھی توبہ کر لے تو وہ قبول فرما لیتا ہے لیکن توبہ ہے کیا؟ دل کی گہرائی سے گزشتہ پر ندامت اور اب سے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور اطاعت کرنا توبہ ہے۔

اللہ نے مومنوں پر رحمت فرمائی اور: وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ؕ وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾ اور اللہ نے کافروں کو ان کے غصے میں بھرے ہوئے پھیر دیا، کچھ بھلائی حاصل نہ کر سکے اور اللہ ایمان والوں کو لڑائی کے بارے کافی ہوا۔ اور اللہ طاقت والے (اور) زبردست ہیں۔

وہ مشرکین جو قبائلِ عرب کو ملا کر آئے تھے۔ یہود کی مدد لیے ہوئے مشرکین مکہ بڑے دعووں کے ساتھ، بڑی شان و شوکت کے ساتھ میدان جنگ میں گرد اڑاتے ہوئے داخل ہوئے تھے۔ غصے میں بھرے ہوئے آئے تھے، مدینہ منورہ کو صفحہ ہستی سے مٹانے کا عزم لیے ہوئے آئے تھے۔ فرمایا، اللہ نے انہیں واپس بھیج دیا۔ وہ رتی برابر بھی کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ اپنے غصے سمیت منہ لٹکائے ناکام و نامراد واپس بھیج دیے گئے۔ اور اللہ اس لڑائی میں ایمان والوں کو کافی ہو گیا۔ یہ قدرتِ باری کا تصرف تھا۔ جب اللہ کریم ایمان والوں کے ساتھ تھے تو کفار کو نامراد ہی لوٹنا تھا۔ یقیناً اللہ بہت طاقت والے اور ہر چیز پر غالب ہیں۔

بنو قریظہ کی بدعہدی اور ان کا انجام:

کفار کو اُکسانے اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے میں یہود کا بڑا ہاتھ تھا چنانچہ جیسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خندق سے واپس آئے تو حکم ہوا کہ بغیر توقف کیے بنو قریظہ تشریف لے جائیں اور اُن کا قلع قمع کر دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا کہ مسلمان ابھی ہتھیار نہ کھولیں اور جہاد پر روانہ ہو جائیں۔ وہ لشکر جو مہینہ بھر سے بھوکا پیاسا لڑ رہا تھا وہ ابھی گھر پہنچا ہی تھا کہ اعلانِ جہاد ہو گیا۔ حکم ہو گیا کہ کوئی اسلحہ نہیں اتارے گا۔ ظہر کافی ڈھل چکی تھی، عصر قریب تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنو قریظہ پہنچ کر۔"

یہ اعلان سنتے ہی صحابہ کرامؓ بنوقریظہ کی طرف چل پڑے۔ راستے میں عصر کا وقت ہو گیا۔ کچھ صحابہؓ نے راستے میں رُک کر عصر ادا کر لی کہ منشائے نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ نہیں تھا کہ نماز قضا ہونے دو۔ دوسرے صحابہؓ نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یہ تھا کہ بنوقریظہ پہنچ کر صلوٰۃ ادا کرو۔ وہ چلتے رہے اور انہوں نے بنوقریظہ پہنچ کر عصر ادا کی۔ اُن کے عصر پڑھنے تک وہ صحابہؓ بھی پہنچ گئے جنہوں نے راستے میں نماز پڑھ لی تھی۔ پہنچ کر یہ بات بارگاہِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پیش کی گئی کہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو قبول فرمالیا۔ کسی کو بھی غلط نہیں کہا۔

بنوقریظہ بڑے جنگجو لوگ تھے۔ تیر اندازی کے ماہر اور تلوار کے دھنی تھے۔ اسلحہ سے لیس رہتے اور اپنی حفاظت کے لیے انہوں نے بڑے قلعے بنا رکھے تھے۔ مسلمانوں نے وہاں پہنچتے ہی قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ تقریباً ایک ماہ تک جاری رہا۔ وہ اللہ کریم جو غزوۂ خندق میں مسلمانوں کے ساتھ تھا اُس نے یہودیوں کے دلوں میں بھی رعب ڈال دیا۔ وہ ہتھیار پھینک کر قلعوں سے اتر آئے۔ جس اسلحے پر ساری عمر نازرہا، جن قلعوں پر مان کیا کرتے تھے انہیں قلعوں کے دروازے خود کھول دیے۔ اللہ نے ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈالا کہ شکست مان کر خود اسلحہ پھینک کر باہر آ گئے۔

فرمایا: وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾ اور اہلِ کتاب میں سے جنہوں نے ان کی مدد کی تھی اُن کو اُن کے قلعوں سے اتار دیا اور ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی تو بعض کو تم قتل کرنے لگے اور بعض کو قید کر لیا۔

حضرت سعد بن معاذؓ غزوۂ خندق میں تیر لگنے سے زخمی ہوئے تھے۔ تب انہوں نے دعا کی تھی کہ یا اللہ! قریش کا کوئی حملہ مسلمانوں کے خلاف اگر کوئی باقی ہے تو مجھے اس میں شرکت کے لیے زندہ رکھ اور اگر ان کی طاقت ٹوٹ چکی ہے تو مجھے شہادت عطا فرما اور مجھے اتنی مہلت عطا فرما کہ میں بنوقریظہ کا انجام دیکھوں۔

واقعہ یہ ہوا کہ بنوقریظہ نے ایک درخواست پیش کی کہ وہ اپنا فیصلہ حضرت سعدؓ سے کروانا چاہتے ہیں کیونکہ اسلام سے پہلے کی زندگی میں حضرت سعد بن معاذؓ سے ان کی دوستی تھی بعد میں دُنیوی تعلقات تک ہی بات رہ گئی تھی۔ بنوقریظہ کے لیے حضرت سعدؓ کو اجازت دی گئی۔ یہ بدبخت لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرواتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بہت رعایت دیتے، شاید بخش دیتے لیکن یہ انہوں نے پسند نہیں کیا۔ حضرت سعدؓ نے یہ فیصلہ دیا کہ ان کے مردوں کو قتل کر دیا جائے۔ ان کے بیوی بچوں کو غلام بنا لیا جائے اور ان کا مال بحق سرکار ضبط کر لیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سعد (رضی اللہ عنہ) نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا۔ چنانچہ اُن کے مرد قتل کیے گئے اور مکمل فیصلہ نافذ کیا گیا۔

فرمایا:وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾ اوراُن کی زمین اوران کے گھروں اوران کے مالوں کاتم کومالک بنادیااورایسی زمین کابھی جس پرتم نے قدم بھی نہیں رکھاتھااوراللہ ہرچیز پرپوری قدرت رکھتے ہیں۔اس مرتبہ بھی اللہ کریم نے مسلمانوں کوفتح مندفرمایا اوریہودکوان کی سازشوں کی سزاملی۔

اللہ کریم نے صحابہ کرامؓ کوان کے اخلاص کوقبول فرماتے ہوئے ان فتوحات کی خوشخبری سنادی جہاں اُن کے قدم ابھی پہنچے نہیں تھے۔پھرزمانے نے دیکھاکہ قرآن کی یہ پیشگوئی سچ ثابت ہوئی اورخلافتِ راشدہ کے ابتدائی پچیس برسوں میں ہی چین سے افریقہ تک اورامریکہ سے جاپان تک اسلامی ریاست قائم ہوچکی تھی۔اس آیہ مبارکہ کی پیشگوئی خلافتِ راشدہ میں پوری ہوگئی۔

ایک عجیب واقعہ:

ایک یہودی نے کبھی ایک صحابیؓ کی جان بچائی تھی۔وہ یہودی اُن صحابیؓ کے پاس آیااورکہاکہ فلاں موقع پرمیں نے تمہاری جان بچائی تھی آج میری جان کوخطرہ ہےتومیری جان بخشی کرواؤ۔وہ صحابیؓ بارگاہ عالی میں حاضرہوئے اوریہ بات پیش کی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان بخش دی۔اس یہودی نے پھرکہاکہ میں اپنے اہل وعیال اورمال ومنال کے بغیرجی کرکیاکروں گا۔اُن صحابیؓ نے پھربارگاہ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں معاملہ پیش کیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایااُسے اجازت ہےوہ اپناسب کچھ لے جائے۔اُس نے اپنامال اسباب اوراہل وعیال کوسواریوں پرسوارکرایااورانہیں رشتہ داروں کے پاس روانہ کردیا۔خودواپس آکراُن صحابیؓ سے اپنے قبیلے کے سرداروں،دوستوں کے نام لے لے کرپوچھتارہاکہ وہ کہاں ہیں؟صحابیؓ بتاتے رہے کہ وہ قتل کردیے گئےتواُس نے ایک عجیب بات کہی۔اس نے کہاکہ پھران کے بغیرزندہ رہنے کی کیاضرورت ہے؟مجھے بھی قتل کردو۔اوروہ وہیں قتل ہوگیاعجیب بات یہ ہے کہ کافرکفرکے ساتھ یوں رشتۂ محبت نبھاگیاتوہم کیسے مسلمان ہیں جواسلام سے اپنارشتہ نبھانہیں سکتے۔کافرکفرسے،کافروں سے وفاکرکے جان دے سکتاہےتو ہم کیسے مسلمان ہیں جواسلام سے وفانہیں کرسکتے!

سورۃ الاحزاب رکوع 4 آیات 28 تا 30

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

اے پیغمبر! اپنی بیویوں سے فرما دیجیے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کی طلب گار ہو تو آؤ میں تم کو کچھ مال و متاع (دنیوی) عطا کر دوں اور تم کو اچھی طرح سے رخصت کروں ﴿۲۸﴾ اور اگر تم اللہ کو چاہتی ہو اور اس کے پیغمبر کو اور عالمِ آخرت کو تو یقیناً تم میں سے نیک کرداروں (نیک عورتوں) کے لیے اللہ نے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے ﴿۲۹﴾ اے پیغمبر کی بیبیو! جو تم میں سے کوئی کھلی ہوئی ناشائستہ حرکت (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کے خلاف کوئی بات) کرے گی تو اس کو دونی سزا دی جائے گی۔ اور یہ بات اللہ کے لیے آسان ہے ﴿۳۰﴾

تفسیر و معارف

بنو قریظہ کی فتح کے بعد بہت سا مالِ غنیمت حاصل ہوا۔ مجاہدین میں، صحابہ کرامؓ میں بہت خوش دلی سے تقسیم ہوا۔ مسلمانوں کے عمومی طور پر معاشی حالات بہتر ہو گئے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خانۂ اقدس پر وہی حالات تھے کہ کئی کئی ماہ تک چولہا نہ جلتا تھا۔ خاندانِ نبوت کی گزر بسر اُسی تنگی ترشی میں ہی ہو رہی تھی تو ازواج مطہراتؓ کو خیال گزرا کہ اب سب لوگوں کے مالی حالات بہتر ہو رہے ہیں تو کیوں نہ ہم بھی بارگاہِ رسالت

پناہی میں عرض گزار ہوں۔ آپس میں مشورہ کر کے سب نے مل کر عرض کی کہ اللہ نے اُمت کو فراخی عطا فرمادی ہے۔ ہر گھر خوشحال ہو گیا ہے تو کاشانۂ نبوی پر گزارے کے لیے، صبح وشام کے کھانے کے لیے، لباس اور بستر کے لیے مالِ غنیمت میں سے اتنا مل جائے کہ گزراوقات آسانی سے ہو سکے۔ یہ سوال ازواج مطہرات نے کیا اور جواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں اللہ کریم نے خود دیا۔ وحی نازل ہوگئی۔ فرمایا: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ اے پیغمبر! اپنی بیویوں سے فرمادیجیے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کی طلبگار ہو تو آؤ میں تم کو کچھ مال ومتاع (دُنیوی) عطا کردوں اور تم کو اچھی طرح سے رخصت کردوں۔

ازواجِ مطہرات نے جائز گزارش کی تھی۔ اُنؓ کا یہ سوال اُنؓ کی شان کے مطابق تھا لیکن اللہ کریم نے اس پر جواب دیا کہ میرا نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخرت بانٹتا پھرتا ہے۔ تجلیاتِ باری تقسیم فرما رہا ہے۔ دنیا اس کے مقابلے میں بہت حقیر شئے ہے۔ فرمایا: وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ اور اگر تم اللہ کو چاہتی ہو اور اس کے پیغمبر کو اور عالمِ آخرت کو تو یقیناً تم میں سے نیک کرداروں (نیک عورتوں) کے لیے اللہ نے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اگر آپ کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب عزیز ہے۔ آپ کو آخرت چاہیے تو آپ میں سے ہر نیک بخت کے لیے اللہ نے جنتیں سجا رکھی ہیں۔ انتخاب آپ کا ہے۔ دنیا چاہیے تو میرے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو بہت سی دولتِ دنیا دے کر بڑی عزت سے بڑے احترام سے نہایت اچھے طریقے سے رخصت کر دیتے ہیں۔ جتنی دولت چاہیے لے لیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ ہو جائیں۔ اور میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت چاہیے تو دنیا سے الگ ہو جائیں۔ آخرت کی طرف آجائیں۔ آخرت میں آپ کے لیے وہ انعامات ہیں جو کسی اور کے نصیب میں نہیں۔

جب یہ آیات مبارکہ نازل ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام ازواجِ مطہرات کو تسلی سے بٹھا کر یہ آیات سنائیں۔ سب سے پہلے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو سنائیں اور فرمایا کہ اپنے والدین سے مشورہ کر لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ والدینؓ انہیں (رضی اللہ عنہا) کو الگ ہونے کا مشورہ نہیں دیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُنؓ کو الگ کرنا بھی نہیں چاہتے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے فوراً جواب دیا کہ اس میں مشورہ کی کیا بات ہے۔ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت ہر شئے سے بڑھ کر عزیز ہے۔ باقی تمام ازواجِ مطہرات کا جواب بھی یہی تھا۔ رضوان اللہ عنہن

فقہی مسئلہ:

اسی آیت سے فقہا نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ عورت کو طلاق کا اختیار دیا جا سکتا ہے۔ اس آیۂ مبارکہ سے ثابت ہوا کہ یہ اختیار ازواج مطہرات کے پاس تھا۔ وہ اگر کہتیں کہ انہیں دنیا چاہیے تو ازخود طلاق واقع ہو جاتی لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ فقہی اصول یہ طے ہوا کہ اگر مرد چاہے تو عورت کو طلاق کا اختیار دے سکتا ہے۔ پھر وہ عورت جب چاہے خود پر طلاق وارد کر سکتی ہے۔ بعض فقہا کی رائے یہ ہے کہ یہ اختیار ہمیشہ کے لیے نہیں دیا جا سکتا۔ اس کی کوئی مدت مقرر کی جانی چاہیے۔ دوسرے طبقے کی رائے ہے کہ جب مرد نے عورت کو طلاق کا اختیار دے دیا تو پھر یہ اُس کے پاس آ گیا۔ وہ جب چاہے اسے استعمال کرے۔

جتنا قرب اُتنا ہی معاملہ نازک:

جو جتنا مقربِ بارگاہ ہوگا اس کے معاملے کی نزاکت بھی اتنی ہی ہوگی۔ پوری اُمت میں کوئی اُن پاک ہستیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مقابلہ تو دور کی بات اُن کی خاکِ پا کو نہیں پا سکتا۔ جن کی عمریں بارگاہ رسالت میں بسر ہوئیں۔ جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک پر آرام فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہراتؓ۔ اُن کی بات ہو رہی ہے جن کا مقام ہی اپنا ہے۔

فرمایا: يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ اے پیغمبر کی بیبیو! جو تم میں سے کھلی ہوئی ناشائستہ حرکت (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کے خلاف کوئی بات) کرے گی تو اس کو دونی سزا دی جائے گی۔ اور یہ بات اللہ کے لیے آسان ہے۔

دنیا کی مثالی خواتین ازواجِ مطہراتؓ ہیں۔ ذی احترام، ذی وقار ہستیوں کو مخاطب فرما کر اللہ کریم نے واضح فرما دیا ہے کہ مقربین کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند اور منشا سے ہٹ کر بات کرنے پر تنبیہہ ہو سکتی ہے تو باقی لوگوں کی کیا حیثیت ہے۔ اگر ازواجِ مطہراتؓ سے یہ فرما دیا گیا ہے تو میں اور آپ جب نعت میں بھی دنیا ہی مانگتے ہیں تو کس قدر محرومی ہے۔

ادبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ملحوظ رکھنا ہر اُمتی پر فرض و واجب ہے۔ ہمارے ایمان کی حفاظت کا ذریعہ ہی ادبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ ہمارا طرزِ عمل کیا ہے؟ ہماری تو نعتیں بھی ادب سے عاری ہیں۔

بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی قرآن تفسیر

حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی

اردو تفسیر آڈیو، وڈیو اور لکھی ہوئی تینوں طرح کی دیکھیں، سنیں یا ڈاؤن لوڈ کریں۔

پنجابی تفسیر وڈیوز دیکھیں ڈاؤن لوڈ کریں۔ قرآن کا اردو ترجمہ اور کتابیں ڈاؤن لوڈ کریں۔

قرآنِ کریم کی تلاوت اور حضرت صاحب کا اردو ترجمہ آڈیو۔ کمپیوٹر اور موبائل پر سننے کے

لیے ڈاؤن لوڈ کریں۔ حضرت جی کا کلام حمد اور نعتیں آڈیو وڈیو سنیں اور ڈاؤن لوڈ کریں۔

دلچسپ سوال جواب پر مشتمل ٹی وی پروگرام اَلمرشد کی تمام 125 اقساط کی وڈیوز دیکھیں

www.QuranTafseer.net

حضور نبی پاکؐ کے حضور آج بھی روحانی طور پر حاضری ممکن ہے اور ہزاروں مرد و خواتین یہ سعادت رکھتے ہیں۔ لیکن کیسے؟

تصوف تزکیہ روحانیت ، ذکر، روحانی سلسلہ، روح، کشف، بیعت ان تمام موضوعات کو سمجھنے

کے لیے حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کے وڈیو بیانات اور کتابیں موجود۔

طریقہِ ذکر جس سے دل سے لے کر جسم کا ہر باڈی سیل اللہ اللہ ذکر کرنے لگ جائے۔

حضور نبی پاک ﷺ کے حضور روحانی طور پر حاضری کی سعادت۔

یہ سب کچھ سمجھنے کے لیے اور مکمل رہنمائی کے لیے ویب سائیٹ وزٹ کریں۔

اس پوسٹ کو زیادہ سے زیادہ شیئر کر کے آپ بھی اس نیک کام کا حصہ بنیں۔